

ابنِ صفحی

جاسوسی دنیا

67- طوفان کا اغوا

68- رائل کا نغمہ

69- ٹھنڈی آگ



پیشہ

جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "ٹوفان کا اغوا" ملاحظہ فرمائے۔

ایک صاحب نے اپنے خط میں "تصوف" کے بارے میں خاصی طویل گفتگو فرمائی ہے۔ وہ "تصوف" کو افیون سمجھتے ہیں اور اس سے خار کھاتے ہیں۔ انہوں نے پیری، مریدی اور خانقاہوں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اپنی جگہ درست..... آہستہ آہستہ لوگ مقاصد کو بھولتے چلے جاتے ہیں اور محض رسومات کو اولیت دے دیتے ہیں۔ یہ بھی نظام فطرت ہی کے تحت ہوتا ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد ہر شے کی شکل بگر جاتی ہے۔ آدمی ہی کو دیکھئے! جوانی میں کچھ نظر آتا ہے اور بڑھاپے میں کچھ۔ کبھی کبھی توجہ انی کی شکل سے ہلکی سی مشابہت بھی باقی نہیں رہتی۔ تصوف نے خلاف راشدہ کے بعد مسلمانوں کے درمیان راہ پائی تھی اور شہنشاہیت کے خلاف ایک پر امن عوای تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس کی بنیاد "ہمه ازوست" کے نظریے پر رکھی گئی تھی۔ رہی "ہمه ازوست" کی بات تو یہ شہنشاہیت کے حامیوں کی چلائی ہوئی جوابی تحریک تھی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ شہنشاہوں کے مظالم کے خلاف احتجاج تک نہ کیا جاسکے۔ جب "سب کچھ وہی" ہے تو ظالم بھی وہی اور مظلوم بھی وہی..... پھر غل عپازہ کیسا؟ خاموشی سے ظلم سہوا اور ہمه ازوست کا دام بھرتے جاؤ۔ اُف فوہ..... آپ کے خط نے تو پڑی ہی بدلاوادی۔ کہنے کا مطلب یہ کہ تصوف کے بارے میں مزید مطالعہ کے لئے سنی نئی باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کچھ نہیں تو کم از کم حضرت دامتا گنج بخش کی کتاب کشف الحجب ہی پڑھ لیجئے۔ ویسے ہم بیچارے اس قابل کہاں کہ ایسے موضوعات پر گفتگو کر سکیں۔ آپ نے ایک بات پوچھی تھی، سو اپنی فہم ناقص کے مطابق یہ چند سطور لکھ دیں۔

والسلام

ابن صفحہ

لال غبارہ

کیپشن حمید نے کارروکی اور یخچے اتر کر ادھر اور ڈھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف اوپری یخچی چنانوں کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ چند لمحے یوں ہی کھڑا رہا پھر.... کار سے ریڑ کا ایک غبارہ نکالا جس میں گیس بھری ہوئی تھی۔ غبارے کا رنگ سرخ تھا۔

کار اس نے سڑک سے اتار کر دو چنانوں کے درمیان کھڑی کی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ جگہ پہلے ہی سے بنا کر تیار رکھی ہو۔ کیونکہ یہاں زمین ہموار تھی اور اس کے آگے کی ڈھلان تین چار بڑے ہرے پتھروں سے بند کر دی گئی تھی۔ وہ غبار لئے ہوئے سڑک پر آیا اور پھر بڑی پھر تی سے سڑک پار کی، دوسرے لمحے میں وہ دوسری جانب والی ڈھلان میں اتر رہا تھا۔

اس کے جسم پر خاکی قمیض اور خاکی بریکس تھے اور پیروں میں گھنٹوں تک پہنچنے والے رائینہ مگ بورڈ سر پر براون چڑیے کا خود منڈھا ہوا تھا جس میں چڑیے کی تھوں کے درمیان فولاد کی ٹوپی تھی۔ وہ اس طرح چنانوں کی اوٹ لیتا ہوا ڈھلان میں اتر رہا تھا جیسے دیکھ لئے جانے کا خدا شہ ہو۔ سورج مغرب میں جھکنے لگا تھا اور دھوپ کی رنگت نارنجی ہو چلی تھی۔ اگست کی ہوا میں بھی اتنی تکلی ضرورت تھی کہ حمید محنت نہ کر رہا ہوتا تو اس کے دانت بختے لگتے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ بائیں جانب مڑ گیا۔

یہ ایک نکتہ بتا دو رہ تھا۔ دونوں چنانوں کا درمیان فاصلہ دو فٹ سے زیادہ نہ رہا ہو گا لیکن آگے چل کر وہ بتر تک کشاوہ ہوتا گیا تھا۔ اختتم پر تو دونوں چنانوں کا فاصلہ میں فٹ سے بھی

زیادہ نہ تھا اور یہ اختتام ایک ایسی چیزان پر ہوا تھا جس کی اونچائی راستے کی سطح سے تقریباً پانچ فٹ ضرور رہی ہو گی۔

حمد بہت احتیاط سے دوسری طرف جھاٹکنے لگا، یہاں بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس دیکھ لئے جانے کا خدشہ لاحق ہو۔

دوسری طرف نشیب ہی نشیب تھا اور اس کے بعد کی چڑھائی پر وہی اُسی سڑک کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا جس پر سے وہ گزر کر یہاں تک پہنچا تھا۔ اس جگہ سے اس کا فاصلہ تین فرلانگ سے زیادہ نہ رہا ہو گا لیکن اگر حمید و بارہ کار پر بیٹھ کر سڑک کے ان حصے پر پہنچنے کی کوشش کرتا تو اسے کم از کم چار میل کا چکر ضرور لگانا پڑتا۔

اس نے غبارہ بائیں ہاتھ میں پکڑتے ہوئے وابستے ہاتھ سے دور میں نکالی جو اس کی برجس کی جیب میں موجود تھی۔

سڑک اس کی نظر میں اور زیادہ واضح ہو گئی، وہ دور میں کافی سوکس موزوں کرتا رہا۔ وہ دراصل اس سرگن کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں داخل ہو کر سڑک نظر میں غائب ہو گئی تھی۔ اکثر وہ کلائی پر بند می ہوئی گھری کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ دفتار نے گیس سے بھرا ہوا غبارہ چھوڑ دیا اور وہ تیر کی طرح اپر خلاء میں چھٹا چلا گیا۔

دور سرگن سے چھروں کی ایک قطار برآمد ہو رہی تھی۔ حمید غبارہ چھوڑ کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ آیا۔ اب وہ پھر اُسی راستے پر پل رہا تھا جس سے پہنچا تھا۔



چھروں پر سامان لدا ہوا تھا اور ان کی تعداد چالیس سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ ہر چھر پر ایک آدمی بھی موجود تھا۔ اگلے چھروں کی نظر فضاء میں بلند ہوتے ہوئے غبارے پر پڑی اور اس کے ہاتھوں سے چھر کی باغ چھوٹ گئی۔

پھر وہ سنبھلا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں مجنونانہ انداز میں ہلانے لگا۔ پھر یک بیک پورے قافلے میں اپتری اور بندی چیل گئی۔ وہ لوگ جدھر سے آئے تھے اور ہر ہی بھاگنے لگے۔ چھروں کی قطار درہم برہم ہو گئی۔

سرگن میں گھس کر وہ دوسری طرف لگکے۔ چھر بھاگتے رہے۔ اچانک ایک جیپ کا سامنے آتی دکھائی دی۔ اس پر ایک چھوٹا سا جھنڈا الہارہا تھا۔ چھروں والوں میں سے کسی نے جیج کر کہا تھا جاؤ۔ بدقت تمام چھروں کو روکا جاسکا۔ جیپ کار آن کے قریب آکر رک گئی۔ اُسے ایک بلڈ اگ قسم کا آدمی ڈرائیور کر رہا تھا اور تھا تھا۔ اپنی بیٹت کے اعتبار سے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چھرے پر سخت گیری کے آثار تھے، بھاری بھر کم جبڑا ان آثار کو کچھ اور زیادہ تقویت کی دیتا معلوم ہوتا تھا۔

”کیوں! ایسے کیا ہے؟ وہ غصیل آواز میں جیخنا۔ ”مادھومت کہاں مر گئے۔“

دفتار ایک آدمی نے اپنا چھر آگے بڑھایا اور جیپ کار کے قریب پہنچ کر بولا۔

”لال غبارہ۔“

”لال غبارہ...!“ جیپ والے کے لمحے میں حرمت تھی۔

”لال غبارہ جتاب۔“ مادھومت پھر کہا۔ ”آن تک ایسا نہیں ہوا۔“

”تجھیں وہم ہوا ہو گا۔“ جیپ والا بولا۔

مادھومت نے سڑک کر آسان کی طرف دیکھا۔ جیپ والے کی نظر بھی اٹھ گئی۔ سرخ غبارہ آہستہ آہستہ تارہ ہوا جا رہا تھا۔

”یہ کیا صیبیت ہے۔“ جیپ والا بڑھ لیا اور تمیک اُسی وقت چاروں طرف سے فائر ہوئے لیکن شاید یہ ہوائی فائر تھے اور قافلے والوں کو صرف اتنا بتانے کے لئے کئے گئے تھے کہ وہ چاروں طرف گھر لئے گئے ہیں۔

جیپ والا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ چاروں طرف بکھری ہوئی چنانوں کو کینہ تو ز نظر میں سے دیکھا۔ لیکن اس کے چھرے پر سر اسیگنی کے آثار نہیں تھے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارے سے قافلے والوں کو نظم و ضبط قائم کرنے کو کہا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً چاروں طرف اُسے متعدد سرخ نوبیاں نظر آئیں اور پھر مسلسل پولیس کا شبل باقاعدہ طور پر آن کے سامنے آگئے۔ آن کی رائفلوں کا رخ قافلے کی جانب تھا۔ سبھوں نے اپنے ہاتھ اور اٹھا دیئے۔ پولیس پارٹی کی قیادت کیپشن حمید کر رہا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں پورا قافلہ گھر لیا گیا۔ پولیس کا نیشنل چھروں کے قریب پہنچ گئے۔

”تم لوگ خپروں سے سامان انبار کر سڑک پر ڈال دو۔“ حمید نے بلند آواز میں کہا۔ ”درست کوئی لاشیں گناہ بھی پسند نہ کرے گا۔“

”آخر کیوں۔“ جیپ والا بیچ اترتے ہوئے بولا۔

”بکواس مت کرو۔ تم کون ہو۔“

”اوہ.... سننے تو سہی جتاب.... آپ خفاکیوں ہوتے ہیں۔ فرالگ چلنے میں آپ کو سچھ سمجھادوں گا۔“ جیپ والے نے مسکرا کر کہا۔

”میں راشی نہیں ہوں۔ لہذا جو کچھ بھی کہنا ہے میں کہو۔“ حمید نے خٹک لجھے میں کہا۔

”اچھا تو آپ جو کچھ بھی کرنے جا رہے ہیں اُس کے لئے آپ کو پچھتا پڑے گا۔“

”ہاں.... ہاں میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اس کی پشت پر کوئی بارسون آدمی ہو گا۔“ حمید نے طنزیہ لجھے میں کہا۔

”مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔“ جیپ والا غصیلی آواز میں بولا۔

”اے....!“ حمید نے خپروں والوں کو مخاطب کیا۔ ”کیا تم نے سنا نہیں.... سارا سامان سڑک پر اتار دو۔“

خپروں سے بڑے بڑے تھیلے گرانے لگے اور جیپ والا کھڑا دانت پیتا رہا۔



”کرتل فریدی نے فائل ایک طرف ڈال دیا اور جیب سے ڈائری نکال کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔ آفس کا وقت ختم ہو چکا تھا اور دوسرے لوگ جاچکے تھے۔ لیکن فریدی کا کرہا بھی کھلا ہوا تھا اور باہر چہرے اسٹول پر میٹھا دلکھ رہا تھا۔ دفتار فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے قلم رکھ کر ریسیور اندازیا۔

”ہیلو....!“

”کرتل صاحب۔“ دوسری طرف سے آواز آئی.... ہاں میں بھی ہوں۔“

”میں امر سنگھے ہوں جتاب۔“

”ہاں.... کہو.... کیا بات ہے۔“

”پنجاب صاحب کا تار ہے۔“

”کیا خبر ہے۔“

”انہوں نے ان سماں کو پکڑ لیا ہے لیکن وہ خطرے میں ہیں۔“

”کیا مطلب....؟“

”اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا جتاب۔ تحریر اتنی ہے کہ میں نے ان سماں کو پکڑ لیا ہے لیکن میں خطرے میں ہوں۔“

”تار کہاں سے آیا ہے۔“

”بلیکم گذھے ہے۔“

”اوہ.... اچھا.... دیکھو امر سنگھے تم میرے لئے رات والے جہاز میں ایک سیٹ بک کر اداو۔ کوشش یہی کرو کہ ایک سیٹ فوری طور پر بک ہو جائے۔“

”بہت بہتر جتاب۔“

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹ میں ابھر آئی تھیں اور آنکھوں سے گمراہ تھکر مترشح تھا۔ اس نے ڈائری بند کر کے جیب میں ڈال لی اور اٹھ گیا۔

چپر اسی نے بہت لہک کر دروازہ کھولا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اتنی جلدی اٹھ جائے گا۔

گھر پہنچ کر بھی وہ سوچ میں ڈوبا رہا۔ تقریباً چھ بجے وہ اینٹ پورٹ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی اور پھر ریسیور اندازتے ہی وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی شخصیت سے واقف ہو گیا۔ وہ مکمل سراغ رسانی کا ڈی آئی بھی تھا۔ فریدی کو بھی اس نادقت دھل اندازی پر حیرت تھی لیکن اس نے اپنی حیرت ظاہر نہیں ہونے دی۔

”کیٹھن حمید کو بلیکم گذھ سے والیں بلا لو۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”یہ کیس دوسروں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔“

”مگر یہ تبدیلی کیوں ہوئی جتاب۔“

”تم جانتے ہو کہ اس قسم کی تبدیلیاں عموماً اسی وقت ہوتی ہیں جب ان کے لئے اوپر سے احکامات آئیں۔“

”میں جانتا ہوں۔“

”بس تم اسے واپس بalaو۔“

”بہتر ہے۔ میں اس جہاڑے سے ٹیکم گڈھ جا رہا ہوں جو نوبجے رات کو بیہاں سے جاتا ہے۔“

”کیوں..... تم کیوں جا رہے ہو۔“

”جمید خطرے میں ہے۔“

”میں نہیں سمجھتا۔“

”اس کا تار آیا ہے۔ اس نے ان اسمگلروں کو پکڑ لیا ہے، لیکن خود خطرے میں ہے۔“

”اوہ.... دیکھو میر اخیال ہے کہ یہ تبدیلی محض اسی لئے ہوئی ہے کہ تم لوگ اس معاملے میں مداخلت نہ کرو۔“

”تو کیا میں حمید کو مر جانے دوں۔“ فریدی نے عصی آواز میں کہا۔

”تم نہیں سمجھتے میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم حمید کو ساتھ لے کر خاموشی سے واپس آجائو گے۔“

”بشرطیکہ مجھے خاموش رہنے دیا گیا۔“

”دیکھو بھتی! میں تمہارے ہی بھلے کو کہہ رہا ہوں۔“

”مجھے حیرت ہے، پہلے بھی آپ نے اس قسم کی گفتگو نہیں کی۔“

”ڈی۔ آئی۔ جی نے دوسرا طرف سے سلسلہ مقطع کر دیا۔ فریدی نے ایک جھیٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور میر کے قریب ہی رک کر سوچنے لگا۔

”کچھ دیر بعد اس نے پھر ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

”ہیلو....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”کون ہے؟“

”درجن.... تم کون ہو۔“

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر ریسیور کھو دیا۔ اب وہ پھر نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

”رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا۔ ”نمبر تین.... نمبر تین۔“

”لیں سر....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”سائٹکی ہاؤز میں درجن نامی آدمی پر نظر رکھو۔ وہ عمارت میں موجود ہے۔“

”ویری ول سر۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی اور فریدی اپنے سلسلہ مقطع کر دیا۔

اس نے ریسیور کھاٹکا کے یہ کھٹتی نئی نئی۔

”ہیلو....!“ فریدی نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

”کر قل فریدی۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”فریدی اسپینگنگ....!“ فریدی نے کہا۔

لیکن دوسرا طرف سے سلسلہ مقطع کر دیا گیا۔

فریدی نے ریسیور بڑی تیزی سے رکھا اور دوسرا طرف سے کمرے میں چلا آیا۔ یہ کہہ دراصل اس کا سلسلہ خانہ تھا۔ اس نے ایک روپا اور تنجب کی اور کارتوسون کا ایک پیکٹ جیب میں شفوتا ہوا باہر نکل آیا۔ پھر اس نے وہ سامان بھی وہیں چھوڑ دیا جو ساتھ لے جانے کے لئے اٹھا کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی چیک بک نکالنا نہیں بھولا۔ برآمدے میں آگر ڈرائیور کو آواز دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی کار پچاہک سے باہر نکلی۔

”ایز پورٹ....!“ فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔ روگنی سے پہلے اس نے طازموں کو ہدایت کر دی کہ اس کی واپسی تک سارے خطرناک قسم کے کتنے ہر وقت کھلے رکھے جائیں۔

کار تیزی سے ایز پورٹ کی طرف بڑھتی رہی۔ لیکن فریدی اس سے بھی لا علم نہیں تھا کہ تعاقب برابر جاری ہے۔ پچھلی کار کی ہیئت لا یہیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

فریدی نے جیب سے زیو اور کال لیا۔ وہ اب بھی پچھلی کار پر نظر جھائے ہوئے تھا۔ دفعٹا خود اس کی کار نزبر دست دھکے کے ساتھ رک گئی اور پھر اسے احساس ہوا کہ واقعہ کیا تھا۔ اس کی گاڑی سے ایک دوسرا کار صرف ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور بُری طرح گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کا ڈرائیور کچھ گرم ہوا ہی تھا کہ اس کار سے دو تین آدمی نیچے کو دپڑے۔

”کھنچ لو سالے کو۔“ ایک نے کہا۔

”گاڑی بیک کرو۔“ فریدی نے اپنے ڈرائیور سے کہا لیکن اب بیک کرنے کی بھی جگہ نہیں رہ گئی تھی کیونکہ تعاقب کرنے والی کار پچھے آگر رک گئی تھی اور اس کا فاصلہ بھی فریدی کی کار سے شاید ایک ہی فٹ تھا۔

فریدی کو سوچنے لگا۔ کاش وہ خود ہی ڈرائیور کر رہا ہوتا۔

لیکن وہ ڈرائیور بھی فریدی ہی کا تھا۔ اس نے اتنی ہی جگہ میں گاڑی میں موڑ کر بڑی بے درودی

سے ان لوگوں پر چڑھادی جو اگلی کار سے آتے تھے۔ فریدی کی کار کا اگلا حصہ اگلی کار سے نکل ریا۔ گاڑی مزی ضرور لیکن سڑک سے نیچے نہ اتر سکی۔ ویسے وہ بوکھلا کر کافی دور ہٹ گئے تھے جنہوں نے اگلی کار سے اٹر کر ڈرائیور پر حملہ کرنے چاہا تھا۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ اس نے کار سے چھلانگ لگادی۔ چھپلی کار سے بیک وقت کی فائر ہوئے مگر بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے فریدی انڈھیرے کے اتحاد سمندر میں تیرتا سڑک کے باہمیں جانب والے نشیب میں اٹر گیا ہو۔

سڑک سنستان پری تھی اور غالباً اس سنانے کی وجہ سے اُسے یہاں گھبرا کیا تھا۔ دونوں کاروں سے اتنے والے نشیب میں دوڑتے چلے گئے۔

فریدی کے ڈرائیور کو جب اٹھیاں ہو گیا کہ اب دونوں کاروں میں ایک بھی آدمی باقی نہیں رہا تو وہ نیچے اترنا، اگلی کار کو دھکیل کر پیچھے کیا اور اتنی جگہ بنالی کہ وہ ب آسانی اپنی گاڑی موڑ کر آگے نکل سکے۔

وہ فریدی کا ڈرائیور تھا اس لئے اسے کم از کم اتنا سلیقہ تو تھا ہی کہ دونوں کاروں کا ایک ایک ناٹر بیکار کے نہیں مزید تعاقب کرنے کے قابل نہ رہنے دیتا۔

اسے یقین تھا کہ اسی سڑک پر کہیں نہ کہیں فریدی سے لازمی طور پر ملاقات ہوگی لہذا وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ اکثر مجرموں میں فریدی کا ساتھی رہ چکا تھا۔

ہنگامہ

اسی رات کی بات ہے۔

کیپٹن حمید میکم گذھ کے ایک ناٹ کلب میں رنگ روپیا منارہ تھا۔ اس کی رنگ روپیا وہاں بھی جاری رہتی تھیں جہاں قدم قدم پر موت کا سامنا ہوتا تھا۔ لیکن یہ بتانا شوار تھا کہ وہ ایسے موقع پر خود کو فریب دینے لگا تھا یا حقیقتاً وہ اتنا ہی نذر اور لاپروا تھا۔

ان اسمگروں کو گرفتار کرنے کے بعد سے اب تک اُس پر دو حملے ہو چکے تھے۔ لیکن حاضر دماغی آٹوے آتی تھی ورنہ اس وقت اس کی روح عالم ارواح میں بھیک مانگتی پھر رہی ہوتی۔

اسے میکم گذھ میں اس وقت تک پھرنا تھا جب تک کہ فریدی اسے واپسی کی ہدایت نہ کرتا۔ ان اسمگروں کو پکرنے کے لئے اسے خاصی ذہنی جمناسٹک کرنی پڑی تھی۔ اس نے کمی توں تک چھپ چھپ کر ان راستوں کی نگرانی کی تھی اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسمگر بآسانی پکڑے جاسکتے ہیں لیکن شاید سرحد کے محافظ دیدہ دانستہ اس کی طرف سے غفلت برستے تھے۔ ان گرفتاریوں کے سلسلہ میں غباروں والا معاملہ کافی دلچسپ ثابت ہوا تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ فریدی اس کار نامے پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

وزراصل ان غباروں ہی کی وجہ سے حمید کو اس راستے کا علم ہوا تھا جس سے اسمگر مال لے جاتے تھے۔ ورنہ ان پہاڑوں میں قافلے تو الگ رہے پوری پوری پلنٹوں کا ڈھونڈنے کا نا آسان کام نہیں تھا۔ تو کیا وہ اسمگر احمد تھے؟ خود ہی اپنی گرد میں پھانسی کا پھنداڑا لانا چاہتے تھے؟ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔

قصہ یہ تھا کہ ایک دن وہ انہیں اسمگروں کی تلاش میں میکم گذھ کے پہاڑوں میں بھکلتا پھر رہا تھا کہ اچانک اسے فضائیں بیز رنگ کا ایک غبارہ اڑتا ہوا نظر آیا پہلے تو اس نے اسے نظر انداز کر دیا لیکن پھر سوچا کہ اس دیرانے میں غبارہ کس نے اڑایا۔ اس حصے میں تو شاید نورست بھی نہیں آتے تھے۔ کچھ دیر کے لئے وہ بھجن میں پڑ گیا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اس غبارے کے متعلق پچھان بین کرنی چاہئے۔

توڑی ہی دیر بعد اس نے خجروں کی تاپوں کی آوازیں سنیں جو آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ وہ ایک چنان کے پیچھے چھپ گیا۔

خجروں کا قافلہ اس کے سامنے آچکا تھا اور وہ ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں دور میں تھی اور وہ اس کے ذریعے غالباً اُسی بیز غبارے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے برابر چلنے والے سے غالباً اس غبارے کے متعلق کچھ کہا بھی تھا۔

اب اسی جگہ سے حمید کامیابی کی راہ پر لگا تھا۔ وہ کمی دن تک اس راہ کا جائزہ لیتا رہا جس سے قافلہ گزرا کر تھا۔ اس نے جو چیز خصوصیت سے مار کی وہ بھی تھی کہ سب سے پہلے فضائیں بیز غبارہ بلند ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد ہی ایک قافلہ کی طرف سے نمودار ہوتا ہے۔ جس دن بیز غبارہ نہ دکھائی دیتا اس دن وہ راہ صبح سے شام تک دیرانی ہی پڑی رہتی۔

سی ہو جیا کرتی تھی اور شاید وہ کھوپڑی کی بجائے معدے سے سوچنے لگتا تھا۔ حید نہیں چاہتا تھا کہ قاسم کے معدے کا بار اس کے ذمہ پر پڑے۔ لہذا اس کی بوریت برق تھی مگر وہ کرتا بھی کیا۔ یہ شیکم گذھ کا سب سے زیادہ بار و فتن ناٹ کلب تھا اور یہاں عموماً اونچے ہی قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ ظاہر ہے ان کے ساتھ اتنی ہی اونچی عورتیں بھی آتی ہوں گی۔ انگریزی کی کہاوت ہے کہ شیطان کا خیال آتے ہی شیطان سر پر مسلط ہو جاتا ہے۔ قاسم کے سلسلے میں بھی بھی ہوا۔ اس کے متعلق سوچا ہی تھا کہ وہ اپنے پہاڑ سے وجود سیت دہاں موجود تھا۔

”ہائیں.... تم اقیلے بیٹھے ہو پیدا رے۔“ اس نے حید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”یہ کیا بیہودگی ہے، تمیز سے بیٹھو۔“ حید اس کا ہاتھ جھلتا ہوا بولا۔

قاسم جھینپ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اسے خیال پیدا ہوا کہ کہیں حید کی جھڑکی کسی نے سن نہ لی ہو۔ ورنہ اسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ کون اس سے کس لمحے میں گھنٹو کر رہا ہے۔

پھر حید نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

”پیارے آخر ناراض کیوں ہو۔“ قاسم خلاف موقع گھصیلا۔

”او بابا.... کیوں موت آئی ہے۔“ حید چڑھ کر بولا۔ ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کچھ لوگ مجھے قتل کر دینے کے پچک میں ہیں، اگر کوئی کوئی تمہاری طرف بھول پڑی تو تمہاری کنواری خامنہ بیٹھ کے لئے خوش حال ہو جائیں گی۔“

”میں اسے کبھی خوش حال نہیں ہونے دوں گا۔“ قاسم غرایا۔

”لہذا اپنے پھر تے نظر آؤ۔“

”یعنی میں تم کو یہاں خطرے میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ نہیں حید بھائی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ان سالوں کا خون پی جاؤں گا کوئی نظر بھی تو آئے۔“

”نہیں تمہاری موت مجھے بہت گراں گزرے گی۔“

”اگر نے دو سالی کو میں موت و دوت کی پرواہ نہیں کرتا۔“

”اچھا تو مر د۔“ حید نے جلا کر میز پر دھکڑو چلا اور قاسم ”ہی ہی“ کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ وقتاً ما سیکروں کی مو سیقی ایسے معلوم ہونے لگی جیسے بہت سے کتے کے پلے جیخ رہے

حید نے اس پر کافی غور کرنے کے بعد تہیہ کیا کہ وہ سرخ غبارہ اڑا کر انہیں آزمائے گا۔ لہذا اس نے بھی کیا۔ اسمگر سرخ غبارے کو خطرے کا نشان سمجھ کر بھاگ نکلے اور انہیں وہ سرخ غبارہ دیکھ کر جیت بھی ہوئی کیونکہ شاید ان کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے پہلے بھی انہیں سرخ غبارہ نہیں دکھائی دیا تھا۔

بہر حال ان کی گرفتاری کے بعد حید نے لاکھوں روپے کا ایسا سامان برآمد کیا جو غیر قانونی طور پر ملک کے باہر لے جایا جا رہا تھا۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ اسی رات اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس کے بعد ہی اسمگروں پر بھتی کی جانے لگی کہ وہ اس شخص کا نام ظاہر کر دیں جو اس اسمگنگ کی پشت پر تھا۔ لیکن انہیوں نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا خود حید بھی ان کی زبانیں نہ کھلوا سکا۔ پھر اس طریقے کو فضول سمجھ کر اس نے دوسرا را اختیار کی۔ بیٹھ اور چند دوسرے سادہ بس والوں کو اپنی خانقلت پر مأمور کر کے کھلے عام نکلنے بیٹھنے لگا لیکن جب سے اس نے یہ روایہ اختیار کیا خانقلت پر حملے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

اس وقت بھی وہ شیکم گذھ کے ایک بار و فتن ناٹ کلب میں بیٹھا رقص کرتے ہوئے جوڑوں کو گھوڑ رہا تھا اور اس راؤٹر کے خاتمے پر اس کا ارادہ تھا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی سے ہم رقص بننے کی درخواست کرنے گا۔ لیکن وہ کچھ تھوڑا سا بیور بھی ہو رہا تھا۔ کیونکہ قاسم نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اتفاق سے اس وقت قاسم بھی فریدی کی کوئی تھی میں موجود تھا۔ جب حید شیکم گذھ کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ لہذا جس دن حید شیکم گذھ پہنچا اس کے تیرے ہی دن قاسم بھی وہاں موجود تھا۔ یہ تو اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ حید کا قیام کس ہوئیں ہو گا۔

اس وقت وہ بھی اسی کلب میں موجود تھا لیکن ڈائینگ ہال میں اس کا خیال تھا کہ پہاڑوں پر بھوک اور زیادہ کھل جاتی ہے۔ لہذا اس کی کھوپڑی کھل گئی تھی اور بھوک کھلنے کا مطلب کم از کم اس کے لئے تو یہی ہو سکتا تھا کہ وہ ایک میز دبائے۔ گھنٹوں بیٹھا رہے۔ ریکر بیٹھن ہال میں کئی ٹکڑی ٹکڑی سی لارکیاں موجود تھیں لیکن بھوک کھل جانے پر اسے کسی ٹکڑے سے بکرے کی ران کے علاوہ دنیا کی کسی دوسری چیز سے دلچسپی نہیں رہ جاتی تھی۔

مگر حید تو بور ہی ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ کب محسوس کر بیٹھے کہ اس کا پیٹ بھر چکا ہے اور پھر لڑکھڑا تھا ہوا رقص گاہ میں بیٹھ گا جائے، بہت زیادہ کھا جانے کے بعد عموماً اس کی حالت شرایبیں کی

بیں کر پکا یک تقریباً گست کتوں اور بیلوں کی آواز میں تبدیل ہو جائیں گے اور پھر تھوڑی دیر بعد آپ ڈاکٹر ہرمن کی آواز سنیں گے۔

ڈاکٹر ہرمن۔ یہ نام تقریباً ہر ایک کے ذہن سے چک کر رہا گیا تھا اور پولیس اس نہ اسرار آدمی کی خلاش میں تھی۔ ملکہ سراغِ رسانی کے بہترین دماغ، دن رات اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ڈاکٹر ہرمن کا ٹھکانہ معلوم ہو جائے خود کرتل فریدی بھی کافی عرصہ اُس کے لئے سرگرد اس رہ چکا تھا مگر اس نے اس کے سلسلے میں دوزدھوپ تزک کر دی تھی اور کسی ایسے موقع کا مظہر تھا جب ڈاکٹر ہرمن سے کوئی لفڑی ہو جائے۔

اس وقت یہاں اس ناٹ کلب میں بیٹھے بیٹھے حمید نے سوچا کہ اس وقت حقیقتاً ہرمن سے ایک لفڑی ہو گئی ہے۔ آخر اس نے اپنی کسی پیش کش کے سلسلہ میں خصوصیت سے ٹیکم گذھ ہی کلام کیوں لیا تھا۔

ٹیکم گذھ کی پہاڑیاں.... حمید نے سوچا اس قسم کے کاموں کے لئے بہت موزوں ہیں۔

ہو سکتا ہے وہ ٹیکم کہیں ہو؟ مگر اس کی وہ پیش کش کیا ہو گی؟

”یہ سالا ہرمن...“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بڑا ہے۔ ”کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے قوم حمید جہاں۔“

پتھر نہیں! حمید نے لاپرواٹی کے اخبار کے لئے شانوں کو جبکش دی۔

”امان... وہ تمہیں یاد ہے... وہ جو بندروں کو بن مانس بنا دیتا تھا۔ وہ بھی تو سائنسیں تھا۔“

”سائنسیں...!“ حمید نے غرا کر تھج کی۔

”امان تم کیوں پکڑتے ہو میری زبان، جو میرا دل چاہے گا کہوں گا۔ ہاں نہیں تو۔“

رقص بھر شروع ہو گیا تھا۔ حمید کو اس بار بھی موقع نہ سل سکا کہ وہ کسی سے رقص کی درخواست کرتا۔

”آج تو کھیاں مار رہے ہو۔“ قاسم نے کچھ دیر بعد ہنس کر کہا۔

”تمہاری خوست ہے۔“ حمید نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ ”تمہاری ٹھکل دیکھی اور بیلوں کے لئے چند ہو کر رہ گیا۔“

”تم خود... چکد... چند...!“

”ابے میں اپنے ہی کو تو کہہ رہا تھا۔“

ہوں۔ رقص تھم گیا اور لوگ اس طرح کھڑے ہو گے جیسے بہت بڑی مصیبت آنے لگی ہو۔

یہ شور بدستور جاری رہا۔ حالانکہ سازندوں نے بھی اپنے ہاتھ روک لئے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ شور کم ہوتا گیا اور کسی نے انگریزی میں کہا، میں ڈاکٹر ہرمن آج پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی تفریحات میں خل ہوتا ہوں اور میری وجہ سے سارے ملک کی برداشت کا سینگ میں رکھنہ پڑتا ہے۔ مگر پھر بتائیے میں آپ تک اپنے خیالات کیے پہنچاؤں میں امن کا پیچاری ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ سائنس کی ترقی انسانیت کی فلاح کے لئے کام آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا کے بہترین دماغ تجزیب کی راہوں سے ہٹ جائیں۔ ایک بار پھر سننے کے میں کون ہوں۔ آپ کا خادم ڈاکٹر ہرمن جرمنی کے ان گئے پنے سائندانوں میں سے ہوں جن پر نازی فوج کی ہار جیت کا درود اور تھا لیکن آپ یقین کیجھ کہ پچھلی جنگ عظیم کی تباہ کاریوں نے مجھے گہرا صدمہ پہنچایا تھا۔ آج بھی اسے یاد کرتا ہوں تو روشنگئے کھڑے ہو جاتے، پھر جرمنی کی شکست کے بعد جب فاتحین نے جرمنی کی دولت اور زمین کے ساتھ ہی ساتھ آدمی بھی باشندہ شروع کے تو میں کسی نہ کسی طرح پیچ کر نکل آیا۔ اب میں مشرق کی پر سکون اور امن پرور فضائیں سانس لے رہا ہوں۔ اگر میں یہاں باقاعدہ طور پر کھلم کھلا کچھ کام کرنا چاہتا تو حکومت مجھے کبھی اس کی اجازت نہ دیتی۔ اجازت دینا تو الگ رہا آپ کی حکومت مجھے قیدی بنا کر ان دو بڑی قوتوں میں سے کسی ایک کے سپرد کردیتی جنہوں نے جرمنی کو بانٹ لیا ہے۔ بہر حال میں نے تھیہ کیا ہے کہ اب بھی نوع انسانی کے لئے کام کروں گا، میری ایک پیش کش کل ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی۔ یعنی ٹیکم گذھ میں.... آپ اس سے خوف نہ کھائیں۔ وہ آپ کا خادم ہو گا لیکن خدار اسے پکڑنے کی کوشش نہ کیجھے گا ورنہ نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ بس آپ اس کی خدمات سے فائدہ اٹھائیے۔

پھر سانٹا چھا گیا۔ سازندوں نے ساز چھیند دیے۔ ماہیک کام کرنے لگا تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اوہر تین ماہ سے اکثر ایسے واقعات رومنا ہو رہے تھے۔ سارے ملک میں کسی ڈاکٹر ہرمن کی آواز سانائی دیتی، خبر ریڈیو کا معاملہ تو کسی حد تک معمولی ہی تھا۔ لیکن اس چیز نے خاص طور پر ٹیکم گذھ اور ملکی سائندانوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا کہ اس کی آواز ماہینگرو فون پر بھی سانائی دیتی تھی۔ مثلاً آپ ماہینگرو فون پر کسی لیڈر کی تقریباً یا کوئی اچھا ساری کارڈ سن رہے

”نہیں تم نے مجھے کہا تھا۔“

”اچھا تمہیں ہی کہا تھا جو کچھ کرنا ہو کرلو۔“ حمید نے کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ پھر وہ سیدھا رقصالوں کی بھیڑ میں آیا اور اکیلے ہی ناچنے لگا۔ مگر پوز وہی تھا جسے کوئی لڑکی اس کے بازوں میں ہو۔ بہت سے قبیلے فضائل لہرائے لیکن حمید کی سمجھیگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

قائم پیٹ پکڑنے ہوئے تھے لگا۔ پھر جتنے جوڑے بھی رقص کرتے ہوئے حمید کے پاس سے گزرتے اس کی بیچارگی پر افسوس ضرور ظاہر کرتے لیکن جیسے اس سے دور ہوتے اس طرح خس پڑتے جیسے ذہکلے چھپے الفاظ میں اُسے کوئی گندی سی گالی دے گئے ہوں۔

دفتار ایک لڑکی نے حمید کا راستہ روک لیا۔ یہ تھا تھی اور شاید گلری سے اٹھ کر آئی تھی۔

”مجھے افسوس ہے..... میں آپ کے لئے معموم ہوں۔“ اس نے کہا۔

حمدہ رک گیا اور آہستہ سے بولا۔ ”میرا ندائی مت اڑائیے۔ یہ میرا آخری رقص ہے اس کے بعد میں خود کشی کروں گا۔“

”نہیں....!“ وہ زبردستی حمید کو دوبارہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں کھینچ لے گئی۔

یہ ایک متوسط قد اور تناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ رنگت جپنی تھی اور اس کی آنکھیں بڑی اور پرکشش تھیں۔

”آپ تو بہت اچھا نہیں تھیں۔“ حمید بڑھ لیا۔

”پتہ نہیں۔“ وہ مسکرائی۔ ”آپ کے اس طرح اکیلے ناچنے میں کتنی جلاہٹ تھی۔“

”تو کیا مجھے جلانا نہیں چاہئے تھا۔“

”قطیعی جلانا چاہئے تھا۔“ لڑکی نے سمجھیگی سے کہا۔ ”شائد کئی لڑکیوں نے آپ کی درخواست رد کر دی تھی۔“

”میں کبھی کسی سے درخواست نہیں کرتا۔“

”بہت غرور ہیں.... کیوں؟“ وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی اور حمید کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کی آنکھیں حقیقتاً بہت ہی سحر انگیز تھیں اور ان میں صحیح معنوں میں زندگی کی چمک پائی جاتی تھی۔ حمید نے ایسی آنکھیں بہت کم دیکھتی تھیں۔

قائم جو ابھی تک حیرت سے دیکھ رہا تھا یہیک اپنی کھوپڑی سے باہر ہو گیا۔ اس نے سوچا

اگر وہ خود بھی اسی طرح تھا ناچنا شروع کر دے تو کوئی مگری سی لڑکی یقیناً اس پر رحم کھائے گی۔ وہ جو موتنا ہوا اٹھا.... اور اسے ناچتا تو آتا نہیں تھا۔ بس وہ کسی شرابی کی طرح رقص گاہ کے فرش پر لڑکھڑا نے لگا۔

ونغنا ایک سریلی سی چیخ نے اس کے کافوں کے پردے پھاڑ دیئے۔ ایک لڑکی کے پاؤں پر اس کاپاؤں پڑ گیا تھا۔

لڑکی کا پارٹر اس سے بھڑک گیا اور لوگ بھی دوڑے لیکن قاسم جو بہت اچھے موڑ میں تھاد و توں ہاتھ اٹھا کر چینا۔ ”براؤ کرم آپ لوگ دور ہی رہئے ان سے، مجھے اچھی طرح پنپنے دیجئے میں نے ان کی معشوقہ کو تکلیف پہنچائی ہے۔“

لوگوں نے تھیرانہ انداز میں اس دیوڑاڑ کے الفاظ نے مگر وہ آدمی برابر اس پر گھونے بر سائے جا رہا تھا۔ آر کشر اخاموش ہو گیا اور وہاں خاصی بھیڑ ہو گئی۔ قاسم آدمیوں کے اس سمندر میں سب سے اوپر نظر آ رہا تھا۔



ڈرائیور کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ شاید دو فرلاگ پنپنے کے بعد ہی فریدی چیخ نرٹک پر کھڑا نظر آیا۔ کار کی ہیڈ لاٹیس کی روشنی اس پر پڑی اور ڈرائیور کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسری دنیا کا کوئی آدمی ہو۔ اس نے کار اس کے قریب روک دی۔

فریدی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”ٹھیک ہے چلو۔“

وہ فریدی ہی کا ڈرائیور تھا اس لئے اس کے رو دیہ پر ذرہ برابر بھی حرمت نہ ہوئی۔ وہ اس طرح خاموشی سے آبیٹھا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ نہ چہرے پر سراسیگی کے آثار تھے اور نہ لباس میں بے ترتیبی تھی۔ فلت ہیٹ بھی پہلے ہی کی طرح سر پر موجود تھی۔

ڈرائیور میں اتنی بہت کہاں کہ وہ اس سے کچھ پوچھ سکتا۔ کار فرائٹے بھرتی رہی۔ فریدی سوچ رہا تھا شائد انہیں علم ہو گیا ہے کہ اب وہ خود بھی نیکم گذھ جا رہا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ اسکرپورٹ پر بھی نکراؤ ہو جائے۔ وہ ان کے اپنے ہاتھوں کے ساتھ ہی ساتھ قانون بھی استعمال کر سکتا تھا۔ مگر وقت کہاں تھا۔ وہ تو اس وقت نیکم گذھ جانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے معاملے کو طول نہیں دیا تھا۔

ایئرپورٹ کے چالاک پر کار رکی۔ یہ جگہ کافی روشن تھی اور یہاں کسی تم کے خلی کامکان نہیں تھا۔ فریدی کار سے اتر۔ ایک سادہ لباس والے نے آگے بڑھ کر اُسے سلام کیا۔
”کیوں....؟“ فریدی رک گیا۔

”درجن.... یہاں وینگ روم میں موجود ہے جناب۔“

”بہت خوب۔“ فریدی کی آنکھیں مکنے لگیں اور اس نے کہا۔ ”میں باہر جا رہا ہوں لیکن تم اس پر ہمیشہ نظر رکھنا۔“

”بہت بہتر جناب۔“

”میری عدم موجودگی میں اس کے متعلق ساری اطلاعات امر سنگھ کو دینا۔“

”بہتر جناب۔“

فریدی نے ڈرائیور کو اشارہ کیا کہ وہ کار والپس لے جائے اور خود اندر چلا گیا۔

یہاں امر سنگھ سیٹ کے ریزرویشن کی رسید لئے اس کا منتظر تھا۔ امر سنگھ ابھی حال ہی میں اس کی ماچتی میں آیا تھا۔ یہ ایک نوجوان ذہین اور منچلا آدمی تھا۔

”امر یہاں وینگ روم میں درجن موجود ہے۔ میں نے غیر تین کو اس کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس کی رپورٹ تم دیکھو گے۔“

”بہت بہتر جناب۔“

”اچھا باب تم جاؤ۔“

”لیکن یہاں درجن کی موجودگی.... جناب! میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی وہ ایک بار آپ سے بد تمیزی سے بیش آچکا ہے۔“

”اوو....!“ فریدی مسکرا لیا۔ ”تم اس کی فکر نہ کرو۔“

”میرا دل تو چاہتا ہے کہ کسی دن اسے شارع عام پر بے عنزت کروں۔“

”نہیں.... ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ ہمارا فن ٹھنڈا مانگتا ہے۔“

امر کچھ نہ بولا۔ فریدی وینگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں اس وقت صرف تین آدمی تھے۔ فریدی نے ان پر اچٹتی سی نظر ڈالی لیکن یہاں درجن نہیں تھا۔ پھر وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہاں بھی درجن نظر نہ آیا، آخر پھر ریسٹوران میں اس سے مدد بھیز ہو گئی۔

یہ ایک توی بیکل اور بد صورت آدمی تھا۔ چہرے سے سخت گیر طبیعت کا اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ بڑے اور بھدے تھے۔ ہاتھوں کی بنادوں سے پتہ چلتا تھا۔ وزنی چیزیں اٹھانے کے عادی ہیں۔ اگر اس کے جسم پر نیس قسم کا بیش قیمت سوت نہ ہوتا تو عام طور پر بھی سوچا جاسکتا تھا کہ وہ کوئی لوہار ہو گا۔

فریدی کو دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرا لیا۔ ویسے اس کی آنکھیں نفرت ہی کا اظہار کر رہی تھیں۔ فریدی کی مسکراہٹ بھی کسی مغزور آدمی کو غصہ دلانے کے لئے کم نہیں تھی۔

”اگر کہنے تو اس اتفاقیہ ملاقات کو کسی جشن کارنگ دے دیا جائے۔“ اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

”نہیں جشن تو اس وقت تک نہیں ہو گا جب تک کہ میں نہ چاہوں۔ لیکن کسی دن ہو گا ضرور۔“

”میا آپ کہیں جا رہے ہیں۔“

”ہاں آں.... فی الحال ٹیکم گذھ تک۔“

”کرتل صاحب! میں ایک بار پھر آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اس معاملے میں آپ نہ پڑیے۔“

”کس معاملے میں۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔ ”میں نہیں سمجھ لتا تھا اس اشارة کس طرف ہے۔“

”مجھے بے حد افسوس ہو گا اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچا۔“

”اوہ.... میں سمجھا.... تو اس وقت تم یہاں افسوس کرنے کیلئے آئے تھے۔ مگر درجن مجھے افسوس ہے کہ تمہیں افسوس کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ وہ زیادہ سے زیادہ آٹھ یادس آدمی رہے ہوں گے، کسی دن ایک پوری نیالیں لے کر آتا ممکن ہے تمہیں افسوس کرنے کا موقع مل ہی جائے۔“

”میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”واپسی پر سمجھاؤں گا۔ آج ہی سمجھادیتا مگر وقت کم ہے۔“

”آپ کی مر رخی!“ درجن نے لاپروائی سے شانوں کو جبکش دی۔

فریدی واپسی کیلئے مراہی تھا کہ وہ پھر بولا۔ ”سننے تو کہی۔ کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے۔“

”قطٹی اور آخری۔“ فریدی مڑ کر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ اُس آدمی کی شخصیت سے بھی واقف ہیں۔“

”قطٹی واقف ہوں اور اسی لئے یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

”تب تو آپ دیدہ دانتہ کنوئیں میں چھلانگ لگانے ہیں۔“ درجن نے کچھ سوچتے ہوئے

کہا۔ ”آپ کا پورا ملکہ بے بس ہو جائے گا۔“

”میں بھی جانتا ہوں اور اسی لئے مجھے اس قسم کا فیصلہ کرنا پڑا ہے۔“

”جب آپ کا ملکہ ہی بے بس ہو جائے گا تو آپ کیا کریں گے۔“

”جب میں قانون کو بے بس دیکھتا ہوں تو پھر مجبور انجمنی قوانین وضع کرنے پڑتے ہیں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ قوانین کی برتری کس طرح منوئی جاتی ہے۔“ فریدی نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

بیلی چھنٹی ہے

جب قاسم پر کسے برسانے والا تھک گیا اور اس کے ہاتھ سست پڑنے لگے تو قاسم نے بس کر کہا۔ ”اچھا پایارے اب ایک ہاتھ میرا بھی سنبھالو۔“

اس نے اس کے سر پر ایک دھمک رسید کیا اور وہ کسی مردہ چھپلی کی طرح پٹ سے فرش پر گر گیا۔ لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اس کی ہم رقص بُری طرح چھڑی تھی۔ قاسم کو پتہ نہیں کی کن زبانوں میں گالیاں سننی پڑ رہی تھیں۔ قاسم بھی اب بوکھلا گیا کیونکہ وہ اس کا کوٹ پکڑ کر جھٹکے دے رہی تھی۔

”لمب.... امب.... سس سننے تو سی..... اچھا..... اچھا..... میں.... دیکھئے“ قاسم نے جھک کر بے ہوش آدمی کو گود میں اٹھایا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کسی نئے سے بچے کو گود میں اٹھایا ہو۔

حمدی اور اس کی ہم رقص بھی اُسی ہیز میں موجود تھے لیکن حمید یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا وہ اب بھی کچھ نہ بولا۔

”قق.... قہاں.... لے چلو۔“ قاسم نے بے ہوش آدمی کی ہم رقص سے پوچھا۔ ”پولیس شیش....!“ وہ دہڑی۔ ”یہاں اتنے لوگ موجود ہیں لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس بد معاشر سے بچھ سکے۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔“

”اپنی ایسی کی تھی میں جائے سالا۔“ قاسم نے جھنجلا کر اُسے پھر فرش پر ڈال دیا اور بولا۔

”میں نے تو ایک ہی مارا تھا۔“

لوگ پھر فس پڑے۔ حالات ہی کچھ ایسے معنکہ خیز تھے کہ کسی کو بھی بے ہوش آدمی سے مددوی نہیں تھی۔

اس کی ہم رقص پھر چینچنے لگی اور حمید آگے بڑھ کر بولا۔ ”آپ نے ان صاحب کو پینے سے بول نہیں رکا تھا۔“

”یہ نئے میں نہیں تھا۔“

”تمہاریکوں نہیں اور اس وقت آپ کہاں تھیں جب یہ میرے قطب میندار پر گھونے بر سارا تھا۔“

”اے جہاں سنبھال کے.... تم خود قطب میدار۔“ قاسم سُک گیا۔

”ویکھا آپ نے.... کتنا سادہ لوح اور سیدھا آدمی ہے۔“ حمید نے مجھ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”سادہ لوح کے کہتے ہیں۔“ قاسم نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”ختم کرو۔“ حمید ہاتھ الحاکر بولا۔ ”تم آخر شر ایوں کے منہ لگتے ہی کیوں ہو۔ آکر... اور ہر آؤ۔“

”پولیس.... پولیس....!“ بیہوش آدمی کی ہم رقص چینچی۔

”یا تم سے جانتے ہو۔“ حمید کی ہم رقص نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”ہاں.... یہ میرے سوتیلے دوست کا لڑکا ہے۔“ حمید نے کہا اور قاسم کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چھکھنگایتے چلا۔ بیہوش آدمی کی ہم رقص چھکھاتی تھی رہ گئی۔

حمدی سے اپنی میز پر لایا اور وہ بیٹھ گئے۔ حمید کی ہم رقص قاسم کو آنکھیں چھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

”لیا قصہ تھا....!“ حمید نے پوچھا۔

”کچھ نہیں.... میں نے سوچا جیسے اللہ نے تم پر کرم کیا ہے شائد مجھ پر بھی کر دے۔“

”کیا مطلب....!“

”میں بھی اکیلے ہی تاپنے جا رہا تھا۔“

حمدی کی ہم رقص بس پڑی۔ قاسم کہتا رہا۔ ”اس کی مشتوقہ کے بیٹے پر میرا بیمار پڑ گیا تھا۔ بس سالا بدک گیا۔ میں نے بھی کہا اچھا بیٹا۔ اب تو پھر کیا میں ایک ہاتھ میں نہ مارتا.... وہ بھی۔“

”دوسری طرف کچھ دیہ بیہوش آدمی کو اخہار ہے تھے اور اس کی ہم رقص شائد پولیس کو فون کرنے چلی گئی تھی۔“

”نہیں! ایک کیا تم دس مارتے گرائب... اس نے پولیس کو چیخ فون کر دیا تو۔“ حمید جنجلہ گیا۔

”تو قیا ہو گا۔“ قاسم سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”میں پولیس کے باپ کا چوتھا بھائی ہوں۔ قیوں حمید بھائی... ہی ہی ہی۔“

وہ حمید کی ہم رقص کو نکھیوں سے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

”اچھا ہاں بہتر نہیں ہے کہ یہاں سے چپ چاپ کھک جاؤ۔“

”یہ کا سے ہو سکتا ہے۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں تمہیں یہاں تھا جھوڑ کر چلا جاؤں.... اس مصیبت میں۔“

”کیوں! مجھ سے اس مصیبت کا کیا سروکار۔“

”ارے واہ.... جب وہ مجھے کے مارہاتھا تو اس کے چھرا کس نے مارا تھا؟“

”بکواس مت کرو۔“

”اچھی بات ہے۔“ قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ ”توب ا تم مجھے پھنساونے غیر... خیر.... چھرا تو تم نے ہی مارا تھا۔“

”چھرا!...!“ حمید کی ہم رقص نے جیرت سے دہرایا۔

”جی ہاں۔“ قاسم شرات پر آمادہ ہو گیا۔ ”بڑے بھائی کا ہاتھ بڑا سچا ہے۔ بھیڑ بھاڑ میں بھی چھرا مار دیں تو کوئی پڑھ نہیں پاسکا کہ کس نے ہاتھ صاف کیا ہے۔“

”کیوں بکواس کر رہے ہو۔“

”معاف کیجئے!“ حمید کی ہم رقص اٹھتی ہوئی بولی۔ ”میں خواہ نزاہ آپ کی گفتگو میں مغل ہو رہی ہوں۔“

”ارے آپ بیٹھئے.... یہ یونکا.... بب.... بکو.... ا.... س.... چل گئی.... کیوں ابے لم ڈھینگ تو نے یہ کیا کیا۔“

حمدید قاسم پر الٹ پڑا۔ لڑکی جاچکی تھی۔

قاسم پیٹ دبائے بے تھاشہ نہس رہا تھا۔

”میں تمہیں رو لا دوں گا۔“ حمید دانت پیس کر بولا۔

”ا بھی.... ا بھی.... ہی ہی.... تو خود ہی ہی ہی.... رور ہے ہو پیارے.... ہاہاہا۔“

”خاموش رہو، ورنہ بہت نری طرح پیش آؤں گا۔“

قاسم ہستے ہستے بیدم ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد کمزور آواز میں بولا۔ ”میں تمہارا اسی طرح کہڑا کر رہا ہوں گا۔ ورنہ میرے لئے بھی ایک ڈھونڈ لیا کرو۔ قیا سمجھے۔“

”تمہارا از مددہ رہنا محال ہو جائے گا۔“

”ہو جائے... واہ کتنا لاطف آیا ہے اس وقت۔“

”لف کے بچے.... میں دیکھ لوں گا تمہیں۔“

”دیکھ لینا۔“ قاسم پھر نہس پڑا۔ حمید کا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ اُسے اور زیادہ غصہ دلا رہا تھا۔

حمدید خاموش ہی رہا اس کی نظر میں اسی لڑکی کو تلاش کر رہی تھیں وہ اُسے بہت پسند آئی تھی۔

دفتار سات یا آٹھ آدمی نظر آئے جو غصے میں بھرے ہوئے اُس میز کی طرف بڑھ رہے تھے۔

”بیٹے قاسم سنبھلو۔“ حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

”قیا...!“ قاسم چوک پڑا اور اس کی نظر بھی ان لوگوں کی طرف اٹھ گئی۔ وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

”ان لوگوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ بھی تھے۔“

اور پھر یہ یہ ہے سب ان دونوں پر آپڑے۔

اونچ ہمید کے ماتحت جو سادہ لباس میں اس کی حفاظت کرتے تھے وہ بھی دوڑ پڑے۔ وہ بھی

تعداد میں آٹھ ہی تھے۔ ان کی وجہ سے حمید کو حملہ آوروں کے زخم سے نکل جانے میں بڑی مدد

مل اور اُس نے ایک سادہ لباس والے کو اپنی طرف کھینچ کر آہستہ سے کہا۔

”کسی طرح اس بے ہوش آدمی کو بھاگا سے ہٹالے جائے۔ یہ لوگ اسی کے بھانے ہم پر آئے ہیں۔“

اس کے بعد حمید دور کھڑا اصراف تماشاد کی تھا۔ قاسم نے تمیں کو لٹا دیا تھا اور اب وہ لوگ اُس سے دور ہی دور رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس جنگ دجدل کی وجہ سے ریکارڈینگ ہال میں انتہی بھیل گئی۔ کچھ لوگ حمید کے گرد

کھڑے ہوئے تھے ان میں فیجر بھی تھا۔

”کیوں جتاب! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ اُس نے غصیلی آواز میں کہا اور کسی کو چیخ کر خاطب

”کیوں جتاب! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ اُس نے غصیلی آواز میں کہا اور کسی کو چیخ کر خاطب

آدمی ہیں۔ قاسم کے گرد بھی اچھی خاصی بھیڑ لگتی تھی۔ سب انپکٹر نے اس سلسلہ میں کچھ کہتا چاہا۔
”بیکار ہے۔“ حمید ہاتھ اخاکر بولا۔ ”آپ سے بنیادی غلطی سرزد ہوئی ہے آپ کو فون پر
بلوے ہی کی اطلاع ملی ہو گی۔ لیکن آپ نے احتیاط نہیں بر تی۔“

”آئندہ جب کبھی کسی ہوٹ یا ناٹ کلب میں بلوے کی اطلاع ملے تو موقعہ واردات پر پہنچنے
کے پہلے کم از کم ایک آدمی میں سوچ بورڈ کے پاس ضرور چھوڑ دیجئے گا۔“
سب انپکٹر کچھ نہ بولا۔

تحوڑی دیر بعد میدان خالی ہو گیا۔ یعنی پولیس والے ضابطے کی کارروائی کر کے چلے گئے لیکن
حمد کا ناطقہ بند ہو گیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اسے واقعہ کی تفصیل معلوم ہو جائے۔ لوگوں کو اس پر
بھی حیرت تھی کہ پولیس کسی کو ہاتھ لگائے بغیری واپس چل گئی۔
فہرست سے ایک بار پھر سامنا ہوا۔

”آپ کون ہیں۔“ اس نے متحیر انداز میں پوچھا۔
”میں کوئی بھی ہوں اس سے آپ کو سروکار نہ ہونا چاہئے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ ناٹ
کلب لفگوں کا اکھڑا ہے سمجھے جتاب۔“

”شروعات تو آپ کے ساتھی ہی نے کی تھی۔“
”ہاں اور اسی لئے کی تھی کہ یہاں کے لفگوں پکڑے جائیں لیکن عین وقت پر میں سوچ گئی
کہ اسینے کی ذمہ داری سر اسر آپ پر عائد ہونی چاہئے۔“

”آپ خواہ مخواہ مجھے اڑام نہیں دے سکتے۔“
”بس اب تشریف لے جائیے۔“ حمید ہاتھ ہلاکر بولا۔
فہرست بڑا تباہ اور خست ہو گیا۔

پھر حمید نے اپنے اس آدمی کو اشارے سے بلا یا جسے اس نے ڈائینگ ہال میں بھیجا تھا۔ ”کیا
ہوا؟“ حمید نے پوچھا۔

سب ٹھیک ہے جتاب۔ وہ اس وقت بھی بیو ش تھا جب میں وہاں پہنچا تھا۔ لڑکی موجود
تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ کچھ آدمی تمہاری حماست میں ان لوگوں سے لڑنے ہیں اور ان کے
بھی کچھ مزید آدمیوں کے آجائے کی وجہ سے اچھا خاص بلوہ شروع ہو گیا ہے لہذا بہتری اس میں

کیا۔ ”پولیس کو فون کرو۔“
”میں کیا جانوں کیا ہو رہا ہے۔ میں تو از راہ ہمدردی اُس موٹے کو اپنی میز پر لے گیا تھا۔ اگر
میرا بھی اس سے کوئی تعلق ہوتا تو آپ مجھے بھی وہیں دیکھتے۔“

اس نے یہ جملہ بلند آواز میں کہا تھا تاکہ قرب و جوار کے لوگ سن لیں اور پھر اُسے بورہ
کریں۔ کسی پیک مقام پر اس قسم کے ہنگامے والیں جان ہی جاتے ہیں۔ ویسے حمید کا خیال تھا کہ
یہ ہنگامہ اس آدمی کی وجہ سے نہیں ہوا جو قاسم کا ہاتھ پڑتے ہی بیو ش ہو گیا تھا بلکہ پچھلے دونوں
کے حملہ آوروں نے اس وقت موقعہ سے فائدہ اٹھایا تھا اور اس فکر میں تھے کہ اس کا کام تمام
کر کے نکل جائیں۔

قاسم بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہاتھ گھما رہا تھا لیکن اب اتفاق ہی سے وہ کسی کو نشانہ
باتنے میں کامیاب ہوتا تھا کیونکہ وہ لوگ اس کے سلسلے میں کافی محتاط ہو گئے تھے۔

البتہ حمید کے آدمیوں کو اکثر ایک آدھ روز کا لطف آ جاتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح
قاسم بھی اس بھیڑ سے الگ ہو جائے تاکہ وہ لوگ حملہ آوروں کو قابو کر سکیں لیکن قاسم انہیں
بھی دشمن ہی سمجھ کر اپنے کرت دکارا تھا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ حمید کے آدمی یہاں بھی موجود ہیں۔
کچھ دیر تک اسی قسم کی چھوٹ چلتی رہی پھر کچھ مسلح کا نشیل اندر کھس آئے اور انہوں نے
لڑنے والوں کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

حمدید کے ساتھیوں نے ہاتھ روک لئے اور حمید آگے بڑھ آیا۔
”تھکریاں۔“ حمید نے سب انپکٹر کو مخاطب کیا۔ ”سات تھکریاں۔“
”آپ کون ہیں۔“ سب انپکٹر غریبا۔

حمدید نے اپنا شاخت نامہ نکال کر اُسے دکھایا۔ لیکن دفعتاً اسی وقت پورا ہاں تاریک ہو گیا۔
مختلف قسم کی آوازیں اندر ہیرے میں گونجنے لگیں۔ ان میں چھین بھی تھیں گالیاں بھی تھیں اور
فارز کر دینے کی دھمکیاں بھی۔ پھر ثالثی کی روشنیاں اندر ہیرے میں سُڑھی ترجمی لکیریں بنانے
لگیں۔ پولیس والوں کا گھیرا ٹوٹ چکا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب حملہ آوروں میں سے کسی کا ہاتھ
آنٹا مشکل ہی ہے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہاں پھر روشن ہو گیا اور پولیس والوں نے اب قاسم اور حمید
کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ جواب بھی وہیں موجود تھے۔ حمید نے سب انپکٹر کو بتایا کہ وہ اس کے

ہے کہ تم اسے لے کر یہاں سے کھک جاؤ۔ ورنہ بڑی مصیبت میں بچن جاؤ گی۔ وہ نہ سو ہو گئی اور خود میں نے ہی اُس کے لئے تیکی کا انتظام کیا۔ بہر حال پولیس کے آنے سے پہلے ہی میں انہیں کھکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

”اچھا...!“ حید نے ایک طویل سانس لی۔ ”میں نے جو کچھ سوچا تھا وہ نہ ہو سکا۔ ان میں سے ایک بھی نہ پکڑا جاسکا۔“

”میرے خیال سے تواب آپ اس طرح باہر ہی نہ نکلا کریں۔“

”کسی عورت کا میک اپ کر کے گھر بیٹھوں... کیوں؟“ حید غریا۔

”نن.... نہیں.... جتاب.... مطلب....!“

”ختم کرو۔“ حید ہاتھ بلا کر بولا۔ ”میں ان کا کم از کم ایک آدمی چاہتا ہوں۔ صرف ایک ہی ہاتھ آجائے۔“

سادہ بس والا کچھ نہ بولا۔ حید نے کچھ دری بعد کہک ”اپنی بلگہ پر واپس جاؤ۔“

پھر وہ قاسم کی طرف متوجہ ہوا جو اس کی میز کے قریب بیٹھا تھا اسی طرح ہاتھ رہا تھا۔

”تمہاری وجہ سے مجھے بیٹھ دھکے کھانے پڑتے ہیں۔“ حید بھی بیٹھتا ہوا بولا۔

”قیوں کھاتے ہو دھکے میں نے کب کہا تھا۔ اکیلے ہی نیٹ لیتا سا لوں سے۔“ قاسم ہانپا ہوا بولا۔ ”کھانا لکھا لینے کے بعد مجھ سے لا ای بھڑائی نہیں ہو سکتی۔“

”تم آئے کیوں تھے یہاں۔“

”تمہاری دم سے بندھ کر آیا تھا.... ابی واہ.... آئے قیوں تھے.... ابے اللہ کی زمین ہے جہاں چاہیں گے جائیں گے، تم قون ہو ہمیں ٹوپنے.... ٹوکنے والے.... سالا۔“

”پھر....!“ حید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”پھر بیکے.... کیوں شامت آئی ہے۔ میں تمہیں یہاں تھا چھوڑ جاؤں گا اور تم کسی کی گوئی کا نشانہ بن جاؤ گے۔ جانتے ہو یہ لوگ کون تھے۔“

”اسی سالے کے چچا سنتھے اور کون، جو ایک تھیٹر بھی نہ سہہ رکھتا۔“

”بکواس.... یہ وہ لوگ تھے جو اس سے پہلے بھی مجھ پر دوبار قاتلانہ حملہ کر چکے ہیں۔“

”نہیں....!“ قاسم تھوک نکل کر رہ گیا۔

”ہاں.... بوڑھے بیٹے۔ ان کی انگلیاں روپاں کے ٹریگر پر اسی طرح چلتی ہیں جیسے بچے

گولیاں کھلتے ہیں۔“ قاسم نے احقدان انداز میں دہرایا اور ٹھیک اسی وقت حید کی ہم رقص پھر دکھائی دی۔ وہ انہیں کی طرف آرہی تھی۔

”تمیز سے بیٹھنا....!“ حید نے آہستہ سے کہا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

لوکی آکر بڑی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ساتھا اور آنکھوں میں بے چینی جھلکتی تھی۔

”وہ لوگ اس آدمی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔“ اس نے بھرا تھی ہوئی آواز میں کہا۔

”آپ کیجا گئیں۔“ حید نے حیرت سے کہا۔

”میں دونوں ہی سے واقف ہوں۔“ اُس کی آواز کا پر رہی تھی۔ ”وہ جو... وہاں گرا تھا.... جس کے آپ نے چا قوم ادا۔“

”ٹھہریے.... آپ اس کی باتوں میں آگئیں۔“ حید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”یہ تو یونہی کو اس کر رہا تھا۔ اگر میں نے چا قوم ادا ہوتا تو پولیس مجھے یہاں کیوں چھوڑ جاتی۔“

”آپ کوئی پولیس آفسر ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میں نے کہی اندازہ لگایا ہے۔ آپ نے سب انپکٹر کو کوئی کافنڈر لکھایا تھا۔“

”ٹھہریے.... آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ ان لوگوں کو پہچانتی ہیں۔“

”جی ہاں وہ آدمی جو بیہو ش ہوا تھا ایک شریف آدمی ہے۔ ایک مقامی کائن میں پیچرار ہے۔ ایسے وابستہ اور لفگنے اس کے ملنے والوں میں سے نہیں ہو سکتے۔“

”آپ ان لفگوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔“

”آپ پہلے یہ بتائیے کہ آپ پولیس آفسر ہیں یا نہیں۔“

”نہیں.... ویسے میں ایک شریف آدمی ہوں۔ اس سب انپکٹر سے جان پہچان ہے۔ میں نے اسے کافنڈر نہیں بلکہ سگریٹ کیس پیش کیا تھا۔“

”جب پھر....!“ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”میں گھر کیسے واپس جاؤں گی۔ یہاں مجھے کوئی بھی نہیں جانتا۔ وہ لوگ مجھے مارڈا لیں گے۔ زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میرے خدا۔“

”آخر اس پر بیٹھنی کی وجہ۔“

”وہ اس واقعہ سے پہلے یہاں موجود تھے۔ انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ دیکھا ہو گا۔“

”کیا آپ کرنے فریدی ہیں۔“ لڑکی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔
”لا جوں والا قوہ...!“ حمید نے بہت بُرا سامنہ بنایا۔ یہ تو... یہ تو بس یونہی ہے۔“
”تم خود بس یونہی ہو۔“ قاسم میز پر پاتھار کر بولا۔
”خاموش رہو۔“ حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور قاسم نہ جانے کیوں خاموش ہی ہو گیا۔
لیکن انداز... کسی روٹھی ہوئی یوں کا ساتھا۔

”اچھا تو پھر چلیں...!“ حمید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
”بُنیں شہر یے۔ ابھی تو سب یعنی بے ہیں۔ ہم ساڑھے گیارہ بے وہاں پہنچیں گے۔“
”کیوں....!“

”یہی وقت دیا گیا ہے اور ہاں... شہر یے۔“ وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ انہوں نے دو آدمیوں کو یہیں چھوڑ دیا ہے۔ لیکن وہ یہاں سے کافی دور ہیں اچھا دیکھئے یہ جو آپ کے کار میں گلاب کا پھول لگا ہوا ہے اسے میرے جوڑے میں لگادیجئے۔ تاک انہیں اطمینان ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ میں آپ کو قابو کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔“

”اللہ...!“ قاسم نے ٹھنڈی سانس کے ساتھ کہہ کر بے چینی سے پہلو بدلا اور لڑکی بیساختہ نہیں پڑی۔

حمد بھی ہنسنے لگا۔ پھر قاسم کی ”یہی ہی ہی“ بھی چل پڑی۔
”وچکپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔
”بہت زیادہ۔“ حمید بولा۔ ”لیکن تم نے اس کی کوواس پر یقین کیسے کر لیا تھا۔ جب مجھ سے واقف تھیں۔“

”بس یونہی تفریح کا۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کو اپنی طرف اور زیادہ متوجہ کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت تک میرا یہی خیال تھا کہ ان کی اس ایکسیم کو عملی جامہ پہننا ڈالوں۔ مگر پھر... مجھے وہ ایک سال کی بے بُنی یاد آگئی جو بارش میں سڑک پر پڑی چٹکھاڑی تھی اور اس کی ماں کی پیشانی سے خون امل کر بارش کے پانی میں بہہ رہا تھا۔“

لڑکی خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیداری میں کوئی بھی ایک خواب دیکھ رہی ہو۔

”تو اس سے کیا ہو گا۔ بہتیر دن کو انہوں نے میرے ساتھ دیکھا ہو گا۔“
”میں آپ کو کس طرح سمجھاؤ۔“
”نبیں سمجھائیے... میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔“
”وہ اپنے دشمن کے ساتھیوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔“
”مگر محترمہ آپ نے ان کے متعلق اتنی معلومات کیسے فراہم کر ڈالیں۔“
”اُف فوہ... دیکھئے میں بہت پریشان ہوں۔ اچھا یہی سمجھ لیجئے کہ میں انہیں بہت قریب سے جانتی ہوں۔“

”آخر آپ ان نے آدمیوں کو قریب سے کیسے جانتی ہیں۔ میں نے تو آپ کے متعلق بھی یہ اندازہ لگایا تھا کہ آپ ایک اچھی لڑکی ہیں۔“
”لڑکی مسکرائی اور اس مسکراہست نے اس کے چہرے پر پائے جانے والے پریشانی کے آثار اس طرح ختم کر دیئے جیسے گرد آؤ د آئینے پر مجمل کا تکلیف پھیر دیا جائے۔

”میں یقیناً ایک اچھی لڑکی ہوں... ہاں کیپن کیونکہ ابھی میراضمیر مردہ نہیں ہوں۔“
لفظ کیپن پر حمید چوک پڑا اور لڑکی مسکرائی اور پھر بولی۔ ”میں ان نے آدمیوں کے پنجے سے رہائی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے مجھے آج یہاں اسی لئے بھیجا تھا کہ میں تمہیں پھانس کروہاں لے جاؤں جہاں وہ لوگ چاہتے ہیں لیکن اتفاقاً وہ قصہ اٹھ کھڑا ہوا اور انہوں نے اپنی ایکسیم بدلتی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس آدمی کے حمایتی بن کر تمہیں یہیں سب کے سامنے ختم کر کے نکل جائیں گے۔ اس کا موقعہ اس وقت ملتا جب ہاں کے سارے لوگ لڑنے والوں کو الگ کرانے کے لئے بُلدہ بول دیتے تھے لیکن کسی نے بھی مداخلت نہیں کی تمہارے آدمیوں نے ان کا کھیل ختم کر دیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ تمہارے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں۔“

”شکریہ...!“ حمید نے مسکرا کر کہا۔
”اب پھر ان کی وہی پہلی ایکسیم برو۔ لائی جائے گی۔ یعنی میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔“

”تم نے بڑا کرم کیا... ورنہ میں مفت میں مارا جاتا۔“
”ہاں... بھائی...!“ قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولा۔ ”مکدر ہے... اپنا اپنا۔“

کی طرف چلا گیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے جا رہا تھا۔
لوگی قاسم سے اس کے متعلق پوچھنے لگی اور قاسم نے بتایا کہ وہ واقعی بہت دلچسپ آدمی
ہے۔ من سے لو ہے کے گولے نکال سکتا ہے۔ موٹی موٹی سلانہ خیں موڑ سکتا ہے۔ اپنے سینے پر وزنی
پتھر تزوہ اسکتا ہے۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ وہ حمید کے ساتھ جانے سے اعتراض کرے۔ یہ کبھی
نہیں ہو سکتا۔ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”ایسے لخت ناک حالات میں میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔
میں خود مر جاؤں گا مگر اسے نہیں مر نے دوں گا۔ اس سے زیادہ پیار اور دوست ملتا مشکل ہے۔“

”اس میں انہیں کی بھلائی ہے۔ ممکن ہے آپ کی وجہ سے کام بگڑ جائے۔“

”میں لڑائی بھڑائی میں کس سے کم ہوں۔“

”لڑائی بھڑائی کے بغیر کام نکالنا ہے۔“

انتے میں حمید بھی واپس آگیا۔ قاسم نے اس سے کہا کہ وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔
اس پر لڑکی بولی۔ ”انہیں سمجھائیے ورنہ ہو سکتا ہے کہ ہم کامیاب نہ ہو سکیں۔“

”قاسم! میں تمہاری محبت کے لئے شکر گزار ہوں لیکن اس معاملے میں خذنه کرو۔“

بدقت تمام وہ قاسم کو اس پر آمادہ کر سکے کہ وہ ان کے ساتھ نہ جائے۔ حمید سارے
انتظامات مکمل کر چکا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو سمجھاویا تھا کہ جب اس کا تعاقب شروع کر دیا
جائے تو وہ اپنی جگہوں سے جبکش کریں۔ لڑکی کے بیان کے مطابق دو آدمی اب بھی وہاں موجود
تھے۔ وہ یعنی طور پر تعاقب کرتے۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ اٹھ گئے۔



دو بجے رات کو ظیارہ نیکم گذھ کے ہوائی اڈے پر اترا۔ فریدی نے سوچا کہ باہر جانے سے
پہلے اُسے کم از کم ایک کپ کافی ضرور پینی چاہئے۔ چہار پر اسے اچھی کافی دلمی تھی۔ اس نے
وینگ رومن کارخ کیا۔ لیکن تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد اسے رک جانا پڑا۔ کیونکہ جو آدمی لبے لبے
قدم رکھتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا کوئی اچھی نہیں تھا۔ یہ انہیں لوگوں میں سے تھا جو کیپن حمید
کے ساتھ نیکم گذھ آئے تھے۔ اس نے قریب آ کر سلام کیا۔
”کیوں؟ کیا بات۔“ فریدی نے حیرت سے کہا کیونکہ اس نے حمید کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں
دی تھی۔

”میں نہیں سمجھا.... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

”اوہ.... میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ خون مٹی میں آج بھی محفوظ ہے اور اس وقت تک
محفوظ رہے گا جب تک اس میں ان نیا پاک آدمیوں کا خون نہ جاتے جنہوں نے اسے زیر زمین پہنچایا
تھا۔ آپ نہیں جانتے کہ اس طرح مر نے والی کون تھی۔ وہ میری ماں تھی اور بادشاہ میں تمہاری پڑی
بلکہ والی بھی میں تھی۔“

”اوہ.... مگر یہ غریب ہوئی کیسے تھی۔“

”ایک طویل داستان ہے پھر کبھی بتاؤں گی۔ آپ فی الحال اپنے آدمیوں کو تباہ کیجئے کہ وہ
آپ کا تعاقب کریں۔ آج کی رات آپ دونوں کے لئے بہت خطرناک ہے۔“

”ہائی.... میں نے کیا کیا ہے۔“ قاسم بھرا ہی ہوئی آواز میں بولا۔

”لڑکی اس طرح جو ٹکڑے پڑی جیسے اسے قاسم کی موجودگی کا احساس عینہ دہا ہو۔ اس نے حمید
سے پوچھا۔“ کیا یہ قابلِ اعتماد آدمی ہے۔“

”ہاں.... تم مطمئن رہو۔ یہ گنتگو اس میز سے آگے نہیں ہو گے۔“

”ہمے.... الاصم میں بھلا کیوں کسی سے کہنے لگا۔ اب تو مجھے ان سالوں پر زیادہ غصہ آرہا ہے۔“

”خیر!...“ لڑکی نے طویل سانس لے کر کہا۔ دونوں سے مراہیہ تھی کہ آپ اور کرٹل فریدی۔“

”کیوں کرٹل فریدی کیوں؟“

”اوہ.... کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ وہ فوجے والے طیارے سے نیکم گذھ کے لئے روانہ
ہو چکے ہیں۔“

”نہیں....!“ حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اب بھی کچھ ہی دیر پہلے ان میں اس کا تذکرہ ہوا تھا، کچھ آدمی ہوائی اڈے پر بھی موجود ہوں
گے، جو کرٹل کا خاتمہ کر سکیں۔“

”میرے خدا.... مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ آرہے ہیں۔“

”آرہے ہیں.... آپ ان کی بھی فکر کیجئے۔“

”یقیناً.... یقیناً.... ٹھہریے۔“

حمید نے اپنے ایک آدمی کو آنکھوں کے اشارے سے متوجہ کیا اور خود اٹھ کر پیشab خاؤں

”یہاں آپ کے لئے خطرہ ہے جناب... کیپین نے کہلوایا ہے۔“
”اے میری آمد کی اطلاع کیسے ہوئی۔“

”پتہ نہیں جناب... انہوں نے مجھ سے یہ نہیں بتایا۔“
”وہ اس قت ہے کہاں۔“

”میں انہیں سنگیت نائٹ کلب میں چھوڑ آیا تھا۔ مگر اب شاید وہ وہاں نہ ملیں۔ مجھ سے انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ سازش گیارہ بجے کہیں چلے جائیں گے۔“
”کہاں چلے جائیں گے۔“

”یہ بھی نہیں بتایا جناب۔“

”اس پر پھر کوئی حملہ تو نہیں ہوا۔“
”جی ہاں... آج ہی ہوا تھا۔ وہیں سنگیت نائٹ کلب میں۔ لیکن حملہ آوروں کے کسی ساتھی نے ٹھیک اس وقت میں سونچ آئی کر دیا جب پولیس انہیں گرفتار کرنے جادی تھی۔“
”وہ وینگ روم میں پہنچ گئے تھے۔“

”بیٹھو...!“ فریدی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے میٹھے ہوئے کہا۔ ”بھروسے کے بعد کیا ہوا۔“
”بھروسہ ہی لڑکی کپتان صاحب کی میز پر آگئی جس کے ساتھ وہ ناپتہ رہے تھے۔ کچھ ذیر بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ نیک گذھ تشریف لارہے ہیں، اور خدا غورست آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔“

”خطرے کی نوعیت...!“
”بھروسہ حال اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔“

”قیام نشاط ہی میں ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں! سولہویں کمرے میں اور ہم لوگ مختلف مقامات پر ٹھہرے ہیں۔“
فریدی نے ایک ویٹر کوبلا کافی کے لئے کہا اور اس کی تیاری کے متعلق چند بدایات دیں۔
”بھروسہ کے پلے جانے پر سادہ بیاس والے سے بولا۔“ کیا وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں گیا ہو گا۔“
”جی ہاں قرینے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے کوٹ کے کالر سے گلاب نکال

”اسکے جوڑے میں لگایا تھا اور وہاں ایک لمبا موٹا اور بے ذوق اُدمی بھی ان کے ساتھ لگا رہتا ہے۔“

”اوہ... وہ بھی ہے۔“ فریدی کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

”جی ہاں... میر انداز ہے کہ کپتان صاحب اس کی موجودگی پسند نہیں کرتے لیکن وہ چیخا نہیں چھوڑتا۔“

”ہوں...!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ ”آخر سے کہے علم ہوا کہ میں آرہا ہوں۔“

”پتہ نہیں جناب مجھے بھی حرمت ہے۔“

اب اس نے شروع سے وہ داستان دھرائی شروع کی کہ سنگیت نائٹ کلب کے ہنگامے کی روایات کیسے ہوئی تھی۔ فریدی کو حمید پر بے تحاش غصہ آرہا تھا۔ آخر ایسے حالات میں نائٹ بوں کی تفريحات کیوں جاری ہیں اور وہاں سے قاسم کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔

”کیا وہ لڑکی پہلے بھی حمید کے ساتھ دیکھی گئی تھی؟“ اُس نے پوچھا۔

”نہیں جناب ہم نے تو نہیں دیکھا۔“

انہیں میں کافی آگئی اور ویٹر نے دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سی میز کھکھ کر اس پر ٹرے کھو دی۔ لیکن اس کے چہرے پر جھنچھلاہٹ کے آثار تھے، اور آہستہ آہستہ کچھ بڑی بڑاتا جا رہا تھا۔ فریدی اُسے بہت غور سے دیکھنے لگا۔

”میکیوں؟ کیا بات ہے۔“ فریدی نرم لمحہ میں بولا۔

”صاحب! آج کی دنیا میں رہنے سے بہتر ہے کہ آدمی کنوئیں میں پھلانگ لگادے۔“ ویٹر نے ٹرا سماعہ بن کر جواب دیا۔

”میکوں! کیا ہوا بھی۔“

”صاحب! اس لفظ ساری سے اتنی جان جلتی ہے کہ میں گردن کاٹ کر کہیں گے ساری،“
چٹکے کوئی بات ہی نہیں آگے بڑھ گئے۔ اب اسی وقت لاث صاحب کے پنجے میزے پر پر چڑھ گئے تھے۔ نہیں بلکہ تاک میں بھی انگلی کھسیر دی۔ جب تک میں سنھلوں ساری کہہ کر چلتے بنے۔ قہقاہ اور نہ ان برتوں کا خون اپنی گروپ پر ہوتا۔“

”اوہ...!“ فریدی نے تشویش کن انداز میں ہونٹ سکوڑنے۔

”اور کچھ چاہئے جناب۔“

”نہیں...!“ فریدی نے کہا اور کافی کی ٹڑے کی طرف دیکھنے لگا۔ ویژہ دوسری طرف چلا گیا۔

سادہ لباس والے نے ٹڑے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”ٹھہر و....!“ فریدی نے آہتہ سے کہا پھر مسکرا کر بولا۔ ”خدا مجھے بھی زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دودھ بھی زندہ نہیں چھوڑے گا اگر اس کا ایک قطرہ بھی حق سے اتر گیا۔“

”میں نہیں سمجھا جناب۔“

”ہو سکتا ہے کہ کوئی اس دیڑ سے جان بوجھ کر گلریا ہو۔ دودھ کے برتن پر ڈھکن نہیں ہے۔ مکراتے وقت کوئی چیز اس میں بے آسانی ڈالی جاسکتی ہے۔“

”اوہ...!“ سادہ لباس والے کی آنکھیں جرت سے پھیل گئیں۔

”مناسب یہی ہے کہ ہم یہاں کچھ نہ کھائیں پسیں... اوہو... دیکھو... وہ ایک بُلی اور ہر کھڑکی میں پیشی ہوئی ہے... دودھ کا برتن اٹھا کر نیچے رکھ دو۔“

سادہ لباس والے نے ایسا ہی کیا۔ اُس کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، بلی کھڑکی سے کود کر تیر کی طرح دودھ کے برتن کی طرف آئی۔ وہ اُسے دودھ پیتے دیکھتے رہے پھر یک بیک بلی نے چینا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ بلی کی چینیں سن کر کچھ لوگ اندر آگئے تھے ان میں وہ دیڑ بھی تھا جس نے کافی میر پر لگائی تھی۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا یا۔

وہ لڑکی

جیمیڈ کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ جب اس نے کار کے باہر چھ آدمیوں کو ریو اور لئے ہوئے دیکھا۔ ریو اور دوں کی نالیں کار ہی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

جیمیڈ نے لاکی کا شانہ چھو کر آہتہ سے کہا۔ ”یہ کیا ہوا؟“

”تمہارے آدمی کہاں رہ گئے۔“ ”لوکی بڑا بائی۔“

”پتہ نہیں۔“

”تب پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ایک نہیں چھ ریو اور ہیں۔“

وختا ایک آدمی نے کار کا دروازہ کھولا اور حمید کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ قدرت کی طرف سے حمید کو ایک شاندار موقع ملا تھا لہذا وہ اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔ اس نے نیچے اترتے اترتے کار پکڑنے والے کے پیروں میں اپنا دہن پیر ڈال دیا۔ وہ لڑکھا کر حمید پر آپڑا اور حمید نے اُسے دیوچ کر ریو اور والوں کے سامنے کر دیا اور مسکرا کر ریوا۔ ”بعض حرث میں دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ اس طرح گولی مارو کہ اس کے سینے کے پار ہو کر میرے لیکھ کے پار ہو جائے۔ ورنہ میں تم سمجھوں کا یہہ کھڑا کھڑا اپار کر دوں گا۔ کیا سمجھے۔“

”چھوڑو...! اسے چھوڑو، ورنہ ہم یعنی تمہیں ختم کر دیں گے۔“ ان میں سے کسی نے غر اکر کہا۔

”یہاں ختم کر دیا اگر لے جا کر... یہ اب نہیں چھوٹ سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ تم سب اپنے اپنے ریو اور پھیک کر ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“

یہاں چاروں طرف اونچی نیچی چنانوں کے سلسلے بھرنے ہوئے تھے۔ کار ایک دیرانے میں رزو کی تھی۔ حمید کو شش کر رہا تھا کہ وہ اسے ترخی میں نہ لینے پائیں۔ اس سے پہلے ہی وہ اس آدمی کو پرے دھکیل کر کسی چنان کی آڑ لے لیا چاہتا تھا۔

”دیکھتے کیا ہو۔“ کسی نے گرج کر کہا۔ ”ان دونوں کو زبردستی الگ کر دو۔“

حمدیڈ تو چاہتا ہی تھا کہ دو ایک اور قریب آجائیں، جیسے ہی دو آدمی اس کی طرف بڑھتے۔ اس نے اپنے شکار کو ان پر دھکیل دیا۔

اس طرح وہ سب کے سب ایک دوسرے سے مکرا کر رہ گئے اور حمید نے بے تعاشه نشیب میں چلا گا لگادی۔ یہ سوچیج اور دیکھے بغیر کہ وہاں سے زمین کی سطح تکی نیچی ہے۔ شاکر وہ ان میں سے کسی کی گولی سے مرن پسند نہیں کرتا تھا۔

اس کے پیر زمین سے مکرائے اور وہ گرتے گرتے بچا، اس کے چلا گا لگاتے ہی تین فائر کھلا اور نئے جملے کا انتظار کرنے لگا۔

شاندار میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سڑک سے نشیب میں اتر سکتے اور غالباً نہیں یقین نہیں تھا کہ حمید دور نکل گیا ہو گا۔

کچھ دیر بعد تاروں کی چھاؤں میں حمید کو سڑک پر ایک سایہ نظر آیا لیکن وہ سایہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ یا ایک کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور چشم زدن میں نہ جانے کتنی دور چلی گئی۔ یہ کار دراصل یقینی تھی اور اس کا ذریعہ سور اس اچانک واقع پر یوں کھلا گیا تھا لیکن حالات بدلتے دکھ کر اس نے نکل بھاگنے میں سستی نہیں دکھائی۔

حمدید سوچ رہا تھا کیا اس لڑکی نے دھوکا دیا، مگر خود اس کے آدمی کہاں مر گئے تھے اور وہ کار کیا ہوئی جس پر وہی دونوں آدمی موجود تھے جن کے متعلق لڑکی نے ناٹھ کلب میں بتایا تھا، انہوں نے کلب سے روانہ ہوتے ہی تعاقب شروع کر دیا تھا۔ حمید نہیں راستے پھر دیکھتا آیا تھا۔ مگر اب ان کی کار کہاں تھی۔

اوے یقین تھا کہ اس کار کے پیچھے اس کے آدمیوں کی گاڑی ہو گی۔ دس منٹ گذر گئے، نہ کوئی اوپر سے یتھے آیا اور نہ فائر ہوا۔ یہ صورت الحص میں ڈالنے والی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی سڑک پر موجود ہوں اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ چوروں کی طرح کسی اور جگہ سے نشیب میں اترنے کی کوشش کر رہے ہوں تاکہ اسے گھیرے میں لے سکیں۔ دوسرا صورت یقیناً صبر آزماء ہوتی۔

حمدید فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ اوے کیا کرنا چاہیے۔ اس کے پاس نارج بھی نہیں تھی کہ وہ سڑک چھوڑ کر کھایاں اور نالے پھلانگنا شروع کر دیتا۔ ایک بار تو مقدر نے ساتھ دیا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ دوسرا حفاظت بھی زمین ہی پر رکھتی۔

اس کے ہاتھ میں روپور بھی تھا، لیکن اس نے جھک کر ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور ان لوگوں کی موجودگی یا عدم موجودگی کا اندازہ کرنے کے لئے اسے سڑک پر اچھاں دیا۔ پتھر گرنے کی آواز اس نے صاف سنی لیکن پھر نہ تو اس کو قدموں کی آوازیں ہی سنائی دیں اور وہ دوسرا طرف سے اس پر کوئی جوابی کار داولی ہوئی۔

پھر بھی وہ مطمئن نہیں ہوا۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے فیصلہ کیا کہ اسے نوول ٹول کر یتھے ہی اتنا چاہئے، ممکن ہے رات برس کرنے کے لئے کوئی معقول سی جگہ مل جائے۔ اب اس وقت شہر کی

ہاب رخ کرتا ممکنات ہی میں سے تھا، اول تو پتہ نہیں وہ شہر سے کتنی دور نکل آیا تھا۔ دوسرے نہیں میں اتر جانے کے بعد س متلوں کا تعین کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا اور س متلوں کا تعین یعنی بغیر شہر پہنچنا مشکل تھا۔

وہ بہت احتیاط سے یتھے اترنے لگا۔ تھوڑی ہی دور چلا ہو گا کہ کسی کی سرگوشی پر جو ٹک ڈال۔ ”کون ہے؟“

سرگوشی کے ساتھ ہی خوبیوں کی لپٹوں نے اس کا دماغ معطر کر دیا، خوبیوں کے لئے نہیں تھی۔ کچھ دیر پہلے اسی قسم کی خوبیوں کے ذہن میں گونجتی رہی تھی۔

”میں ہوں۔“ حمید نے بھی سرگوشی کی۔

”ٹھہرو...!“ دوسرا طرف سے کہا گیا۔ ”اب کیا ہو گا۔“ قبل اس کے حمید کچھ کہتا ایک سایہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ خوبیوں کی لپٹیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ یہ اس لڑکی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا جو حمید کو یہاں تک لے لائی تھی۔

”کون کیپٹن۔“

”نہیں! اب اس وقت میرا عہدہ کافی بڑھ گیا ہے اور تم مجھے کیپٹن کے بجائے محترم کہہ سکتی ہو۔ حالانکہ لفظ محترم سے کسی بہت لمبی ڈاز ہی کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے مگر خیر... تم جسی وقار دوست کے لئے میں یہ بھی برداشت کر سکتا ہوں۔“

”اوہ... تم شاندار کسی غلط بھی میں بتلا ہو گئے ہو۔“ لڑکی نے کہا ”یقین کرو یہ ساری مصیبت محض اس لئے آئی کہ تمہارے آدمی وقت پر وہاں نہیں پہنچ سکے۔“ وہ بُری طرح ہانپر رہی تھی۔ ”تم پہلے اپنی سانسیں درست کر لو پھر گفتگو کرنا۔ اتنی دیر میں، میں یہ بھی دیکھ لوں گا کہ سڑک پر کتنے آدمی موجود ہیں کیونکہ میں غفلت میں مارا جانا بالکل پسند نہیں کرتا۔“

”وہاں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ یقین کرو وہ دم دبا کر بھاگ گئے۔ تم سے بہت بُری طرح خار ہمگی کھلتے ہیں اور خائن بھی ہیں۔ کیونکہ یہ ان کا چو تھا کام حملہ تھا۔“

”مگر تم کیوں رک گئی ہو، کیا وہ تم سے جواب نہیں طلب کریں گے۔“

”نہیں وہ سمجھتے ہوں گے کہ جیکی ڈرائیور مجھے بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن میں یقین سے اس طرح اتری تھی کہ ڈرائیور کو بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔“

”میں نے پوچھا تھا تم رک کیوں گئیں۔“
 ”اس ہنگامے میں پھر اور کیا کرتی۔“
 ”تم ان کے ساتھ بھی جا سکتی تھیں۔“
 ”میں اس ویرانے میں ان پر اعتماد نہیں کر سکتی تھی۔“
 ”مجھے یوں قوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تم دن رات ان کے ساتھ رہتی ہو۔“
 ”یہ قطعی غلط ہے۔ ان میں صرف ایک آدمی ایسا ہے جس کے ساتھ میں رہتی ہوں۔ اس نے میری پروردش کی تھی اور بھی کی طرح عزیز رکھتا ہے۔“
 ”خوب اور تم سے اسی طرح کے کام بھی لیتا ہے۔“
 ”کوئی پناہ لینے کی جگہ تلاش کرو۔ پیدائش کیپن طرف پھر کرنا۔“ لڑکی نے جملے کئے لجھ میں کہا۔ ”ورنہ ابھی یہاں آدمی ہی نظر آئیں گے۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ انہوں نے تمہارا چیچا چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس وقت تمہیں اس ویرانے سے باہر نہیں جانے دیں گے۔“
 ”جب تک مجھ میں آخری سانس باقی رہے گی، وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔“
 ”وقت بر بادنہ کرو... چلو۔“ لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھینٹے لگی۔ حید چلتا رہا۔ اسے لڑکی کی رفتار پر بھی حرمت ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ ان اونچے نیچے راستوں پر چلتے کی عادی ہو۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک چلتے رہے پھر ایک جگہ لڑکی رک گئی۔
 ”آؤ میں تمہیں ایک پناہ گاہ بتاؤں۔“
 پھر وہ ایک غار میں اترتے چلے گئے جسے چاروں طرف سے اُبھری ہوئی چٹانوں نے گھیر رکا تھا۔ لڑکی نے اپنے دینی بیک سے ایک چھوٹی سی تارچ کاکل لی تھی۔
 غار کیا یہ ایک نگ کسار استھا تھا جس میں وہ دونوں برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔ آگے پیچے چلتے ہوئے وہ ایک کشادہ سی جگہ پہنچ گئے۔ غار نے کافی پھیلا دا اختیار کر لیا تھا۔
 حید نے حرمت سے چاروں طرف دیکھا، ایسا معلوم ہوا تھا جیسے یہ غار پہلے ہی سے آباد رہا ہو۔ روزمرہ کے استعمال کی بہتری چیزیں یہاں نظر آئیں۔ ایک طرف بیال کا ایک بستہ بھی پڑا ہوا تھا۔
 ”لکیا ب اس غار میں بند کر کے مارنا ہے۔“

”لڑکی کچھ نہ ہوئی۔ اس نے تارچ بچھا کر دیا سلامی کھینچی اور ایک موی شمع روشن کر دی پھر ہنس کر ہوئی۔ ”ہاں اب تم اپنے دونوں ہاتھوں اپر اٹھا لو۔ تھوڑی دیر بعد میں ریو اور بھی نکال لوں گی۔“
 حید بیال کے بستر پر بیٹھ گیا۔
 ”یہ میری لا بھر بیری ہے۔“ لڑکی چاروں طرف دیکھتی ہوئی ہوئی۔
 ”خوب... مگر مجھے یہاں کتابیں تو کہیں بھی نظر آئیں۔“
 ”کتابیں.... کیا میں خود ہی ایک کتاب نہیں ہوں۔ دنیا میں اس سے بدھ کر کوئی علم نہیں ہے کہ آدمی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔“
 ”آہا... اسی بات۔“
 ”قطعی.... میں یہاں تھائی میں خود کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“
 ”اس کے بر عکس مجھے ہنگاموں کے علاوہ اور کہیں عقل نہیں آتی۔“
 ”میں تم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں محسوس کرتی، تم قانون کے نام پر خون بھارتے ہو اور وہ خود قانون کا خون بھارتے ہیں۔“
 ”کیا تم مجھے یہاں فلسفہ پڑھانے لائی ہو۔“
 ”اگر پڑھ سکو تو میں اپنے لئے باعث فخر سمجھوں گی۔“
 ”انہیں تمہاری اس لا بھر بیری کا علم ہے۔“
 ”نہیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں نے بیال اور بھی ایسے ہی کئی ٹھکانے بنا رکھے ہیں جن کا علم میرے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔“
 ”ان لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو تمہارے لئے مختنڈی آئیں بھرتا ہو۔“
 ”کئی ہیں.... لیکن وہ بابا سے بہت ڈرتے ہیں۔“
 ”یہ بابا کون بزرگوار ہیں۔“
 ”وہی جنہوں نے میری پروردش کی تھی۔ وہ بھی ان لوگوں سے بہت متفرг ہیں لیکن تم یہ سمجھنا کہ انہیں اس پیشے سے بھی نفرت ہے، وہ بہت پرانے اسکنگر ہیں۔ اگر یہ لوں کے وقوف کے، گراب انہیں نئے اسکنگروں سے بڑی نفرت ہو گئی ہے کیونکہ یہ اس فن سے نادا قافت ہیں۔“
 ”ہائیں.... کیا اسکنگ بھی فن ہے۔“

زیادہ سانپنگیک ہے۔ اُسے ذرہ برابر بھی محنت نہیں کرنی پڑتی لیکن کاروبار کا سارا فن اسے پہنچتا ہے اور وہ اس کا کچھ حصہ ان لوگوں کے سامنے اس طرح چینک دیتا ہے جیسے کہ توکراؤ لا جائے۔ ”
وہ خاموش ہو کر کلائی کی گھڑی دیکھنے لگی پھر بولی۔ ”دوبجے کرتی فریدی کا جہاز ایئرپورٹ پر پہنچ گا۔ دیکھوان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ”

”میں ان کا ایک حقیر ترین شاگرد ہوں بس اسی سے اندازہ کرو۔ ”

”تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے لئے زہر کی تجویز تھی۔ ”

”نہیں....!“ حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

”اسکیم یہ تھی کہ ایئرپورٹ سے مسافروں کو لے جانے والی گاڑیوں میں پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ نقص پیدا کر دیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ مسافروں کو ان کی درستگی کا انتظار کرنا ہی پڑتا ہے۔ ایسے موقع پر مسافروں کو کافی ضرور پیش کی جاتی ہے اور کافی کرتی کرتی پسندیدہ مشروب ہے۔ ... ہاں تو کافی میں زہر... کیا سمجھے۔ ”

”تم نے وہیں کیوں نہیں بتایا تھا۔“ حمید مضطربانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

”تو پھر کیا ارادہ ہے۔ میں ڈیزپکٹان صاحب۔“ لڑکی مسکرا کر بولی۔ ”تم یہ مت سمجھنا کہ مجھے تم لوگوں سے ہمدردی ہے۔ میں تو دراصل اس گروہ کو جاہ کرنا چاہتی ہوں۔ ”

”لیکن ہماری مدد کے بغیر تم کسی کامیاب نہ ہو سکو گی۔“ حمید نے کہا۔

”اُسی لئے تو میں نے اتنا برا خطرہ مول لیا ہے اگر انہیں میری اس حرکت کا علم ہو جائے تو شامک میں دوسرا لمحے میں سانس بھی نہ لے سکون۔ ”

”بہتر حال تمہاری کامیابی کا نحصار صرف کرتی فریدی کی زندگی پر مختصر ہے۔ ”

”تمہاری زندگی پر کیوں نہیں ہے... ڈیزپکٹن کی ماوس۔“ لڑکی نے فس کر پوچھا۔

”میں کھوپڑی کا استعمال بہت کم کرتا ہوں۔ ”

”تو کیا وہ کرتی کی کھوپڑی تھی جس نے برش غبارہ اڑایا تھا۔ ”

”نہیں وہ تو سو فیصدی میری بھی کھوپڑی تھی۔ ویسے کبھی کبھی چل بھی جاتی ہے۔ دیکھو مجھے باقیوں میں مت الجھاؤ۔ مجھے فور اواپس جانا چاہئے۔ ”

”اوہ! مجھے ذریبے کہ کہیں یہ تمہاری آخری رات نہ ہو۔ ”

”کیوں نہیں۔ فن کے کہتے ہیں۔ کسی کام کا سلیقہ ہی فن کہلاتا ہے۔ اب یہ کام سلیقے سے نہیں کیا جاتا اس لئے فن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ ”تمہارے بابا کی دانست میں اسکنگ کا فن کے کہتے ہیں۔“ ”وہ ہری زندگی۔“ لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”بندرگاہ کے لوگ بابا کو ایک غریب کشتی را سمجھتے تھے لیکن شہر میں ان کی تین تین کوٹھیاں تھیں اور وہ ایک معزز آدمی سمجھے جاتے تھے اور جب وہ کشتی رانی کرتے تھے تو ان کے جسم پر چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اکثر وہ چھ چھ ماہ انہیں چیزوں اور دال دلیاں نکال لے جاتے تھے خود ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات تو انہیں ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے وہ کچھ کوئی غریب ملاح ہیں۔ ان کی دانست میں یہ تھا اسکنگ کا فن کہ آدمی کی دنوں شخصیتوں میں سے کسی ایک کا بھی رازہ کھل سکے۔“ ”اچھا تو کیا اب بھی ان کی دار الحکومت میں تین کوٹھیاں ہیں۔“ ”نہیں زمانے کے انقلاب نے ان کے کس بل بھی نکال دیئے اب وہ قطعی گنمام شخصیت باقی رہ گئی ہے اب وہ صرف ایک غریب ملاح ہیں۔“ ”لیکن تم مجھے سب کچھ کیوں بتارہی ہو۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”کیا تمہیں اپنے بابا کی گرفتاری پر افسوس نہ ہو گا۔“ ”میں دراصل یہ چاہتی ہوں کہ وہ شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں۔ اس کیمنے آدمی کی ملازمت ترک کر دیں جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔“ ”کیا مطلب...!“ ”اب وہ ایک آدمی کے ملازم ہیں جس نے خود ہی انہیں تلاش کر کے ملازم رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے وہ قطعی آزاد تھا، یعنی یہ خود ہی کاروبار کرتے تھے اور فتح آپس میں برابر بانٹ لیتے تھے لیکن انگریزوں کے جاتے ہی ان کا کاروبار تباہ ہو گیا اور پھر مالی اعتبار سے اتنے کمزور ہو گئے کہ انہیں ایک بہت بڑے سملک کی ملازمت کرنی پڑی لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔“ اوہ تو تمہارے بابا کے تین وہ فنی اعتبار سے کیسے ہیں۔ ”انہوں نے اس کے متعلق کبھی کوئی خیال نہیں ظاہر کیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ بہت

آس پاس موجود نہ ہو۔ خیر تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم نیلم کو یاد رکھو گے۔“



بلی کی جیجے نے بہتہر دن کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ مگر اب تو وہ بلی کی لاش تھی۔ لوگ فریدی سے اس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور فریدی جلد از جلد نشاط ہو ٹھی پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ دیش بھی اب وہیں موجود تھا جس نے کافی میر پر لگائی تھی۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرات نظر آئے گے تھے لیکن فریدی نے اس کی طرف دوبارہ نہیں دیکھا۔

اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ بلی کیسے مری تھی۔
پھر وہ انھیں رہا تھا کہ حمید بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر بلی ہی پر پڑی جس کے قریب دو دھکا بر تھا۔ ابھی تک فرش ہی پر موجود تھا۔



”ویری فائن...!“ وہ بیساختہ نہ پڑا۔
فریدی نے آنکھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی تاکید کی اور اس طرح لہک کر اس سے ملا جیسے اس کا ہی انظار رہا ہو۔

حقیقت تھی تھی کہ ابھی سارے مسافر ایئر پورٹ ہی پر موجود تھے۔ کونکہ اس وقت سروس میں صرف دو گاڑیاں تھیں اور دونوں ہی میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی اور یہ وہی وقت تھا جب میخنث کی طرف سے مسافروں کا غصہ کم کرنے کے لئے کافی تقسیم کی جا رہی تھی۔

”چلتے...!“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ مجھے علم ہے کہ گاڑیاں خراب ہو گئی ہیں، میں آپ کو موڑ سائکل پر نشاط لے چلوں گا اور بیک انہیں دے دیجئے۔

حمدی نے سادہ لباس والے کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اُسے اپنا سفری بیک دے کر انھیں گیا۔ لیکن وہ دیش کو کافی کی قیمت ادا کرنا نہیں بھولا تھا۔

حمدی موڑ سائکل چلا رہا تھا اور فریدی پچھلی سیٹ پر تھا۔

”مجھے افسوس ہے کہ زہر والی اسکیم کا حال مجھے دیرے معلوم ہوں۔“ حمید بولا۔ ”میرے خدا اگر وہ سور کے پیچے کا سیاب ہو گئے ہوتے تو...!“

”ایک نالائق آدمی سے تمہارا اچھا چھوٹ جاتا۔“ فریدی نے جواب دیا۔
”بیکار بورنے کجھے۔ میرا دل ہی جاتا ہے کہ اس سازش کا علم ہوتے ہی مجھ پر کیا گذری تھی۔

”ہر رات میری آخری رات ہوتی ہے لیکن دوسرے ہی دن پھر کسی نئی لڑکی سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ میں تواب نکل آگیا ہوں کسی ایسی جگہ جانا چاہتا ہوں جہاں لڑکیاں نہ ہوں۔“

”سب سے قریب کی جگہ قبر ہے کپتان صاحب، دنیا کی سڑی سے سڑی لڑکی بھی تمہاری قبر میں داخل ہونا پسند نہ کرے گی۔“

”حالانکہ قبر کا راستہ بھی مجھے کوئی لڑکی ہی دکھائے گی۔ اے لڑکی خدا کے لئے کوئی تدبیر کرو کہ میں جہاڑ کے لینڈ کرنے سے پہلے ہی ایئر پورٹ میخنث جاؤں اچھا تم اتنا ہی بتا دو کہ شہر بیباں سے کتنی دور ہو گا۔“

”صرف دس میل...!“

”میرے خدا پیدل چل کر تصحیح تک بھی نہ میخنث سکوں گا۔“

”تمہرے دل بھجے سوچنے دو۔“ لڑکی کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ ”میں اس دیرانے میں تمہارے لیے بھی کار مہیا کر سکتی ہوں اور موڑ سائکل بھی، لیکن میں تمہیں موت کے منہ میں نہیں جھوٹکنا چاہتی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”میرا خیال ہے کہ اب انہوں نے منظم طور پر تمہاری تلاش شروع کر دی ہو گی۔“

”کرتل کی زندگی میری زندگی سے زیادہ قیمتی ہے تم اس کی پرواہ مت کرو۔“

لڑکی کچھ دیر کے لئے غار سے چل گئی۔ حمید اس کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے واپس آگر بتایا کہ ابھی تک چاروں طرف ساتا ہی محسوس ہو رہا ہے دوسرا بار وہ حمید کو بھی غار سے نکال لے گئی۔ پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد ایک غار میں داخل ہوئے اور زیباں میخنث کر حمید کی آنکھیں کھل گئیں، شاید یہ اسکلدوں کا اسلو خانہ تھا۔ یہاں اُسے گیارہ عدد موڑ سائکلیں بھی نظر آئیں۔

”میں تمہارا شکر گزار ہوں اور تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ تمہارا نام کیا ہے۔“ حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

”میں... میرا نام... نیلم ہے بس اب چپ چاپ کھکھکو، چلو میں تمہیں وہ راستہ بھی دکھادوں جس سے تم بہ آسانی سڑک پر میخنث سکو گے۔ لیکن خدار اسڑک پر پہنچ بغیر موڑ سائکل اس لاثر نہ کرنا درجنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ ان کا کوئی آدمی

صرف اس لئے آیا ہوں کہ مجھے تم پر حملوں کی اطلاع می تھی ورنہ یہ کیس قاب ہمارے ہاتھ سے لیا جا چکا ہے۔“

”کیا مطلب....!“

”کسی اور کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ تم نے غلطی سے ان اسمگلوں کو پکڑ لیا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”کیا مطلب.....!“

”کیا مطلب کا بھوت سوار ہو گیا ہے تم پر اچھا سو جاؤ۔ صبح بتاؤں گا۔“
”نہیں میں جاگ رہا ہوں، بات ہی کچھ میں نہیں آتی۔“

”ان اسمگلوں کی پیشتم پر کوئی بہت بڑا آدمی ہے جس نے ہمارے ہجے کو بھی ششیٰ کے صندوق میں بند کر دیا ہے۔ صاف صاف یہ نہیں کہا گیا کہ اس کیس کا فائل بند کر دیا جائے گا بلکہ ہماری بھگہ دوسرا کام کریں گے۔ لہذا اب اس میں مخفزنا مارو۔“

”تو کیا آپ ذاتی طور پر بھی باز آجائیں گے۔“
”یہ حالات پر منحصر ہے۔“

”تو گویا کل ہماری واپسی ہو گی۔“

”نہیں.... میں ابھی یہاں قیام کروں گا۔ ہر میں کا کیس میرے ہی پاس ہے اور اس کے آج رات کے اعلان سے کچھ متریخ ہوتا ہے کہ وہ ملکم گذھ ہی میں کہیں ہے۔ میں نے یہ اعلان طیارے میں ساتھا کل وہ کوئی چیز پیش کرے گا۔ گری خیر ہاں، وہ میں ضرور سنوں گا جو تم پر گزرا ہے۔“

فہریدی نے اپنی داستان شروع کر دی اور جب سب کچھ کہہ چکا تو فریدی نے کہا۔ ”بہت ممکن ہے کہ اگلی چوکی کے حنفیتی دستے کے کچھ لوگ بھی ان سے مل گئے ہوں اور بزر غبارے ان ہی کی طرف سے چھوٹے جلتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ پورے دستے کو ملانا آسان کام نہیں ہے اور پورا دستہ ہر وقت ڈیوٹی پر رہتا ہے۔ کسی ڈیوٹی کے سپاہیوں کو ملایا ہو گا۔ لہذا میدان اسی وقت صاف ہوتا ہو گا جب ان کی ڈیوٹی ہو گی، مگر تم نے بھی سرخ غبارے کے امکانات پر غور کر کے کمال ہی کر دیا۔

”بس زہر کا نام سن کر دم نکل گیا تھا۔ مگر کرنل فریدی کسی آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک قوت ہے۔“
”قوت مؤنث ہے حید صاحب اس کی آپ خود ہی نسبت دیجئے۔ مگر آخر آج کل آپ کن آسماں پر بیسے خد متغیر ہوں۔“

”ارے.... میں بیچارا....!“

”نہیں میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں تم روز بروز جبرت اگیز ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں میری آدمی کی بھی خبر تھی اور پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے زہر دیا جانے والا ہے کچھ تو تباہ۔“
”مؤنث....!“ حید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا لیکن موڑ سائکل کے شور نے فریدی تک وہ ٹھنڈی سانس نہ پہنچنے دی۔

”ادھ تو کیا تم اس گروہ کی کسی عورت پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔“

”نہیں.... بلکہ ایک عورت مجھ پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے، اب چلے اطمینان سے بتاؤں گا۔ میں نے واقعی بڑے لبے لبے تیر مارے ہیں۔ یہ موڑ باجیک بھی انہیں اسمگلوں کی ہے۔“

نشاط پہنچ کر حید نے اپنے آدمیوں کو دہیں موجود پایا جنمیں اپنا تعاقب کرنے کو کہا تھا۔ وہ ان پر گر جنے برنسے لگا۔

”صاحب سنتے بھی تو سکی۔“ ایک نے کہا۔

”سناؤ....!“ وہ آنکھیں نکال کر دھاڑا۔

”ہم نے بڑی کامیابی سے آپ کا تعاقب کیا تھا لیکن ہمارے درمیان جو تیری کار حاصل تھی اس نے ہمیں بالکل بیکار کر دیا۔ ایک جگہ سڑک، بہت پتلی تھی اور دوسری طرف ایک بہت گھری کھائی کا سلسہ پھیلا ہوا تھا۔ میں وہیں ہم مات کھا گئے۔ وہ کم بخت وہاں اسی طرح کار روک کر غائب ہو گئے کہ راستہ ہی مسدود ہو گیا۔ واقعی جناب وہ عجیب چوپیش تھی۔ کافی دیر تک عقل لڑائے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ کے کار کو کھٹ میں گرائے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔“

”پہلے ہی کیوں نہیں پہنچے اس نتیجے پر۔“ حید غرایا۔

”غم کرو۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

کچھ دیر بعد جب وہ لوگ چلے گئے اور حید کو جما ہیاں آنے لگیں تو فریدی نے کہا۔ ”میں

فولادی

رات بڑی خونگوار تھی، شیکم گلڈھ کی شہری آبادی میں خونگوار راتیں بڑی رونقیں لائی تھیں، وہ بھی حسب معمول ویسی ہی ایک رات تھی، ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے، اس لئے سبھی سر زکیں بھری پہنچی نظر آرہی تھیں، ان میں مشن روڈ ایسی ہے جس پر گیدار بجے سکتیں تھے کی جگہ نہیں رہتی اس سر زک پر ٹھیک سوا آٹھ بجے بھگدڑج گئی۔

ایک پر ایک گرنے لگا۔ نہ جانے کتنے بچے کلے گئے، کتنی عورتوں کے چوٹیں آئیں۔ شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اچانک ایک آواز اس شور سے ابھری اور اس کے آگے اس شور کی حیثیت مکھیوں کی بھجنہاٹ سے زیادہ نہ رہ گئی۔ کوئی اس طرح بولا تھا جیسے مایک میں بولا ہو۔

”ٹھہریے۔ ٹھہریے میں آپ کا دوست ہوں دشمن نہیں۔ میں آپ کی خدمت کروں گا۔“
 ”ٹھہر جائیے۔ خدا کے لئے اس طرح نہ دوڑیے ورنہ حداثات ہوں گے۔“
 ”ٹھہر جائیے۔“

لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔ تھوڑی دیر بعد مشن روڈ سناں ہو گئی صرف مکاتب کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں سر ہی سر نظر آرہے تھے۔
 اب چوراہے کے ٹرینک کا نشیل کا کہیں نہ پتا تھا اور نہ ڈیوٹی کا نشیل کا۔ جدھر جس کے سینگ سائے تھے بھاگ لکھا تھا۔

پڑوں پپ کے قریب لوہے کا ایک انسان نماڑھاچے کھڑا ہوا تھا، اسی ڈھانچے سے پھر آواز آئی۔ ”بڑے افسوس کی بات ہے، آپ آخر مجھ سے ڈرتے کیوں ہیں، میں آپ کا خادم فولادی۔ میرا خالق ڈاکٹر ہر مین ہے، میں آپ کی خدمت کروں گا۔۔۔ اوہ۔۔۔ نیز چوراہا بھی دیران پڑا ہے کتنے افسوس کی بات ہے۔“

لوہے کا ڈھانچے بالکل آدمیوں کے انداز میں چلا ہوا چوراہے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے سر سے بہت ہی تیز قسم کی روشنی نکل کر چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اس روشنی کے سامنے سر زک کے ستونوں کی روشنیاں بالکل ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے کسی نے دھوپ میں چراغ روکھ دیا ہو۔

چوراہے سے سکن نہ ملنے کی وجہ سے چاروں طرف ٹرینک رک گئی تھی۔ ڈھانچے سے سکن کے سوچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا لیا۔ ایک طرف کا بیز بلب روشن ہو گیا اور کاریں گذرنے لگیں، شاید ڈرائیور کرنے والوں کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ لیکن پھر یک بیک سرخ بلب کی سوت والی گاڑیوں سے لوگوں نے کو دکو دکر بھاگنا شروع کر دیا۔

”ارے.... ارے....!“ ڈھانچے سے آواز آئی۔ ”بڑے افسوس کی بات ہے آدمی اور لوہے کے ڈھانچے سے اس قدر خاکف.... ٹھہریے.... خدا کے لئے ٹھہریے۔ ڈرادیکھے بھی تو کہ فولادی کس طرح ٹرینک کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہر مین آپ کا دشمن نہیں ہے وہ آپ کے فائدے کے لئے بہت کچھ کرنے کا رادا رکھتا ہے۔“
 لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔

اس نے بھر کہا۔ ”میں کبھا تھا کہ آپ لوگ مجھ سے تعاون کریں گے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے، اچھا میں جارہا ہوں۔“

وہ پھر سر زک پر اتر آیا اور اپنے دو فوٹ ہاتھ اوپر اٹھا۔ پھر خود بھی بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا اور چند ہی سینکڑ میں اس کے سر سے نکلنے والی روشنی تارا نظر آنے لگی۔
 کرٹل فریدی اور کیپٹن حیدر یڈیو پر خبریں سن رہے تھے۔ دعطا خبریں سنانے والے کی آواز کتوں اور بلیوں کی آوازوں میں تبدیل ہو گئی۔

فریدی نے سگار جلانے کا رادا ترک کر کے سگار لا ٹیٹر میز پر رکھ دیا، وہ دو فوٹ نشاط کے ڈائینگ ہال میں تھے، رات کا کھانا دنوں نے ساتھ ہی کھایا تھا اور اس کے بعد سے اب تک یہیں بیٹھ رہے تھے۔

ریڈیو سے آواز آئی۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میں پھر مخل ہو رہا ہوں۔ میں ڈاکٹر ہر مین آپ سے استند گا کرتا ہوں کہ فولادی سے تعاون کیجئے وہ آپ کو کوئی تقاضا نہیں پہنچائے گا، وہ آپ کا خادم ہے آپ صرف اسے ایک ماہ کا موقع دیجیے۔ وہ شیکم گلڈھ کو ایک مثالی شہر بنادے گا۔ وہ آپ کو بھجوڑ کر دے گا کہ آپ قانون کا احترام کریں، اور اب میں آپ کے برادر کا سینگ سٹم پر اثر انداز نہیں ہوتا چاہتا۔ آپ آئندہ اپنے ریڈیو یا میکرو فون پر میری آواز نہیں سنیں گے، جو

”میں قطعی مشورہ نہ دوں گا۔ جب کیسی ہی ہم سے لیا جا چکا ہے تو ہم کیوں جھک ماریں۔“
”پہلی بار آپ کی زبان سے ایسا جملہ سن رہا ہوں مجھے حرمت ہے۔“

”ختم کرو۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں اب ہر میں کے علاوہ اور کسی کے متعلق سوچنا نہیں چاہتا۔ یہ کیس دلچسپ بھی ہو گا اور وقت طلب بھی۔ اسمگلوں کی پشت پر جو کوئی بھی اسے میں ہر وقت پکڑ سکتا ہوں۔“
”کون ہے۔“

”یہ نہیں بتاؤں گا وہ وقت دور نہیں ہے جب اس کے متعلق میرا فائیل مکمل ہو جائے گا۔ یا تو وہ رہے گایا میں۔“

”آپ نے کہا تھا کہ وہ کوئی برا آدمی ہے۔“

”یقیناً.... وہ ایک ذی اثر آدمی ہے۔ ذی اثر نہ ہوتا تو کیسی ہمارے ہاتھ سے کیوں لیا جاتا۔ پر یا تم پر اتنے دلیر انہ اور منظم حلقے کیوں ہوتے۔ اگر سر کاری طور پر ہماری جڑیں زیادہ گھرائی ہانہ ہوتیں تو شاید ہم مجھے ہی سے الگ کر دیئے جاتے۔“

”اس حد تک...!“

”یقیناً....!“

”خدا کے لئے مجھے بتائیے وہ کون ہے۔“
”کوئی لڑکی نہیں ہے۔“ فریدی نے خشک بجھ میں کہا۔

”مجھے اطمینان ہے کہ وہ کوئی لڑکی نہیں ہے ورنہ آپ اس کا تذکرہ اتنی شدود میں نہ تھا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔



نیلم اپنے اس غار سے باہر آئی جسے وہ لا سپریوی کے نام سے موسوم کرتی تھی۔ باہر چنانوں آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ وہ سیاہ چٹلوں، سیاہ جیکٹ اور سفید ستانوں میں تھی۔ غار نے نکل کر اس غار کی طرف چلنے لگی جہاں سے اس نے پچھلی رات کیپٹن حید کے لئے موڑ سا یکل نکالی تھی۔

حضرات مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں صرف وہی میری آواز سن سکیں گے، گندھک کا تیزاب اور لال کسیں کا محلول تیار کیجئے۔ ایک اٹھیٹھو سکوپ یعنی وہ آلہ لے لیجئے جس سے معالج سینہ شد کرتے ہیں، اب اس کا نچلا حصہ جو سینے پر رکھا جاتا ہے تیار شدہ محلول میں ڈال دیجئے اور اوپری حصہ کافنوں میں لگائے، اس طرح آپ روزانہ ساٹھ سے سات بجے شام سے آٹھ بجے تک میری آواز سن سکیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ ملک کانوجوان طبقہ مجھ سے محبت کرتا ہے میں آپ کے اس اعتماد اور محبت کو تھیس تھیں پہنچاؤں گا۔ میں اس ملک کی ترقی کا خوبیاں ہوں، آپ مجھے روز بروز اپنی خدمت میں اور زیادہ مصروف پائیں گے۔“

”میں آپ کا خادم ہر میں۔“

آواز بند ہو گئی اور ایک بار پھر وہی کتوں اور بلیوں والا شور سنائی دیا اس کے بعد پھر وہی ریڈیو اسٹیشن کی موسيقی تھی۔

فریدی نے کرسی کی پشت سے بٹک کر سکاہ سلکیا اسکی آنکھوں میں فکر کے بادل تیرتے نظر آئے۔

”کہیں... یہ سابق نازی یہاں کسی انقلاب کی تیاری تو نہیں کر رہا ہے۔“ حید نے آہستہ سے کہا۔

”پتہ نہیں۔“ فریدی نے ایک طویل سانس لی، چند لمحے خاموشی رہی پھر بولا۔ ”بہر حال تو یہ خبر صحیح تھی کہ مشن روڈ کے چورا ہے پر کسی لوہے کی پتلے نے ہنگامہ برپا کیا تھا، نام بھی کتنا معنی نہیں ہے فولادی... یعنی فولاد کے آدمی کا مخفف۔“

”مجھے تو یہ غپتی معلوم ہوتی ہے۔“ حید بڑا بڑا۔ ”لوہے کے محرك پتلے پہلے بھی دیکھے ہیں، لیکن کسی ایسے پتلے کے متعلق آج تک نہیں سا جو بولتا بھی رہا ہو۔ کمال ہے، اس نے ٹریک کشڑوں کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ کیا کو اس ہے۔“

فریدی اس پر کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حید نے کہا۔ ”تو آپ اسمگنگ والے کیس سے دستبردار ہو چکے ہیں۔“

”فی الحال۔“

”میں تو فی الحال کے لئے بھی نہیں ہوں۔ مجھے ان لوگوں سے کچھ چڑھتی ہو گئی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس غار پر چھاپ ماروں جہاں سے ایک موڑ سا یکل ہاتھ گئی تھی۔“

او... اور قریب آؤ... مجھے اچھی طرح دیکھ لو تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ میں کوئی آہن پوش آدمی ہوں۔ ڈرو نہیں... آؤ... قریب آؤ۔

”میں ذر کے بچے نہیں جانتی۔“ نیلم نے ہنس کر کہا۔
”اچھا تو آؤ... مجھے دیکھو... یہ شرف صرف تمہیں بخشنا جا رہا ہے کہ تم مجھے قریب سے دیکھو۔ شاہزاد تھا بارے علاوه اور کوئی اتنا خوش قسمت نہ ثابت ہو سکے۔“

”مجھے کیوں یہ شرف بخشنا جا رہا ہے؟“

”کیونکہ تم مجھ سے خائف نہیں ہو۔ ورنہ میں تو ابھی ایک دیران شہر دیکھ کر آ رہا ہوں، لکھن میں خیز بات ہے لوگ مجھے دیکھ کر اتنے بد حواس ہوئے کہ سر پیبر کا ہوش نہ رہا۔ حالانکہ میں ایک آدمی کی ہی تخلیق ہوں۔“

نیلم نے پتلون کی جیسوں سے دونوں ہاتھ نکالے اور اس کی طرف بڑھ گئی۔ ”بہت خوب“ فولادی نے کہا۔ ”تم چیخ ایک نذر لڑکی ہو۔“

وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا اور نیلم ہر ہر زاویے سے اس کا جائزہ لیتی رہی، اندر ہر ری رات سکوت کے اتحاد سمندر میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔

”اوہ....!“ وہ کچھ دیر بعد ایک طویل سانپ لے کر بولی۔ ”چیخ آدمی نہیں ہو۔“

”میں فولادی ہوں۔“

”فولادی کے کہتے ہیں۔“

”مجھے....!“ فولادی نے ہلکے سے تھیہ کے ساتھ کہا۔ پھر بولا۔ ”آج سے ہم تم گھرے دوست ہیں کیوں؟“

”اوہ.... تم دوستی بھی کر سکتے ہو۔“

”میں.... ہاں.... میں دوستی بھی کر سکتا ہوں، تمہارے متعلق سوچ بھی سکتا ہوں۔ ارے تم اس طرح مکرا کیوں رہی ہو۔“

”فولادی.... تم نے یقیناً شہر میں ہر اس پھیلایا ہوگا؟ آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔ تم کس لئے بٹائے گئے ہو۔ ہر میں تم سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔“

”فی الحال وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ کتنا عظیم سائنسدان ہے۔“

پچھے دور چلنے کے بعد اچانک وہ ایک بہت ہی تیز قسم کی روشنی میں نہا گئی۔ اس کے چاروں طرف پچھے اسی روشنی پھیلی ہوئی تھی جیسے سورج زمین پر اتر آیا ہو۔ بیساختہ اس نے اوپر کی طرف دیکھا اور اس کے منہ سے بلکل سی جیخ نکل گئی۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک سیاہ قام عفریت جس کے سر سے کرنیں سی پھوٹ رہی تھیں اور کے سامنے کھڑا تھا۔ نیلم کو سکتہ ہو گیا۔

”ڈرو نہیں لڑکی میں ڈاکٹر ہر میں کا فولادی ہوں، وہی پیش کش جس کا وعدہ اس نے پھیلا رات کو کیا تھا۔ مگر تم اتنی رات گئے اس ویرانے میں کیا کر رہی ہو۔“

نیلم پکھنہ بولی۔ وہ بار بار اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ رہی تھی۔ لوہے کا ایک انداز حاصل جس کے سر سے چاروں طرف تیز قسم کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ سینے پر چار چھوٹے چھوٹے بلب کبھی روشن ہو جاتے تھے اور کبھی بوجاتے تھے۔ اس نے محوس کیا کہ ان کے جلتے اور بجھنے کا دفنه غیر متعین نہیں ہوتا بلکہ وہ دو قسم کی آوازیں جو یکے بعد دیگرے مسلسل پیدا ہوتی ہیں انہیں کے ساتھ ہی وہ جلتے اور بجھتے ہیں۔

”ژن.... ژن.... ژن.... ژن....“ ان آوازوں کے ساتھ ایک مسلسل آواز بھی تھی۔ اسی آواز جو کسی پڑو میکس لیپ سے خارج ہوتی رہتی ہے۔“

”تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا لڑکی۔“ فولادی نے کہا۔
”دفعہ نیم قبھہ مار کر نہ پڑی اور ہنس تھی رہی۔“

”لڑکی میں بے حد خوش ہوں کہ تم مجھ سے خوفزدہ نہیں ہو۔“ فولادی پھر بولا۔
”کرٹل فریدی.... میں نے تمہیں پہچان لیا۔“ نیلم نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ”تم بہت عظیم ہو۔ تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ خدا کی پناہ۔ کل تم کس طرح چیخ گئے تھے کیا تم پر اسرار و قتوں کے مالک نہیں ہو۔ تم آسمان سے بھی اتر سکتے ہو۔ میں نے تمہاری حیرت انگیز داستانیں سنی ہیں۔ مدد تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں کر غل، براہو کرم یہ لوہے کا نقاب اپنے چہرے سے الگ کر دو۔“

اس کی آواز بہت مدھم تھی، وہ کہتی رہی۔ ”میا کیشپن نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں ان بوگوں سے کتنی نفرت کرتی ہوں.... کیا میں نے ہی.... یہ نہیں بتایا تھا۔“

”لڑکی.... لڑکی....!“ فولادی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”شاہید تم کسی غلط فہمی میں بتلا ہو...“

”پھر...!“

”پھر کچھ بھی نہیں۔ پھر وہ صرف خدمت کرتا چاہتا ہے۔“

”تم کس طرح خدمت کر سکو گے۔“

”مثلاً... اگر کوئی بھولی بھائی لا کی راستہ بھٹک گئی ہے اور اندر ہیرے میں ٹھوکریں کھاتی پڑ رہی ہے تو میں اسے اس کے گھر پہنچا دوں گا۔“

”تب تو تم بہت اچھے ہو۔ کیا تم کل صبح میرے ساتھ ناشتہ کر سکو گے۔ یہ رہا میراوزینگ کارڈ۔“ اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر فولادی کی طرف بڑھادیا۔

”شکریہ۔“ اس نے نیلم کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔ ”مگر مجھے افسوس ہے کہ میں آدمیوں کی طرح ناشتہ نہیں کر سکتا یونکہ معدہ نہیں رکھتا۔“

”اس کے علاوہ اور سب کچھ آدمیوں کی طرح کر سکتے ہو۔“

”یقیناً...!“

”نہیں! تم میراوزینگ کارڈ بھی نہ پڑھ سکو گے۔“

”اوہ...!“ اس نے ہلکے سے قلبے کے ساتھ کہا۔ ”نیلم... تیرہ ماں روڈ، نیلم گذھ۔“ ”مکال ہے...!“ نیلم سر بلا کر بولی۔ ”واقعی ڈاکٹر ہر میں عظیم ترین سائنسدان ہے۔ لیکن فولادی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ حکومت بھی تھہارا وجود برداشت کر لے۔“

”مجھ سے غیر قانونی حرکت نہیں سرزد ہوگی۔“

”میرا خیال ہے کہ حکومت یہاں ڈاکٹر ہر میں کی موجودگی ہی نہیں پسند کرتی۔“

”ہاں تمہارا خیال درست ہے۔“

”تب پھر مجھے خدشہ ہے کہ تم توڑ پھوڑ ڈالے جاؤ گے۔“

فولادی اس انداز میں نہایتیے اسے کسی نہیں سے بچے کی بات پر بیساخت بھی آگئی ہو۔

”میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”اگر تم پر گولے بر سارے جائیں۔“

”مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر ہی دو پلٹ جائیں گے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”سمجھنا چاہتی ہو۔“

”یقیناً... میں ہر نئی چیز کو سمجھنا چاہتی ہوں۔“

”اچھا تو ایک پھر اٹھا کر میری طرف پہنچوں لیکن اُسے اتنی اوپھائی پر پھینکنا کہ چھینکنے کے بعد زمیں پر بیٹھ جاؤ، تو اس کی واپسی چھینیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔“

”کیا میں کچھ گیا بیاہی کروں۔“

”ہاں بھی... میں اجازت دیتا ہوں۔“

نیلم نے جھک کر ایک بڑا سا پھر اٹھایا۔

”ٹھہر و... یوں نہیں۔ مجھ سے کم از کم دس گز دور ہٹ جاؤ، ورنہ پھر کی واپسی سے پہلے بیٹھ نہ سکو گی، بلکہ میرا خیال ہے کہ بیٹھ کر پھینکو، جتنی اوپھائی پر وہ مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر آئے گا اتنی ہی اوپھائی سے اس کی واپسی بھی ہو گی۔“

نیلم پیچھے ہٹی اور یک بیک فولادی آگ کا محسہ بن گیا بلکہ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی زمین دوڑ اسٹوکی لپٹیں بلند ہو گئی ہوں جتنا فولادی کا قدم تھا۔

نیلم نے پوری قوت سے وہ پھر اس پر کھنچا بارا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فولادی کے قول کی تقدیق ہو گئی، پھر اس سے تین فٹ کے فاصلے پر ہی پلٹ کر دوڑ جا گر اور یہ حقیقت تھی کہ اگر وہ بیٹھی ہوئی نہ ہوتی تو وہ پلٹا ہوا پھر خود اسی کا سر پاٹ پاٹ کر دیتا۔

فولادی پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

”تم نے دیکھا نیلم....!“ اس نے ہنس کر کہا۔

”ہاں.... واقعی.... تم۔“

”یہ نیکنزوں توپوں کے دہانے بھی اگر مجھ سے پر کھول دیے جائیں تب بھی میرا کچھ نہیں بگزے گا۔ میرا کام مکمل خدمت خلائق ہے۔ لیکن مجھ میں تخریبی قوتیں بھی موجود ہیں۔“

”فولادی اگر کبھی تم غلط راستوں پر نکل گئے تو کیا ہو گا۔“

”بڑی تباہی چلیے گی۔ لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کبھی میرے قدم غلط راستوں کی طرف بھی اٹھیں گے۔ اگر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کی گئی تو میں صرف اپنادفاع کروں گا۔ جوابی کارروائی مجھ سے نہیں ہو سکے گی۔ مگر تم یہاں اس دیرانے میں اتنی رات گئے نظر

آرہی ہو۔ ”

”میں مجھے دیرانے بہت پسند ہیں۔ آج ہی ادھر نکل آئی تھی۔ اب واپس جا رہی ہوں۔“

”اچھا.... میں کسی دن تمہارے گھر آؤں گا۔ شب تھی۔“

”پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضائیں بلند ہو گیا۔“

وہ بوڑھا

نیلم جیسے ہی اس عمارت میں داخل ہوئی نہ جانے کیوں اس کے روئے کھڑے ہو گئے۔ اسے خود بھی اس پر حیرت ہوئی کیونکہ وہ اسی عمارت میں رہتی تھی۔ یہ عمارت دراصل اسمگروں کی ان کوٹھیوں میں سے ایک تھی جن میں اسمگل کیا ہوا یا کیا جانے والا مال رکھا جاتا تھا، لیکن پاس پڑوں والے بھی سمجھتے تھے کہ نیلم کوئی رسمی زندگی ہے اور وہ اتنی بڑی کوٹھی میں نہجا رہتی ہے عام آدمی کیا سمجھ پاتے کہ وہاں نظر آئی والی نوکروں کی فون کا ہر آدمی اگر کوئی برا نہیں تو معمولی ہی قسم کا سماپ ضرور ہے۔

نیلم ان ملازوں کے درمیان شہزادیوں کی سی شان سے رہتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ ان خانزادوں میں سے اکثر اپنا لینے کے خواب بھی دیکھتے رہے ہوں۔

وہ سب خطرناک آدمی تھے۔ جب مکین صورت خانہ زاد اسمگلنگ کی کسی مہم پر روانہ ہوتے تو ان میں سے ہر ایک بھوکا بھیڑا نظر آتا تھا، اکثر وہ ایسے موقع پر آپس ہی میں لڑ جاتے اور دوسరے دن کہیں نہ کہیں ایک آدھ لاش ضرور ملتی۔ وہ ایسے ہی خطرناک اور وحشی تھے۔

لیکن نیلم ان سے ذرہ برادر بھی خائف نہیں تھی وہ ان پر اسی طرح حکم چلاتی تھی جیسے وہ بچ پھی اس کے غلام ہوں۔ یہ سب کچھ وہ اسی بوزہ کی تقویت پر کرتی تھی جس کا تذکرہ اس نے سینپن حیدر سے بھی کیا تھا۔ یہ بوزہا بھی اکثر انہیں ملازوں میں بھیڑ میں نظر آتا اور پڑوں اسے بھی کوئی نوکر ہی تصور کرتے۔ نیلم نے اسے کبھی اپنے لباس میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ دوسروں پر اپنی برتری ضرور قائم رکھتا تھا۔ اس کے ساتھی اس سے منفرد بھی رہتے۔ نیلم نے یہی محوس کیا تھا لیکن اس نے ابھی تک کسی کو بھی کھلم کھلانہ فرთ کا اظہار کرتے نہیں دیکھا تھا۔

وہ رہداری سے گذر کر بڑے کمرے میں داخل ہوئی لیکن یہاں اندر ہیرا تھا اور اسی اندر ہیرے نے اس کے روئے کھڑے کر دیے تھے۔

وہ اس کرنے میں روشنی کے بغیر آگے بڑھ گئی۔ دوسری رہداری بھی تاریک ہی تھی۔

یہ عمارت اس وقت بالکل خالی ہی ہے اگر ایسا تھا تو یہ بات اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھی کیونکہ اس سے پہلے بھی عمارت خالی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اگر عمارت خالی ہی تھی تو صدر دروازہ کھلا کیوں رہنے دیا گیا تھا۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔ آخر ایک کھڑکی میں اسے روشنی نظر آئی۔

اب وہ بخوبی کے بل چلنے لگی تھی کیونکہ حالات معمول کے مطابق نہیں تھے۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی چھوٹکہ اس کی پشت پر اندر ہیرا تھا۔ اس نے وہ کھڑکی کے قریب رہ کر بھی اس کرنے کا جائزہ لے سکتی تھی، وہ سوچنے لگی کیا یہ کوئی اسکی پر ایسویٹ مینٹ ہے جس میں اس کی شمولیت غیر ضروری تھی۔ اس نے دیکھا کہ ان لوگوں میں وہ بوڑھا بھی موجود ہے جسے وہ بابا کہتی تھی! اسے ان لوگوں کے علاوہ جو اس عمارت میں رہتے تھے کچھ نئے پھرے بھی نظر آئے۔ بوڑھا غصے میں بھرا ہوا معلوم ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور نیچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ دفتاروں کو بھیلی آواز میں بولا۔ ”تم لوگ خود تھی نالائق ہو... نیلم کو لازام نہ دو۔“

”تم حد سے بڑھ جاتے ہو، بڑے میاں۔“ ایک سیکھ نوجوان نے غصیل آواز میں کہا۔ ”کیا تم ہم پر حاکم ہو۔ اپنے الفاظ واپس لو، ورنہ میں آج تم سے نپٹتی لوں گا۔“

بوڑھا اسے قہر آلوں نظریوں سے گھورنے لگا لیکن کچھ نہ بولا۔ ادھر نیلم کا ہاتھ پتلون کی جیب میں ریک گیا اور اس میں پڑے ہوئے اعشار یہ دوپائچ کے سپول پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ اس نے آج سے پہلے کبھی بوزہ کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

”میں اپنے الفاظ واپس نہیں لوں گا۔“ بوزہ اٹھتا ہوا بولا اور پھر اس نوجوان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ”خصوصیت سے تم بڑے نالائق ہو گدھے ہو۔“

نوجوان نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور کمرے کے وسط میں پہنچ گیا۔ بوزہ اجہاں تھا وہیں کھڑا رہ۔

”میں تمہیں اس بد تیزی کی سزا ضرور دوں گا۔“ وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ نیلم کی عقل رخصت ہو گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان میں سے کوئی بوزہ سے

اس طرح پیش آئے گا کیونکہ وہ ان پر بوڑھے کی برتری محسوس کرنے کی عادی ہو چکی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر ٹھوکر ماری اور دونوں چھت کھل گئے۔ اب اس کا ریو اور اس کے دامنے ہاتھ میں تھا اور اس کی نالی اس گستاخ نوجوان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

”مہبہ و گندے کیڑے.....!“ وہ غرائی۔ ”تم میں اتنی جرأت کہ تم بابا کی شان میں گستاخ کر سکو۔ پیچھے ہٹو، ورنہ گولی مار دوں گی۔“

کمرے کی فضا پر بو جھل سی خاموشی مسلط ہو گئی۔ نوجوان کے قدم رک گئے تھے اور وہ مذکور نیم کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”کتے....!“ وہ دانت چیز کر بولی۔ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”نیم اسے جیب میں رکھ لو اور یہاں سے چلی جاؤ۔“

”کیا تم اس بد تیز کو برداشت کرلو گے بابا۔“

”نہیں.... لیکن تم اپنے کمرے میں جاؤ۔“ بوڑھے کا الجھہ بے حد سر دھما۔

نیم نے ایک حجر جھری سی لی اور پتوں تھیب میں ڈال لی۔ بوڑھے نے کبھی اتنے سرد لبھے میں اس سے گنگوہ نہیں کی تھی، وہ چپ چاپ دروازے کی طرف مڑی اور باہر آگر بہ آہنگی دروازہ بند کر دیا۔ مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ کھڑکی سے بھی نہ جھکتی۔

ایک بار وہ پھر پہلے ہی کی طرح کھڑکی کے شیشوں سے کمرے کے اندر کا جائزہ لے رہی تھی۔ بات بڑھ گئی تھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بوڑھے کو اس کی مدد کی ضرورت ہو کیونکہ وہ سبھی اس سے نفرت کرتے تھے۔

”ہاں آؤ.... مجھے میری بد تیزی کی سزا دو۔ اگر تم مجھے سزا دے سکے تو میں تمہاری سر برادر سے دستبردار ہو جاؤں گا۔“ بوڑھے نے کہا۔

”تم ہمارے سر برادر کب ہو۔“ نوجوان نے زہریلے لبھے میں پوچھا۔ ”ہمارا سر برادر وہ ہے جس سے ہمیں احکامات ملتے ہیں۔“

”تمہارا سر برادر جن ہے۔“ بوڑھا نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ”لیکن اپسے گھنٹوں کے مل چلتا میں نے ہی سکھایا تھا اور تم... کیا تمہیں اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ میری ہی عقل تمہاری بھی رہنمائی کرتی ہے۔“

”تم خاموش رہو میں کسی کی بھی چودھراہت نہیں برداشت نہیں کر سکتا۔“
وفتا بوڑھا آگے بڑھا اور قبل اس کے کہ نوجوان کا ہاتھ اُس پر اٹھتا کرہ ”چڑاخ“ کی آواز سے گونج آٹھا۔ نوجوان لڑکھڑا تھا ہو اپنے ساتھیوں پر جا پڑا۔ بوڑھے کا تھپڑا اُس کے بائیں گال پر پڑا تھا۔
وہ خود سے نہ سنپھل سکا۔ دو آدمیوں نے سہارا دے کر اُسے کھڑا کرنا چاہا لیکن اس کا جسم گندھے ہوئے آئے کے روں کی طرح دہرا ہو گیا۔ وہ اس طرح آنکھیں چھاڑ رہا تھا جیسے اس کے چاروں طرف اندر ہیرا ہی اندر ہیرا ہو۔ اس کی بائیں آنکھ گوشت کا لو تھرا معلوم ہونے لگی تھی۔
خون میں ڈبایا ہوا گوشت کا لو تھرا۔
آخر سے زمین پر ڈال دیا گیا۔

بوڑھا اپنی کمرے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارا کیس کر قتل فریدی سے لے لیا گیا ہے۔ غالباً وہ کسی اور کو سونپ دیا جائے گا لہذا اب فی الحال تم لوگ ان دونوں کا پیچھا چھوڑ دو۔ تم دیکھ چکے ہو کہ وہ کتنے چالاک ہیں۔ اگر ہم ان سے بھڑے بغیر اپنا کام کرتے ہیں تو بہتر ہے، ویسے میرادعویٰ ہے کہ کر قتل فریدی ٹیکم گذھ سے اس وقت تک وہ اپنی نہیں جاستا جب تک کہ ہر میں کا سراغ نہ پا لے اور سبھی جانتے ہیں کہ ہر میں تک پہنچ جانا آسان کام نہ ہو گا۔ اس لئے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم بڑی آسانی سے اس پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کا وجود ہمارے لئے خطرناک ہے۔ وہ ضد پر آ جاتا ہے تو سب کچھ کر گزرتا ہے، دنیا کی کوئی طاقت س کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔“

”اوہ.... اس کی ناک سے خون بہرہ رہا ہے۔“ کسی نے کہا۔
”میں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی۔“ بوڑھا غریا۔

”جہنم میں گئی تمہاری بات۔“ ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھ کر فرش پر پڑے ہوئے آدمی کی لرف جھپٹتا ہوا بولا۔ پھر یہ بیک پا گلوں کی طرح جی چاہا۔

”اڑے.... یہ دم توڑ رہا ہے۔“

”شٹاپ....!“ بوڑھا آپے سے باہر ہو گیا۔ ”اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔“
”وہ کچھ مر رہا ہے۔“

”مر نے دو میں اسلئے تھپڑ نہیں مارتا کہ مار کھانے والا تھوڑی ویر بعد مجھ سے معافی مانگ لے۔“

نیلم لرزگی۔ اس کی سانس تیزی سے چلنے لگی تھی، اس نے بوڑھے کو کبھی اس رنگ میں نہیں دیکھا تھا۔

”چلو.... بیٹھو اور اگر تم بھی اس کا ساتھ دیناچاہتے ہو تو میں تمہاری یہ خواہش پوری کر سکتا ہوں۔“

”یہ نہیں برداشت کیا جاسکتا۔“ سب نے بیک وقت کہا۔

”پھر.... تم میرا کیا کرو گے۔“

”یہ مر گیا ہے۔“ کئی آدمی بیک وقت چیخ۔

”میں کب کہتا ہوں کہ نہیں مر لے میرا تھیر ایسا ہی ہوتا ہے گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ چلو بیٹھو اپنی بچھوں پر اگر اس بغاوت اور دیدہ دلیری کی خبر درجن کو ہو گئی تو وہ ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں اس کے مقابلے میں زیادہ در حمد دل ہوں۔“

نیلم نے دیکھا کہ وہ سب خاموشی سے اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے، اور نوجوان کی لاش دیں پڑی رہی، مرنے سے پہلے اُسے خون کی بڑی سی تیزی ہوئی تھی۔



”فولادی“ فریدی نے کہا اور مسلسل مسلسل رک گیا۔ ”ایک حیرت انگیز ایجاد ہے۔ لیکن اسے صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ہر میں کے ارادے نیک ہی ہوں گے۔“

”میں برا اگدھا ہوں کہ میں نے ہی اُسے اب تک نہیں دیکھا۔“ حمید بولا۔

”میں لڑجاؤں سالے سے کشتی۔“ قاسم نے سوال کیا۔

”تائیں چیر کر پھینک دے گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔“

”میں کیا اس سے کمزور ہوں۔“

”آبے وہ لوہے کا ہے.... با تھی کے ہم زلف....!“ حمید نے خواہ خواہ دانت پیس کر کہا۔

”تم خود ہاتھی کے ہم جھل.... حلف.... فلچ.... ہو گا کچھ اس کی ایسی کی تیسی۔ دیکھنے کرنے صاحب منع کر لیجھ۔“

”قاسم....!“ تم اس کے ساتھ آئے کیوں تھے۔

”ارے الاقوم....! میں بالکل الگ آیا تھا۔ بُس یہاں ملاکات.... قات.... ہو گئی۔“

”لیکن کیا یہ ضروری تھا کہ تم بھی نشاط ہی میں ٹھہر تے۔“

”میں ہمیشہ بھینٹ ٹھہرتا ہوں..... قرنل.... کرنل صاحب۔“

”میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ تم ہم لوگوں سے دور ہی دور رہو ورنہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ تمہیں بھی ہم ہی سے متعلق سمجھ کر کوئی نقصان پہنچا دیں۔“

”مجھے کیا نقصان پہنچائیں گے میں صاف صاف کہہ دوں گا کہ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”بے شرم کہیں کے۔“ حمید غرایا۔ ”تم یہ کیسے کہہ سکو گے۔“

”بے شرم کوئی.... ارے واہ۔“ قاسم ہاتھ چاکر عورتوں کے سے انداز میں بولا۔ ”کیا میں تمہاری جورو ہوں۔“

”شاید تم اس وقت تمہائی چاہتے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں۔“ قاسم نے کچھ سمجھے بو مجھے بغیر جواب دیا۔

”تم اپنے کرے میں جاؤ۔“

”تب.... بات.... یہ ہے۔“

”کوئی بات نہیں ہے۔ تم اپنے کرے میں جاؤ۔“

”بہت اچھا۔“ قاسم ایک حصیکے کے ساتھ اٹھا اور غصیلے انداز میں چلتا ہوا کرے سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد سک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ ”چھپلی رات میں نے فولادی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ کوئی آہن پوش آدمی ہے۔“

”پھر وہ کیسے دیکھتا.... بولتا اور سنتا ہے۔“

”پہلے تم اسے کم از کم ایک بار دیکھ لو پھر میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔“

دفعتا حمید کی نظر دروازے کی طرف اٹھ گئی، اور فریدی کی پشت تھی۔ الہادہ قاسم کونہ دیکھا جو اہدواری میں کھڑا حمید کو گھونسہ دکھارا تھا۔

حمد کو بیساختہ بھی آگئی کیونکہ قاسم گھونسہ دکھانے کے ساتھ ہی طرح طرح کے منہ بنا کر آہستہ آہستہ کچھ بڑا باتا بھی جا رہا تھا۔

حمد کو ہنسنے دیکھ کر فریدی بھی مژا۔ قاسم بولکھلا گیا اور اسی بولکھلاہٹ میں گھونسہ اٹھا رہا گیا، انکھیں بند ہو گئیں اور زبان نکل پڑی۔

”چلا گیا۔“

”ختم کرو۔“ فریدی بیزاری سے بولا۔

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش بیٹھے رہے پھر فریدی بولا۔

”ہر میں کامنے اب کچھ وقت طلب ہو گیا ہے۔“

”کیوں....؟“

”پہلے جس رسیویک سیٹ پر ہم اس کی آواز نہتے تھے اس کا اشنیا شاہل کی طرف اشارہ کرتا تھا اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ میکم گذھ ہمارے یہاں سے شاہل کی طرف پڑتا ہے۔ بہر حال جب میں نے اس کا وہ اعلان سنایا کہ وہ میکم گذھ والوں کے لئے اپنی کوئی ایجاد پیش کرنے والا ہے تو میں نے ان ماہرین کو میکم گذھ طلب کیا تھا جو اس کیس میں میرے ساتھ کام کر رہے تھے، یہاں وہ اس کی نشر گاہ کی مست معلوم کر لیتے گے اب اس نے دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ اب اس طرح اس کے پیغامات نہیں سنیں جاسکیں گے جس طرح پہلے سے جلتے تھے، لہذا اب میں نہیں کہہ سکتا کہ ماہرین نشر گاہ کی مست معلوم کر سکیں گے یا نہیں۔“

”مجھے آج یہی معلوم ہوا ہے کہ آپ ہم ساتھ کچھ ماہرین بھی کام کر رہے تھے۔“

”بھلا اس کے بغیر کیے کام چلتا۔“

”بہر حال اب پھر کیا ہو گا۔ اب تو آپ ہم سیٹھو سکوپ کے بغیر اس کی آواز نہیں سن سکیں گے۔“

”یہی تو مشکل ہے۔“

”لیکن کیوں نہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس کا وعدہ ہے کہ وہ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کرے گا۔ اب تو وہ ہماری نشریات میں بھی دخل انداز نہیں ہو گا۔“

”لیکن وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے قطعی غیر قانونی ہے۔ حکومت کی اجازت حاصل کئے بغیر اس کم کے کام نہیں کئے جاسکتے اور پھر وہ ہمارے لئے خطرہ بھی بن سکتا ہے۔“

”کچھ بھی ہو۔ فی الحال تو ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ حید نے پاپ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ کر دوبار تباہ کو بھری۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتا ہا پھر پاپ سلاکر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ اسکلروں والا کیس اس طرح نہ چھوڑیے۔“

”آرڈر... آرڈر ہے۔ میں اس کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں۔“

”یہ کیا ہو گیا ہے اسے۔“ فریدی نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کچھ نہیں اس کی شامت آئے والی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج رات کو اسے پلاکر کسی ناٹ کلب میں چھوڑ آؤں، پھر دوسرے دن صبح آپ دہا جا کر اس کی لاش کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ دوسرے ہی لمحے میں قاسم دھڑ دھڑا تاہو اندر چلا گیا۔

”تم غارت ہو جاؤ گے۔“ وہ حید کی طرف انگلی انجھا کر دھاڑا۔ ”اللہ نے چاہا تو کیڑے پڑیں گے، دھواں اٹھے گا تمہاری قبر سے۔“

”کیا لغویت پھیلائی ہے۔“ فریدی نے ناخنگوار لمحے میں کہا۔

”آپ نہ بولنے والے سالی مجھ کو کہتی ہے.... ہیلو ماموں جان.... ہیلو ماموں جان۔“

”کیا بک رہے ہو۔“ فریدی بگزگیا۔

”اپنی کسی بھائی کو سالی کہہ رہا ہے۔“ حید نے سنجیر گی سے کہا۔

”تم خود.... بھائی.... اغ.... اگو.... کی بھائی.... سن.... مرد.... اچھا.... نکنا باہر۔“ قاسم آپ سے باہر ہو رہا تھا۔ عقل کھوپڑی کے اوپر لہر ارہی تھی، جو کچھ وہ کہتا چاہتا تھا غصے کی زیادتی کی وجہ سے نہ کہہ سکا اور حید کو گھونسہ دکھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

”بھی میں تم سے عاجز آگیا ہوں۔“ فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”تمہارے ملنے والے بھی میرے لئے دبال جان بن جاتے ہیں۔ آخر یہ کیا بک رہا ہے۔“

”ارے.... وہ کچھ نہیں تھا۔“ حید نہ پڑا۔ پھر بولا۔ ”چھپلی رات ایک یورشین لڑکی سے اس کا تعارف کرایا تھا۔ نام ماموں جان بتایا۔ اس وقت یہ الوکا پٹھا ہی ہی کر رہا تھا۔“

”میں سب سن رہا ہوں۔“ راہب ارہی سے آواز آئی اور پھر قاسم سامنے آکر بولا۔ ”تم خود الو کے پڑھے۔ تمہاری سات پیشیں الوکی پڑھیاں۔ اب تم باہر نکلو تمہاری چنی نہ بنائی تو کچھ نہ کیا۔“ فریدی ہنگے لگا۔ حید تو پہلے ہی سے نہ رہا تھا۔

قاسم بڑی بڑیا ہوا چلا گیا، اس بار حید بھی اٹھا۔

”بیٹھو.... بہت زیادہ بیچپا بھی گران گزر نے لگتا ہے۔“

”میں کہیں جا نہیں رہا ہوں۔ ذرا دیکھوں وہ ہے یا چلا گیا ہے۔“

حید دروازے نکل گیا اور راہب ارہی میں جھاٹک کر پھر واپس آگیا۔

”لڑکی کی بات نہ کچھے۔ میں صرف کیس کی حد تک اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔“

”تم بہت شریف ہو۔“ فریدی سکریا۔

”مماش کسی لڑکی کے والد نے بھی کبھی یہ سوچا ہوتا۔“ حمید نے محدثی سانسی، پکھ دیر سک نہ بنائے رہا پھر بولا۔ ”بھی کبھی مجھے اپنی زندگی کی ویرانی کا بہت شدت سے احساس ہوتا ہے اور میراں چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو دیر ان کر دوں۔“

”یہ بڑی اچھی علامت ہے اگر جنی بھوک اس راستے پر لگ جائے تو آدمی کو ہظر اور پولیس بنادیتی ہے۔ شاید اسی لئے تم آج کل اتنے بے بلگر ہو رہے ہو۔“

حمدیاں اٹھ کر باہر چلا آیا۔ وہ دراصل کوفت میں جلا ہو گیا تھا۔ اسکلروں کے کیس میں اس نے سر دھڑکی بازی لگا دی تھی لیکن عین اس وقت جب کہ اُسے کامیابی کا یقین ہو گیا تھا اس کی توقعات پر اوس پڑ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس اٹھ پر ایسے غیر متوقع حالات پیدا ہو جائیں گے۔ حمید کی یادداشت میں شاذ و نادر ہی اس کے پاس ایسے کیس آئے تھے جن میں اس نے حقیقتاً پچھلی ہو یہ کیس بھی انہیں کی فہرست میں آسکتا تھا۔ مگر اس کا انجام اس کے حوصلے پست کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ ان لوگوں سے انتقام بھی تو نہ لے سکا جنہوں نے چار بار اس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔

ویسے حمید کو فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ ان لوگوں کا پچھا چھوڑ دے گا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی کیسوں میں تقیش کے دوران اعلیٰ حکام کی طرف سے رخص اندازی کی گئی تھی۔ لیکن وہ حقیقتاً ان کیسوں سے دست کش نہیں ہوا تھا اور پھر بعد کو حکام نے خود ہی اپنی غلطی تسلیم کر لی، لیکن اس کیس میں خود فریدی ہی نے کاندھے ڈال دیے تھے۔

اس دن پھر وہ فریدی سے نہیں ملا اور دوسری صبح وہ گھاٹم پار کے لئے روانہ ہو گی، یہ مقام نیلم گذھ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔

لوگ جو تاریخیں گھاٹم پار کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں ٹورسٹ بھی تھے اور مخفی لوگ بھی۔

حمید نے اپنے چہرے میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں کی تھی صرف ایک عدد بھنی مونچھ کا اضافہ لیا تھا کہ قاسم سے محفوظ رہ سکے۔ قاسم آج کل ضرورت سے زیادہ خردما غثاثت ہو رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ قاسم بھی میلے کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں گھاٹم پار کی طرف چل پڑیں۔

”میں تجھ کہتا ہوں کہ اب سارا کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ وہ لڑکی نیم ایک اچھی مددگار ثابت ہو گی۔“

””حید صاحب! اگر وہ سارے اسکلر پکڑ لئے گئے تب بھی میں اسے ایک ناکام ہی کیس سمجھوں گا۔“

”کیوں....؟“

”اس آدمی کے خلاف ثبوت مہیا کرنا برا مشکل کام ہو گا جس کی سر پرستی میں اسکلر ہوئے۔ شاید ان اسکلروں کو بھی نہ معلوم ہو کہ وہ کون ہے۔“

”تو وہ اسی طرح ہمیشہ آزاد رہے گا۔“

”یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کبھی نہ کبھی میں اسے گرفت میں لے لیں لوں۔ لیکن فوری طور پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑے گی۔“

”تو وہ لڑکی.... کار آمد نہیں ثابت ہو سکے گی۔“

”اگر وہ لڑکی ہے تو تمہارے لئے ضرور کار آمد ثابت ہو گی۔“ فریدی نے بُر اسامنہ بن کر کہا۔

”آپ خواہ مخواہ بات کو توثیق کر رہے ہیں۔ میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔“

”میں بھی سنجیدہ ہوں۔“ فریدی نے لپرواں سے کہا اور بچھا ہوا گار سلگانے لگا۔

”میں کل میکم گذھ سے جا رہا ہوں۔“

”یہ ناممکن ہے کیونکہ اب تم ہر میں والے کیس کو اسست کر رہے ہو۔“

”مجھے اس کے لئے تحریری حکم نامہ نہیں ملا۔“

”اچھی بات ہے تم اسی وقت دفع ہو جاؤ۔ میں تمہارے بجائے امر گھے سے کام لوں گا۔“

”ضرور....!“ حمید کا موزہ بگر گیا اور وہ واٹھنے لگا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم کل گھاٹم پار کے میلے میں جانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں کبھی اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔“

”آپ کا خیال بالکل درست ہے میں کل یقین طور پر گھاٹم پار جاؤں گا۔“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان اسکلروں نے تمہیں مارڈا لئے کا خیال ترک کر دیا ہو گا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ لڑکی....!“

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔“ قاسم نے جلا کر اردو میں کہا۔ ”کہ خدا کرے تمہیں فی بی ہو جائے، جس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہو اللہ کرے اس سالے کی زبان سڑ جائے، میرا باب بھی سالا مجھے ماموں جان نہیں کہہ سکتا۔ خون پی جاؤ۔“
”پتہ نہیں تم کیا بک رہے ہوں۔“ لڑکی نے کہا اور اپناٹو آگے نکال لے گئی۔

پتھر کا شکار

ہزاروں تحقیقیہ حمید کے حلقوں میں پھوٹ پھوٹ کر رورہے تھے۔ اس بے بی کی وجہ یہ تھی کہ حمید خود کو قاسم سے بالکل ہی بے تعقل رکھنا چاہتا تھا۔
اپنک ایک جگہ نیم دکھائی دی جو خاکی پتلون اور کھٹی جیکٹ میں ملبوس تھی۔ قاسم کو دیکھ کر وہ اپنے پتھر سے اتر پڑی۔
”وہ تمہارا دوست کہاں ہے۔“ اس نے چھوٹے ہی قاسم سے سوال کیا اور قاسم کا موڈ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گیا۔
”مر گیا....!“ وہ غریبا۔
”کیا مطلب....!“

”میں نہیں جانتا مطلب و طلب...!“ قاسم نے چڑھتے ہیں کا مظاہرہ کیا۔
”میں کیپٹن حمید کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔“
”کیا میں جب میں نئے پتھرتا ہوں اُسے... ہو گا کہیں۔ میں قیا... کیا جاؤں۔“
حمدید اس وقت بھی انکے قریب ہی تھا اسے تشویش ہو گئی کہ آخر وہ اسے کیوں پوچھ رہی ہے۔
”تم ہوش میں ہو یا نہیں، موٹے آدمی... میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔“ تم دنوں نے اس رات میرے ساتھ فراہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

پولیس کے نام پر قاسم بغلیں جھاتنے لگا۔
”میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے میرے گھر پہنچا دے لیکن راستے میں اس کے آدمیوں نے مجھی کھفری اور وہ خود لیکسی سے اتر گیا۔ پھر اگر وہ ایمور اپنے اوسان بجائہ رکھتا تو میں ڈوب ہی گئی ہوتی۔“

تحصیں، مطلع صبح ہی سے ابر آلود تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہلکی ہلکی پھواریں کی اڑنے لگتی تھی مقامی لوگ عموماً پیدل ہی نظر آرہے تھے۔ ٹورسٹ چیزوں اور ٹاؤن ہاؤس اور ڈائٹریوں پر سفر کرتے، یہاں سے گھاٹم پار تک کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی اس لئے کاریں اور جیپیں وہاں تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔

نشاط کے ٹورسٹ ایک ساتھ روائے تھے کیونکہ ان کے لئے ہوٹل ہی کی طرف سواریوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن قاسم پیچارے پیدل ہی چل رہا تھا۔ کیونکہ پھر یا ٹاؤن نسل ابھی تک کوئی قاسم نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ وہ چل تو پڑا تھا مگر اس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی پہاڑی چوٹی سے ایک بہت بڑا پہیہ لٹھا دیا گیا ہو۔

حمدید اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہنہی کے مارے اس کے پیٹ میں بل پڑے جا رہے۔ دل چاہتا تھا کہ اپنی مصنوعی موچھیں الہماڑ پھیکئے اور قاسم سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دے۔ لوگ اُسے دیکھ کر بھس رہے تھے اور قاسم نیچے سے اوپر تک چند رہو رہا تھا۔ اگر اُس پر چلتا تو وہ ایک ایک کی ہڈیاں توڑ کر کھدیتا۔ ہنہے والوں میں لڑکیاں پیش پیش تھیں اور ان وہ یورپین لڑکی بھی تھی جو قاسم کو ماموں جان مخاطب کرتی تھی۔

ایک بار اس کا ٹاؤن قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔
”بھیلو ماموں جان....!“ اُس نے اُسے مخاطب کیا۔
لیکن قاسم منہ چلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا، انداز روٹھ جانے کا ساتھا اور ایسا معلوم تھا جیسے قاسم متوقع ہو کہ وہ ٹاؤن سے اتر کر اُسے منا لے گی۔
”ماموں جان....!“ اگر تم تھک گئے ہو تو برائی پیش کروں۔“ لڑکی نے پھر کہا۔ ”مگر ساتھی ہے کہاں، وہ تو تمہاری طرح غصیلا نہیں ہے۔“

”اس سالے کی ایسی کی تیسی۔“ قاسم یک اردو میں وہاڑا
”میں نہیں سمجھی کہ تم نے کیا کہا ہے۔“ لڑکی نے کہا اور قاسم اس سالے کی ایسی کی
انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ”سالے“ کا ترجمہ ”برادران لا“ یا لیکن ”!
تیسی“ میں ایسی گاڑی بھنسی کی قاسم کافی دیر تک ہکلاتا رہا۔
”پتہ نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“ لڑکی نے ماہوی سے کہا۔

اب حمید نے غور کیا تو ان کے گرد اور بھی کئی آدمی نظر آئے جن میں ایک تو تینی طور پہچانا جاسکتا تھا۔ کیونکہ نائب کلب والے ہنگامے میں بھی وہ شریک تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے اب اس نے ان لوگوں کو اپنی طرف سے مطمئن کر دینے کے لئے یہ جال بچایا ہوا۔ اس کی بے صلاحیتوں کا اندازہ اسے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

قاسم اور نیلم میں بھکر رہتی رہی، معلوم نہیں کیوں قاسم اس وقت حمید کا پارٹ لے رہا تھا
”چھی بات ہے۔“ نیلم آخر کار بولی۔ ”میں تم لوگوں سے سمجھ لوں گی۔“

”اے.... میں کچھ نہیں جانتا۔“ قاسم پاگلوں کی طرح اپنے ہاتھ بہانے لگا۔ ”وہ تمہیں میں طے گا۔“

نیلم پھر فخر پر بیٹھ کر آگے بڑھ گئی۔ حمید نے بھی اپنا خچر آگے بڑھایا اور ان لوگوں کی سے نکل گیا، جو نشاط سے روانہ ہوئے تھے۔
قاسم پچھے رہ گیا۔

”تم انہوں نے میں بہت تیز ہو۔“ اُس کے ساتھیوں میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

”کیوں میں نے کے انہوں ناہیں۔“

”کیا وہ فولادی والی کہانی صحیح تھی۔“

”حرف بحرف....!“ نیلم نے جواب دیا۔

”تم اس سے ذری نہیں تھیں۔“

”میں ایک فولاد کے ڈھانچے سے ڈرلوں گی۔ کہیں تم بھگ تو نہیں پی گے۔“

”نہیں.... نہیں۔“ دوسرا بولا۔ ”تم تو رسم کی نوازی ہو۔“

”تم توبات ہی نہ کیا کرو۔ ذرا ان کی بھل دیکھنایا بھی مردوں میں بول یعنی ہے۔“

دوسرا ہنس پڑے اور وہ نہ اسامنہ بتا کر خاموش ہو گیا۔ پھر خود بھی ہنسنے لگا۔

نیلم نے گردن اکڑا کر کہا۔ ”میں اس کی شاگرد ہوں جس کا ایک تھیز لوگوں کی گرد نہ دیتا ہے۔“

”کیا تمہیں اس پر افسوس نہیں ہوا تھا نیلم....!“ ایک نے کہا۔

”افسوس ہوا تھا مگر وہ بھی تو حد سے بڑھ گیا تھا۔ تم میں سے کون ایسا ہے جس پر با

احسائ�ات نہ ہوں۔“

”ہاں.... آں.... مگر اتنی سخت سر زل میں کہتا ہوں کہ اب تمہارے بیباکاڑہ نہیں تو ازان
بڑھنے لگا ہے اور عقر قریب اٹھنیں کوئی بہت نہ اون ویکھنا پڑے گا۔“

”تیرے دن تو تم سکھوں کے لئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے.... ہم ہر وقت قانون کی زد پر رہتے ہیں، لیکن اگر ہم میں سے کسی کا ہاتھ ان پر
ٹھہ مگا تو بعد میں ہمیں افسوس ہو گا۔ لہذا تم اٹھنیں سمجھاؤ۔“

”یوں تو میں سکھوں کو سمجھاتی ہی رہتی ہوں۔“

”دیکھا۔“ ایک آدمی چک کر بولا۔ ”اے لکھ لو کہ یہ پولیس سے مل گئی ہے بوڑھے کو یقین
ل نہیں آتا۔“

”فضول بکواس نہ کرو۔“ اس آدمی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”کیا میں تمہیں اس بد تیزی کا حرا پچھا دوں؟“ نیلم نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”ویکھو! تم میرے سر نہ چڑھتا میں نے آج تک کسی عورت کا احترام نہیں کیا۔ میری ماں
ہاتھ نہے الفاظ میں یاد کرتی تھی کہ خود اس کا کیر کر مسلکوں ہو جاتا تھا۔“ اس آدمی نے کہا۔

”میں الفاظ نہیں جوتے استعمال کرتی ہوں تمہاری ماں کے بازوں میں سکت نہ رہی ہو گی۔“

”بھی نیلم خدا کے لئے بہاں راستے میں کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کر دیا۔“ دوسرا ہے آدمی نے کہا۔
”تم تو عقل استعمال کیا کرو۔“

”نہیں اس سے ہنگامہ کرنے دو۔ میں بوڑھے سے ڈرنا ہوں نہ اسے کچھ سمجھتا ہوں۔“

”خاموش بھی رہو۔“

نیلم خاموش ہو گئی۔ وہ آدمی بھی چپ ہو گیا لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کو خونخوار نظروں
کھو رہے تھے۔ حمید کی سمجھی میں نہ آسکا کہ یہ لڑکی کس قسم کی ہے اور اپنے ساتھیوں میں اس
پوزیشن کیا ہے۔

بیکاریاں خجروں کے ناپوں سے گو نجتی رہیں۔ کہیں کہیں بادل پھٹ گئے تھے، نیلے آسمان کی
لیکاں بڑی دلکش معلوم ہو رہی تھیں۔

بیکاری عورتوں کی ایک تولی جاتی ہوئی قریب سے گزر گئی۔ حمید نے اپنا خچر روک لیا تھا۔

وہ بھدی اور بے ہنگم عورت تھیں لیکن وہ اس وقت فطرت سے اتنی ہم آہنگ نظر آرہی تھیں کہ حمید انہیں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ صد بار اپنی دنیا میں سانس اڑ رہا ہو، وہ بھول جاتا چاہتا تھا کہ میسوں صدی کا آدمی ہے، کتنا سکون تھا ان پہلے عورتوں کے چہرے پر، لکنی زندگی ان کی آوازوں میں.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اساطیری چشمہ حیوان کاپانی پی کر امر ہو گئی ہوں۔

حید کافی دیر تک وہیں کھڑا لوگوں کو گزرتے دیکھتا رہا۔ پھر جب قاسم لڑکتا ہوا قریب ۳۰ تو وہ بھی خپر سے اتر پا اور دفتار سے ایک نئی شرارت سو جھی، اس نے ہاتھ انھر کر بڑے ادب سے قاسم کو سلام کیا۔

”والے کم سلام۔“ قاسم نے گزرا کر جواب دیا اور خواہ مخواہ دانت نکال دیئے۔

حید نے اپنی آواز بدل کر کہا۔ ”آپ بڑے خوش نصیب ہیں جناب۔“

”تقویں....!“ قاسم چلتے چلتے رک گیا۔

”وہ پتلون والی لڑکی جو ابھی آپ سے جگڑا کر رہی تھی تا۔....!“

”ہاں ہاں....!“ قاسم نے بھڑا سامنہ کھول کر حمراہ لادیا۔

”وہ آپ کے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتی ہے، چلتے رہنے میں بھی اب پیدل چلوں گا۔“

”جبرور.... ضرور.... جی ہاں.... مم.... مگر اچھی رائے۔ ہی ہی، ہب.... یک بیک...“

قاسم نے ”ہی ہی“ میں بریک لگادیا۔

”وہا بھی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی تھی کہ آپ اسے بہت اچھے لگتے ہیں۔“

”تا میں....!“ قاسم کی آنکھیں خیرت سے پھیل گئیں اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔

”ہاں جناب.... مجھے آپ کی قسمت پر رشک آتا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کاش میں؟“

”آرے.... نہیں.... میں.... کیا.... ہی ہی ہی۔“

”نہیں جناب۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت اس دیوار کو دیکھتی رہوں۔“

”الا قسم....!“ قاسم کی آنکھیں چکنے لگیں۔

”یقین نہ ہو تو اسی سے پوچھ لیجئے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ آپ یہاں قابل نہیں ہیں۔“

”قامتلے....!“ قاسم کے نہنے پھولنے پکنے لگے۔

”مطلوب کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی عورت کی آئیے آدمی سے خوش رہ لئی ہے جو اس کا مزار جن پیچا نہ ہو۔“

”داہیں ہمیشہ سلام کے بعد مزار جن شریف پوچھتا ہوں۔“

”لیکن وہ آپ سے جگڑا کیوں کر رہی تھی۔“

”اوہ.... وہ میرا ایک دوست ہے ناجید، اس نے اس لڑکی پر.... اوہ لڑکی سے مذاخ.... لخ.... مذاق کیا تھا۔ اسی پر وہ اتنی گرم ہو رہی تھی۔“

”کچھ بھی ہو۔ آپ اس موقع پر ضرور فائدہ اٹھائیے۔ کیونکہ وہ آپ سے جھگڑنے کے بعد لآپ کی تعریف کر رہی تھی۔“

”کامے.... فائدہ.... اٹھاؤں۔“

”اس سے قریب رہنے کی کوشش کیجئے اور ہمیشہ کہتے رہنے کے آپ کو اس سے عشق ہو گیا ہے۔“

”اے باپ۔“ قاسم نے کچھ اس طرح منہ بنا کر پیٹ پکڑ لیا جسے بد ہضمی ہو گئی ہو۔

”کیوں.... کیوں؟“

”اگر.... خفا.... خفا.... ہو گئی تو کیا ہو گا۔“

”تو کیا ہو گا۔“ حید نے حیرت سے کہا۔ ”آپ بھی بڑے وہی معلوم ہوتے ہیں۔ اے ب کو خفا ہونا ہی تو اچھا لگتا ہے۔“

قاسم منہ چھیلانے لگا۔ وہ دونوں پھر چلتے گئے تھے۔

لقریباً ساڑھے گیارہ بجے وہ گھاٹ میاں پہنچ گئے۔ حید نے محسوس کیا کہ یہ ویسے بھی ایک اچھی شکا گا ہے۔ پہاڑیاں بزرے سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان ایک چھوٹی سی جمل ماسکی ہی لگ رہی تھی جیسے زمرد کے ڈھیر میں ایک ہیرا اپڑا جگڑا رہا ہو۔



جمل کے چاروں طرف لکڑی کے کینن نظر آرہے تھے، ان میں کچھ تو دکانوں کی حیثیت نہ تھے اور کچھ رہائشی تھے۔ رہائشی کینن داخلِ حکم لکڑی کے بڑے ہولوں کی طرف سے اس میکا کئے گئے تھے کہ سیاحوں کو تکلیف نہ ہو۔ مگر ان سے وہی سیاح فائدہ اٹھا سکتے تھے، جو ان

حید کوٹ اتاری رہا تھا کہ نشاط کے ایک ملازم نے آکر اطلاع دی کہ غلطی سے وہ کہیں سے دیا گیا ہے۔ حقیقتاً وہ کسی اور کے لئے مخصوص تھا۔ حید کو برا غصہ آیا اور اُس نے اُسے پھوٹنے سے صاف انکار کر دیا لیکن جب اس ہستی پر نظر پڑی جس کے لئے یہ کہیں پہلے ہی سے مخصوص تھا تو ایک مسکراہٹ اس کی سکھی مونچھوں کی اوٹ میں الگھیلیاں کرنے لگی۔ یونکہ یہ ہستی نیلم تھی۔

نیلم کیہیں کے باہر کھڑی اس کے نکلنے کی منتظر تھی۔

”بھی یہ کیا صیبت ہے۔“ وہ ہاتھ بہا کر ملازم سے بولا۔ ”آخر تم مجھے یہاں کیوں نہیں بہن دیتے۔ کیا میں اس چنان سے جھیل میں چھلانگ لکا کر خود کشی کر لوں گا۔“

وپر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ”چند نہیں جتاب ایسے پروازر صاحب جانیں۔“

”جاوے پروازر کو بھیج دو۔“

”جتاب آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔“ نیلم سامنے آگر بولی۔

”اوہا...!“ حید چونکہ پڑا پھر آہستہ سے بڑھ لیا۔ ”آپ کی تعریف۔“

”کہیں آپ ہی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔“ ملازم نے جواب دیا۔

”اوہ... بھی تمہارا یہ پروازر آدمی ہے یا کسی جانور کی نقل جو عورت اور مرد میں تمیز نہیں کر سکتے۔“

”آپ اسے خالی کریں گے یا نہیں۔“ نیلم نے جھنجھلا کر کہا۔

”نہیں....!“ حید نے بھی اُسی لمحے میں جواب دیا۔

”تم باہر آجائو۔“ نیلم نے دیہر سے کہا۔

”وہ چپ چاپ باہر آگئی اور نیلم اندر گھٹی چل گئی۔“

”میں نے آپ کو نشاط میں کبھی نہیں دیکھا۔ پھر یہ کہیں آپ کو کیسے مل گیا۔“ حید نے اس سے سوال کیا۔

”آپ براہ کرم باہر نکل جائیے۔“

”تو کیا آپ یہاں تھا رہیں گی۔“

”شٹ اپ....!“ نیلم نے ہاتھ گھما دیا۔ لیکن ہاتھ کہیں کی دیوار پر پڑا اور حید یہاں ہتا ہوا

ہو ٹلوں میں مقیم رہے ہوں۔ میلے اس وقت بھی شباب پر تھا اور اس مزار کے گرد تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی جو کہ عرس کے سلسلے میں یہ میلے ہوا کرتا تھا۔

عورتیں گاری تھیں، ڈھول پیٹے جا رہے تھے اور اکثر لوگ سیاہ رنگ کے جھنڈے اٹھا رہے تھے۔

مشرق کی طرف ڈھلان میں لا تقداد دو کامیں پھیلی ہوئی تھیں، یہ یا تو لکڑی کے فریم کیوں منڈھ کر بنائی گئی تھیں یا ان میں صرف لکڑی استعمال ہوئی تھی۔

اس میلے کی تیاریاں تقریباً چھ ماہ پہلے سے شروع ہوتی تھیں اور میلے تیرہ دن تک جاری رہتے۔ کبھی کبھی بارہ ہویں دن بھی ختم ہو جاتا تھا داراصل میلے کا اختتام ہیلی چاند رات کو ہوتا تھا، لہن شروع ہونے کی تاریخ سے اکثر ایک دن کا فرق بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن اس فرق کو مقامی باشندے مزار والے بیڑ کے مقتندین بدھکوئی تصویر کرتے تھے جس سال بھی توقع ہوتی کہ چاند میلے کے انتیسویں دن دکھائی دے گا اس سال بھی تو میلے لگتا ہی تھا۔ لیکن ان لوگوں میں بڑی بے دلی پا جاتی تھی جو حقیقت میلے کے روح روایا ہوتے تھے۔ گیت فضائیں لہراتے لیکن ان میں زندگی ہوتی، کالے جھنڈے اٹھا کرنا پڑنے والے ناچتے مگر ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کوئی مار مار کر ایسے ناچنے پر مجبور کر رہا ہو۔

چہل پہل میں بیسا ننگی نہ ہوتی اور مزار پر شہنما یاں بجانے والے صبح سے شام تک“ بھرے گیت فضاؤں میں بکھرتے رہتے۔

اس سال تو میلے میں بڑی زندگی تھی، کیونکہ پچھلا چاند انتیس کا ہو چکا تھا لہذا توقع تھی میلے کا اختتام تیسویں کے چاند پر ہو گا۔

حید اپنا چھر اس طرف لیتا چلا گیا جہاں نشاط کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ منتظم کو وہ کارڈ دیا جو ان روائی کے وقت نشاط سے ملا تھا۔ اُسے فوراً ہی ایک کہیں میں پہنچا دیا گیا۔

کہیں اتنا بڑا تھا کہ اس میں ایک پنچ ایک چھوٹی سی میز اور دو کرسیاں آسکیں لیکن اس پجوشی بڑی شاندار تھی، یہ جھیل پر بھلی ہوئی ایک مسطح چنان پر واقع تھی اور کچھ دیر ہیک پالیں دیکھتے رہنے پر ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ کوئی ہاؤس بوٹ ہو۔

ایک طرف ہٹ گیا۔ ”ڈر سنجھل کر کہیں میری موچھوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے میں ان کا بیس کراپکا ہوں۔“

ملازم بوکھلا کر اندر گھس آیا۔

لیکن نیلم دغنا تھک گئی اور دوسرے جملے کے لئے اٹھا ہوا تھا کہ شاہد اس نے اُسے پہچان لیا ہے۔ میں حیرت تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ شاہد اس نے اُسے پہچان لیا ہے۔

اچاک نیلم نے ملازم سے کہا۔ ”تم جاؤ... ہم لوگ طے کر لیں گے۔“ ویژہ شاید جانا نہیں چاہتا تھا۔ قدرتی بات تھی کہ اُسے یقیناً کھونج پڑی رہتی کہ ان دونوں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا۔

”کیا تم نے نہیں سن۔“ نیلم غرائی۔

ویژہ بوکھلا کر باہر نکل گیا اور پھر وہاں رکاوی نہیں۔

نیلم بُر اسامنہ بنائے حمید کو گھور رہی تھی۔

”کیا میں تمہاری موچھیں اکھاڑلوں۔“ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

”اس سے پہلے اپنے دوستوں کو بیالو تو بہتر ہے ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہ موچھیں اکھرنے کے بعد ہھکڑیاں بن جائیں۔“

”فضول باشیں نہ کرو... اچھا ہوں لیم تم مل گئے۔“

”تم نے پہچان لیا آخر...!“

”موچھوں کے علاوہ اور کیا بات ہے کہ نہ پہچانتی، ویسے آواز بدلنے میں تم اپنا جواب نہیں رکھتے۔“

”شکریہ... لیکن تم مجھ سے کیوں ملتا چاہتی ہو۔“

”اوہ تو کیا تمہیں مجھ سے دوبارہ ملنے کی خواہش نہیں تھی۔“

”نہیں... اس معاملے میں بہت بدقدامت ہوں، میں جس لڑکی سے بھی دوبارہ ملنے کی خواہش کرتا ہوں اس کی شادی ہو جاتی ہے۔“ حمید نے کچھ ایسے لمحے میں کہا کہ نیلم بُر پڑی۔

”اچھا خیر... میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کیا ہم لوگوں کا کیس تم سے لے لیا گیا ہے۔“

”کیوں...؟“

”بس یو نہیں... میں اس کی تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔“

”کس سے سنائے۔“

”تم آخر بحث کیوں کرنے لگتے ہو۔ میں ایک بات پوچھ رہی ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا متعلق

بھاری ذات سے ہے اس لئے ہم سارے معاملات کی کھونج میں رہتے ہی ہوں گے۔“

حید چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”تم نے ٹھیک سنائے۔ بیٹھ جاؤ۔“

نیلم ایک کر سی سمجھ کر بیٹھ گئی۔ حید کھڑکی سے جمیل میں دیکھ رہا تھا اور اس الجھن میں جلا

تھا کہ آخر یہ لڑکی کیا چاہتی ہے۔ دغنا تھا اسے ایک بات یاد آگئی اور اس نے نیلم کی طرف مڑ کر کہا۔

”اُس رات تمہاری کہانی اوہوری رہ گئی تھی میں اس کے متعلق اکثر سوچتا ہوں۔“

”کہانی کی بات چھوڑو...“ تم دونوں اب بھی خطرے میں ہو۔ گروہ کا خیال ہے کہ ابھی تم

ٹیکم گلہڑ سے واپس نہیں جا سکتے۔“

”کمال ہے... کیا اس گروہ میں فرشتے بھی شامل ہو گے ہیں۔“

”نہیں... بابا بہت باخبر آدمی ہے۔ اُس کا خیال ہے چونکہ فولادی بھی پہلی بار تینیں ظاہر

ہوئے اس لئے کرتل فریدی ڈاکٹر ہر مین کو تینیں تلاش کرے گا۔“

”اوہ... تو پھر...!“

”وہ کسی موقعہ پر تم دونوں کو دھوکے بے مار دیں گے۔“

”نیلم... تم جانتی ہو کہ ہم ابھی تک نہیں مارے جا سکتے۔ حالانکہ جتنے بھی جملے ہوئے

دھوکے عی میں رکھ کر کے گئے تھے۔“

”اب اور بھی ہوشیار رہتا۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو۔ لیکن تم آخر کیا بیالا ہو۔“

میں ایک رخنی ناگن ہوں، جو نہ صرف رخنی کرنے والے کی تلاش میں ہے بلکہ اکثر انہیں

بھی ذس لٹکا ہے جنہوں نے اس کا کچھ نہیں بلکاڑا۔ میں مجبور ہوں کیٹھن۔ اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہوں لیکن نہیں کر سکتی۔“

”اگر تمہارا گروہ گرفتار ہو گیا تو تمہارا حشر بھی اُن لوگوں سے مختلف نہیں ہو گا۔“

”وہاگ تو مختلطی ہو جائے گی، جو ہوش سنبھالتے ہی میرے ریٹھے میں دیکھ اٹھی تھی۔“

”میں اُسی آگ کے متعلق جانتا چاہتا ہوں... آخر انہوں نے تمہاری ماں کو کیوں مارڈا تھا۔“

”اور وہ... فولادی کا کیا قصہ تھا۔“
 ”کچھ بھی نہیں.... میں نے تقریباً آدمی سے گفتگو کی تھی۔ وہ یقیناً جرت اگر نہیں ہے اور اس کا خالق اگر نہ امی پر آمادہ ہو جائے تو دنیا کی بڑی طاقت اُسے نکالت نہیں دے سکتی۔“

پھر اُس نے وہ سب کچھ بھی بتایا جو اس سلسلے میں دیکھ چکی تھی۔ کس طرح وہ زمین پر اُتراتا تھا اور کس طرح وہ روشنی میں نہاگئی تھی اور فولادی کس طرح لوگوں کے حملہ کر سکتا تھا۔
 جید جرت سے سنا تھا اور جب وہ خاموش ہوئی تو اس نے کہا۔ ”میں ابھی تک اُسے نہیں دیکھ سکا۔“

”پھر تم لوگ ہر میں کو کیا علاش کر سکو گے۔“

”میں ذاتی طور پر صرف تم لوگوں کی گھات میں ہوں۔“

”مشکل ہے.... اگر تم نے گروہ کو گرفتار بھی کر لیا تو کیا ہو گا۔ کیا تم اُس آدمی تک بھی بخی سکو گے جو سر غذہ ہے۔ پہلے بھی تو تم نے کچھ آدمیوں کو گرفتار کیا تھا۔ پھر کیا ہوا۔ کیا مذاہات پر رہا نہیں ہو گئے۔ جن لوگوں نے مذاہات دی تھی اب انہیں مٹلو۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہ لے گا۔ بابا کا خیال ہے کہ سر غذہ تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔“

جید اس پر کچھ بھی نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد نیلم اٹھتی ہوئی بولی کہ وہ اس سے کہیں نہیں خالی کرائے گی۔ حالانکہ جید اب کہیں جھوڑ دیئے پر تیار تھا۔



فولادی عشرت روڈ کے چوراہے پر کھڑا تھا اور سڑک کے دونوں طرف میلہ ساگا ہوا تھا۔
 لوگ اُسے دیکھنے کے لئے پیسوں کے مل اچھل رہے تھے۔

چوراہا نو بجے کے بعد خالی ہو جاتا تھا کیونکہ اس وقت یہاں ٹریک کا اڑدہام نہیں ہوتا تھا۔
 فولادی نے اس چوراہے پر پہنچتے ہی اعلان کیا تھا کہ وہ آزمائشی طور پر اس وقت ٹریک کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔

لوگ جرت سے دیکھ رہے تھے کہ وہ بالکل کسی آدمی ہی کی طرح ٹریک کو رکنے اور گذرنے کیلئے اشارہ کر رہا تھا۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی چاروں طرف دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

نیلم کچھ نہ بولی۔ حید اس کی طرف جواب طلب نظرتوں سے دیکھ رہا تھا۔ نیلم نے ایک طویل سانس لی اور پھر کچھ سوچی ہوئی بولی۔ ”میری ماں.... وہ بچی.... طوفان.... ادا..... میرا باپ بھی اسکلگھ تھا۔ ہر آدمی آزاد تھا۔ باہمی توان کے اصول پر وہ لوگ کام کرتے تھے اور نفع آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اتفاقاً میں میرے باپ سے جھگرا ہو گیا اور اس نے انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس پر میری ماں نے شاید ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ اس کی اطلاع پولیس کو دے گی کہ اس کا قتل کیوں ہوا ہے اور وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک اندر جیری رات تھی۔ جب میرے باپ کے قائل نے میری ماں کو بھی ختم کر دینا چاہا۔ وہ مجھے گود میں اٹھا کر مکان سے نکل گئی۔ اسی دوران میں بارش ہونے لگی اور میری ماں مکان سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ لیکن اس نے پچھا نہیں چھوڑا۔ آخر ایک دیران جگہ پر اس نے اُسے بھی گولی مار دی۔ بابا ہے اُس کے نہ رے ارادے کی اطلاع ہو گئی تھی برابر اس کا تعاقب کرنے تھا۔ مگر وہ میری ماں کو موت کے منہ سے نہ بچا سکا۔ اُس نے پہلے ہی اُس آدمی کو اسی حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ بارش ہو رہی تھی اور میں اپنی ماں کی لاش سے چھپی ہوئی جی رہی تھی۔ یہ مجھے بابا ہی نے بتایا تھا وہ میں اتنی جھوٹی تھی کہ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔ لیکن اب مجھے اُس نہیں سی پنج پر ترس آتا ہے، تم خود سوچو۔۔۔ میرے خدا۔“

اُس کی آواز بھر گئی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے بجائے ایک وحشیانہ سی چمک تھی۔ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”بابا مجھے نہیں بتاتا کہ وہ کون تھا۔ زندہ ہے یا مر گیا۔ اب گروہ سے متعلق ہے یا کہیں اور ہے۔ میں اُس وقت تک اسی طرح سلگتی رہوں گی جب تک کہ اُس نہیں سی بے بس پنجی اور اُس مظلوم عورت کا انتقام نہ لے لوں جس کی لاش رات بھر بارش میں بھیکتی رہی تھی۔“

”اس سلسلے میں اگر کسی اٹچ پر خدمت کی ضرورت محسوس ہو تو مجھے نہ بھولنا۔“

”شکریہ۔“ نیلم نے کہا۔ ”میں شاید اکیلے ہی یہ مسئلہ حل کرنا زیادہ پسند کروں گی۔“

”موٹے سے میرے متعلق کیا پوچھ رہی تھیں۔“

”آن لوگوں کو شبہ ہو گیا تھا کہ میں تم لوگوں سے مل گئی ہوں۔“

”تمہارا اطريق کا رہتی شبہ میں بتلا کر دیئے والا تھا۔“

”ہو گا۔“ اُس نے لاپرواں سے شانوں کو جیبیش دی۔ ”مجھے ایسی یاتوں کی پرواہ نہیں ہوتی۔“

ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا جا رہا تھا۔ ”بڑے شرم کی بات ہے کہ آپ لوگ رفتار کا خیال نہیں رکھتے۔ ذرا ذرا سی باتیں ہی معاشرے کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ خدا کے لئے پندرہ میل سے زیادہ رفتار رکھتے۔ قانون کی پابندی ہر شہری کا فرض ہے۔“

میکم گذھ کے محکمہ سراج رسانی کے پرمندش و اصف نے فریدی سے کہا۔ ”آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں ہر میں کو اُس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اچھا ہی کر رہا ہے۔“

”آپ ایک قانون کے محافظ کی حیثیت سے ایسا نہیں کہہ سکتے۔“ فریدی نے جواب دیا۔ ”اوہ.... وہ دوسری صورت ہے۔ مگر یہ تو بتائیے کہ ہم کب تک بے بسی سے اُسے دیکھتے رہیں گے۔“

”جب تک کہ اس سے کوئی غیر قانونی حرکت نہیں سرزد ہوتی۔ حالانکہ یہ بجائے خود ایک غیر قانونی حرکت ہے لیکن کم از کم ہمیں اسے سمجھنے کا موقع تو ملتا ہی چاہئے۔ آج میں اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”پھر کیا میں اسے ادھر بلااؤں۔“

”نہیں.... خواہ مخواہ بھیڑا کٹھی ہو جائے گی۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں خود ہی جا رہا ہوں۔“ وہ سڑک پار کر کے فولادی کے قریب پہنچ گیا۔ لوگ سورچا نے لگے کیونکہ آج تک کسی نے بھی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

”فرمائیے جتاب۔“ فولادی نے فریدی کے قریب پہنچنے پر کہا۔

”میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔“ فریدی نے خلک لجھے میں جواب دیا۔

”میرے لائق کوئی خدمت۔“

”ہاں تم دوسروں کو قانون کا احترام کرنا سختاتے ہو لہذا میں قانون ہی کے نام پر تم سے کہتا ہوں کہ چپ چاپ اس پولیس کا رہیں پہنچ جاؤ۔“

”کیوں جتاب۔“

”ہم تمہیں پولیس اسٹشن لے جا کر تم سے گفتگو کریں گے اگر تم ہمیں مطمئن کر سکے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا اور نہ ہی ہو گا جو مشتبہ آدمیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔“

”میں آدمی تو نہیں ہوں جتاب۔“

”ہم دراصل بھی دیکھنا چاہئے ہیں کہ تمہیں کس خانے میں رکھا جائے۔“

”یہ کیوں نہیں کہتے کہ پولیس اسٹشن پر کچھ ماہرین مجھے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔“

”تم میں رکھا جائی کیا ہے کہ سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔“ فریدی نے خلک لجھے میں کہا۔ فولادی پہنچنے لگا پھر بولا۔ ”ابھی تک مجھے صرف دو ہی آفیس ہیں، جو مجھ سے خائف نہیں ہوئے۔ ایک تو ایک لڑکی تھی اور دوسرے آپ ہیں جتاب۔ میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ پڑھاتا ہوں۔“

”تم میرے ساتھ چلنے سے انکار کر رہے ہو۔“

”نہیں جتاب.... میں تیار ہوں لیکن خطرے سے آپ کو پہلے ہی آگاہ کر دوں۔ پہلی بات کسی کو بھی اجازت نہ ہو گی کہ وہ میرے قریب اُکر میرے میکنزیم کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اگر کسی نے بھی مجھے توڑنے پھوڑنے یا کسی اور قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو نتاںج کی ذمہ داری سراسر آپ پر ہو گی۔ اگر آپ کو یہ منظور ہو تو ضرور لے چلنے مجھے۔“

”میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ اس قسم کی کوئی بات نہ ہونے پائے گی۔“

”چلنے... میں تیار ہوں۔ لیکن اگر آپ اس کار میں لے جانے کے بجائے کسی کھلے ہوئے ٹرک کا انتظام کرتے تو بہتر تھا۔ آپ میراقد تو دیکھ رہے ہیں۔“

”ٹرک کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ تم ابھی بیٹیں ٹھہرو۔“ فریدی نے کہا اور سڑک پار کر کے پھر دیکھ کے پاس آگیا۔

”دو تین منٹ بعد انہیں ایک ٹرک مل گیا۔ فولادی کھلے ہوئے حصے پر جا چڑھا۔“ واصف ذرا سمجھو کے ساتھ بیٹھا لیکن فریدی فولادی ہی کے قریب رہا۔

راہ میں اُس نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ فولادی سے بھی آواز نہیں آئی۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی البتہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی اور دور دور تک پھیل رہی تھی۔

لوگ سڑکوں کے کنارے کھڑے طلق چلا چڑا کر جیخ رہے تھے۔ انہیں شاید فولادی سے زیادہ فریدی پر حیرت تھی، جو فولادی کے قریب ہی ٹرک کے کنارے سے نکلا ہوا تھا۔ کیونکہ عوام کے لئے گوشت و پوست کا پہلا آدمی تھا، جو فولادی سے اتنا قریب دیکھا جا رہا تھا۔

"تم پر اعتماد ہے لیکن ان سکوں پر اعتماد نہیں ہے جو تمہیں بطور مالی امداد بڑی طاقتون سے ملتے ہیں۔"

"بہر حال میں تمہیں وارنگ دیتا ہوں کہ اگر تم نے پندرہ دن کے اندر اندر خود کو ظاہر نہ کر دیا تو بہت بڑی طرح لائے جاؤ گے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "اچھی بات ہے۔ مجھے اس وارنگ پر غصہ نہیں آیا۔ میں تمہاری بھلائی کے لئے کام کرتا رہوں گا۔ یہاں تکمیل گذھ میں ایک نئی سڑک بنانے کا پلان مرتب کیا گیا ہے مگر جس علاقتے سے سڑک بکالی جائے گی وہاں کے پہلا سخت ہیں ابھی بک یہ نہیں سوچا جاسکا کہ انہیں توڑنے کے لئے کون ساطریقت اختیار کیا جائے۔ اس کے لئے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ کسی دن وہ پہاڑ زینہ رو زینہ ہو جائیں گے۔"

ٹھیک اُسی وقت فولادی سر سے بیرون تک شعلہ ہو گیا اور ساتھ ہی کسی کی چیخ بلند ہوئی۔ دور کھڑے ہوئے کاشیلوں میں ہنگڈہ چیخ گئی۔ فولادی نے غرا کر کہا۔ "دیکھا تم نے... کسی نے مجھ پر پھر بھینکا تھا لیکن وہ پھر اتنی ہی قوت سے واپس ہو گیا جتنی قوت سے پھینکا گیا تھا۔ لیکن میں نے غلطانہ کہا تھا کہ تم پر اعتماد نہیں کیا جاسکت۔ اب میں جارہا ہوں۔"

یک بیک فولادی اُسی طرح شعلہ جو الہ بنا ہوا فضا میں بلند ہو گیا۔ کچھ دور پر ایک کاشیل زمین پر پڑا ترپ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ فولادی کی طرف سے لوٹا ہوا پھر اس کے سر پر پڑا تھا۔ پھر بہت وزنی تھا اور کافی قوت سے لگا تھا۔ اس لئے اس کی شکل بھی نہیں پچھانی جا رہی تھی۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ پھر کس نے پھینکا تھا۔

طوفان

میلے کی رو نقیل شباب پر تمہیں۔ چاند کی گیارہویں تھی اور مطلع بھی ایر آکوڈ نہیں تھا۔ خلفاں چاندنی کھیت کر رہی تھی اور قاسم اُس کھیت میں اوٹ کی طرح منہ اٹھائے کھڑا ٹھنڈی آئیں۔ بھر رہا تھا۔ آئیں اس لئے بھر رہا تھا کہ اب نیلم اس بڑی موچھوں والے میں دلچسپی لینے لگی تھی جس نے اسے نیلم سے عشق کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

کو تو الی پہنچ کر فریدی بڑک سے کو دیا اور اسی کے حکم سے کو تو الی کا پھاٹک بند کر دیا گیا۔ "نیچے اُترا آؤ۔" اُس نے فولادی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ایک بار پھر میری شر اٹیا دار رکھئے۔" فولادی نے کہا۔

"اُرے.... آؤ بھی نیچے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تم میں رکھا ہی کیا ہے۔ کیا تمہارے ڈھانچے میں جا بجا ٹیلیو ٹیشن کیسرے کے لینس نہیں ہیں اور یہ تمہاری کھوپڑی سے نکلنے والی روشنی اپنے حیطہ عمل کی ساری چیزوں کا عکس اس پر دے سکتے ہیں پہنچاٹی۔ جہاں ایک جوڑ بیٹھا ہوا تم سے کام لے رہا ہے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "نہیں دوست تم اپنے خادم ہر میں کو چور نہیں کہہ سکتے وہ تمہاری بھلائی کے لئے کام کرتا رہا ہے۔ اتنا یاد رکھو اگر تیزی بجگ ہوئی تو ایشیا ہندر ہو جائے گا۔ کیونکہ بڑی طاقتیں اس بار ایشیا ہی کو اکھاڑہ بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ مجھے سکون سے کام کرنے دوں میں سب کے دانت کھٹے کر دوں گا۔ مجھے جنگ اور جنگ بازوں سے نفرت ہو گئی ہے۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہے.... تم نیچے آ جاؤ.... تفصیل سے گفتگو ہو گی۔"

"تم مجھے ایماندار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" فولادی سے آواز آئی اور وہ نیچے اتر آیا۔ فریدی نے وہیں کو تو الی کے صحن میں ایک بڑی میز ڈالوادی۔ کچھ کرسیاں رکھ دیں گئیں اور فریدی چند بڑے آفسروں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ فولادی مجرموں کی طرح سامنے کھڑا رہا۔

"ڈاکٹر ہرمن میں تم سے مخاطب ہوں۔" فریدی نے پروگار بجھ میں کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم کوئی نہ ارادہ نہیں رکھتے لیکن اگر تم باقاعدہ طور پر ہماری حکومت سے تعاون کرو تو کیا ہرج ہے۔"

"تعاون.... نہیں.... یہ ناممکن ہے۔ ایشیا کے سارے حمالک کسی نہ کسی بڑی طاقت کے دوست ہیں۔ اُس سے مالی امداد ایتھے ہیں اس لئے میں اعتماد نہیں کر سکتا۔"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں.... قطعی.... لیکن تم ہر حال میں مجھے اپنادوست پاؤ گے۔"

"تم ہمارے دوست کس طرح ہوئے جب ہم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔"

وہ انہیں ساتھ دیکھتا اور اس کے سینے پر سانپ نہیں بلکہ اڑو ہے لوت جاتے۔ اس وقت ایک جگہ خاموش کھڑا نہ کچھ سوچ رہا تھا اور نہ کچھ کر بیٹھنے کا رادہ رکھتا تھا۔ اس وقت تو حقیقت اُسے ”غدید بھائی“ کی یاد سترہی تھی۔ اُس کا خیال تھا اگر حمید یہاں موجود ہوتا تو اس کی مشکلیں یقین طور پر آسان ہو جاتیں۔ کبھی اُسے اس بڑی موجھوں والے پر غصہ آتا اور کبھی دل چاہتا کہ اُس سے بڑے شریفانہ انداز میں پوچھ کر آخر اُس نے یہ کیا کیا؟ اگر خود اُسے ہی نیلم سے عشق کرنا تھا تو پھر خواہ خواہ وہ ساری باتیں کیوں کہی تھیں؟

قاسم پر چرچ عشق سوار تھا۔ علامت اس کی یہ تھی کہ بعض اوقات اس کے ذہن میں اور پہاگ اشعار گونجنے لگتے تھے۔ وہ انہیں گنتگانے کی کوشش کرتا یہیں کامیابی نہ ہوتی۔ وہ سوچتا کہ تو بہت نہ ہوا۔ اب اُسے راتوں کو نیند نہ آئے گی اور اس کی خوراک بھی کم ہو جائے گی کیونکہ عشق کے متخلق اس نے یہی سن رکھا تھا اور دو چار عاشق بھی اُس کی نظریوں سے گزرے تھے دیسے یہ اور بات ہے کہ نشاط کا عملہ اس کی مزید کھلی ہوئی بھوک سے نک آگیا ہو۔

لوگ رنگ زلیاں مٹا رہے تھے لیکن قاسم کسی بے آب و گیاہ پہاڑ کی طرح اداں کھڑا تھا۔ قریب ہی لگے ہوئے جھولے کی چرچ چوں اُسے بہت گراں گذرزہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا جھولے پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی نالگیں پکڑے اور کھنک کر جھیل میں پھینک دیے۔ پھر اُس نے سوچا کیوں نہ یہی برداشت بڑی موجھوں والے کے ساتھ کرے۔ اُس کے قدر اٹھ گئے۔ وہ حمید کے کیمین کی طرف جا رہا تھا۔

حمد کیمین کے دروازے پر کھڑا نظر آیا لیکن تھا تھا۔ اُس نے قاسم کو آتے دیکھ لیا۔ ”وہ یہی محسوس کر چکا تھا کہ قاسم اُسے غصیلی نظریوں سے گھوٹا رہتا ہے۔

”سلام کیم بھائی صاحب۔“ حمید نے بڑے جوش و خروش سے اُسے سلام کیا۔

”والے قم۔“ قاسم نے غصیلی آواز میں جواب دیا اور اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

”موسم برا حسین ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ہو غاسلا...!“ قاسم غریباً۔

”کچھ خفا ہو بڑے بھائی۔“

”کچھ کھفا...!... ہو...!... باڑے...!... بھائی۔“ قاسم نے ہاتھ نچا کر جلے بھنے انداز میں اُس

لے دیا۔

”ضرور خفا ہو...! آو چلو ٹھہل آئیں۔“

”تھے...! تم جھوٹے ہو...! دعا باز ہو۔“

”کیوں...?“

”تم نے کہا تھا۔“ قاسم کی آواز دردناک ہو گئی اور کسی باحیا عورت کی طرح سر جھکا کر اپنی گلیاں مروڑتا ہوا بولتا۔ ”تم نے کہا تھا کہ وہ...! مم...! مجھ سے...! یعنی...! کہ...! مجھے پسند تی ہے۔“

”کون...! آپ کس کی بات کر رہے ہیں جتنا ب۔“

”وہی پتوں والی۔“

”اوہ...! وہ...! حمید خوش ہو کر بولا۔“ جی ہاں...! جی ہاں...! وہ بھی بھی کہتی ہے۔“

”تم جھوٹے ہو۔“

”کیوں...! میں جھوٹا کیوں ہوں۔“

”تم اُسے ساتھ لے پھرتے ہو۔“

”تو اس سے کیا ہو تاہے۔“

”اُسے وہ...!“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”کچھ ہوتا ہی نہیں۔“

”ہاں...! کیا ہو تاہے۔ میں تو اسے مشورے دیا کرتا ہوں۔“

”کیسے مشورے۔“

”بھی بات دراصل یہ ہے کہ تم بالکل پہاڑ خال ہو اور اس لئے وہ تم سے ڈرتی بھی ہے۔ وہ تھا ہے میں کس طرح اُس سے اظہار محبت کروں۔ اگر وہ خفا ہو گیا تو...!“

”کرے...! وہ...! الاقنم...! وہ کر کے بھی تو دیکھیں اظہار محبت...! میں بالکل کھنا میں ہوں گا۔“

”اچھی بات ہے...! اب میں تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گا۔ مگر یا تم خود ہی کیوں نہیں

رستے اظہار محبت۔ وہ خوشی سے مر جائے گی۔“

”تم خود مر جاؤ۔“

کرتے رہتا۔ پھر دبی زبان سے کہہ دیتا کہ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔

”اُرے باپ رے۔“ قاسم ہانپتے لگا پھر بولا۔ ”پھر وہ کیا کہے گی۔“

”پھر اُسے جو کچھ بھی کہنا ہو گا کہے گی۔ اُرے کہے گی کیا۔ یہی کہے گی کہ میں بھی آپ کے

لئے دن رات نافیاں کھاتا رہتی ہوں۔“

”میں نہیں سمجھا۔۔۔ نافیاں۔“

”مطلوب یہ کہ میں بھی دن رات آپ کے لئے تراپتی رہتی ہوں۔“

”الا قسم۔۔۔!“

”ہاں بھی۔“

”پھر کب۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔!“

”اُبھی اور اسی وقت۔“ حمید نے کہا۔ ”اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ ہو سکتا ہے

کل آسمان بادلوں سے ڈھکار ہے لہذا اس حسین چاندنی سے فائدہ اٹھاؤ۔“

”پتہ نہیں کہاں۔۔۔ وہ کہاں ہو۔“ قاسم نے کہا اور اپنے خشک ہوتے ہو نٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

”وہ اس وقت اپنے کیمین میں ہے۔“

”مگر وہ آنے ہی کیوں گئی۔“

”ہاں اس طرح تو نہیں آئے گی۔ تم اس سے یہ کہنا کہ بڑی موچھوں والے نے بلا یا ہے بس

وہ کجھ جائے گی۔“

”لیا کجھ جائے گی۔“

”یہی کہ میں نے اس کی سفارش کر دی ہے اور تم اظہار محبت کے لئے اُسے جھیل کے

نارے لے جانا چاہتے ہو۔ تم اس سے یہ کہنا کہ بڑی موچھوں والا چاندنی رات میں جھیل کے

نارے انتشار کر رہا ہے۔“

”ابے دل دھڑکتا ہے پیارے بھائی۔“ قاسم پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

”مرد نہ۔۔۔ جاؤ۔۔۔ میں اس قسم کے مشورے ہر ایک کو نہیں دیتا۔ تم سے نہ جانے کیوں

تھی محبت ہو گئی ہے۔“

”اے بڑے بھائی یہ محاورہ ہے۔ خوشی سے مر جاتا۔ مطلب یہ کہ شادی مرجگ۔“

”شادی بھی کر لے گی۔“ قاسم خوش ہو کر بولا۔

”نہیں شادی تو شاید نہ کرے کیونکہ شادی وہ کسی ایسے آدمی سے کرنا چاہتی ہے جس یہوی ابھی زندہ ہو۔“

”اللہ قسم۔۔۔ میری چیلی یہوی ابھی بالکل زندہ ہے۔“ قاسم ابک کر بولا۔

”سب تو تمہاری چاندنی ہی چاندنی ہے۔ وہ تیار ہو جائے گی۔“

”پھر میں کیسے اظہار محبت کروں۔“

”آؤ۔۔۔ اندر بیٹھو۔۔۔ اطمینان سے گفتگو ہو گی۔ میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتا تم خواہ خواہ میری طرف سے بد گمان ہو گئے ہو۔“

”جلو۔۔۔ جلو۔۔۔!“ قاسم اس انداز میں بولا۔ جیسے کچھ دیر پہلے اسے اس پر غصہ ہی نہ وہ دو دو نوں سکیں میں آپسیں۔

”تم خود ہی اس سے دور دور رہتے ہو۔ اسی لئے وہ تم سے بولتے ہوئے ڈرتی ہے۔“

”کہا۔ ابھی آج ہی کہہ رہی تھی کہ کہیں میں سر ہی نہ جاؤں۔“

”اُرے۔۔۔ وہ۔۔۔ میریں اس کے دشمن۔“

”بُل بُل تم اظہار محبت کر دalo، ورنہ وہ حقیقت مر جائے گی۔ وہ کہتی ہے پتہ نہیں تمہیں پرواہ ہے بھی یا نہیں۔“

”میں اظہار محبت کیسے کروں۔ مجھے کرنا نہیں آتا۔“ قاسم گڑ گڑایا۔

”ہائیں تمہارے والدین نے تمہیں اظہار محبت کرنا بھی نہیں سکھایا۔“

”یہی تو مصیبت ہے پیارے بھائی۔ میں بالکل چھوٹا تھا۔ تب ہی والدین مر گئے تھے۔ نے خلاف تو قع بڑی صفائی سے جھوٹ بولا اور حمید تحریر گیا کیونکہ قاسم نہیں جانتا تھا کہ کیسے بولا جاتا ہے۔

”خیر نہ ہو۔۔۔ میں بتاتا ہوں۔ اظہار محبت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ہو۔ چاندنی رات اور دریا کا کنارہ ہو تو کیا کہنا۔ یہاں یہ دونوں آسانیاں نصیب ہو سکیں گی

چاندنی رات ہے اور سامنے یہ جھیل ہے۔ اسے جھیل کے کنارے لے جا کر ادھر ادھر کی

"اچھا...!" قاسم نے دانت بکال دیئے۔

"بس اب جاؤ۔"

"قاسم باہر نکل کر نیلم کے سین کی طرف چل پڑا۔



نیلم نے جھیل کے کنارے پہنچ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"وہ کہاں ہے۔"

"وہ.... وہ.... ابھی تو سیل تھا۔" قاسم ہکلایا۔

پھر اس نے محسوس کیا کہ نیلم اُسے گھور رہی ہے۔ اُسے فور آیاد آگیا کہ ہدایت کے مطابق اُسے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دینی چاہیں۔

"وہ دیکھئے.... مطلب یہ کہ ادھر کی بات یہ ہے.... یہ جھیل ہے تا۔۔۔ یہ چاند ہے تا۔۔۔ اور ادھر کی بات.... یا.... خدا.... خدا جانے.... اور ادھر کی بات یعنی ادھر ادھر کی باتیں۔"

"کیا آپ نئے میں ہیں۔" نیلم نے پرسکون لجھ میں پوچھا۔

"تم لے لجھے جو آج تک شراب چکھی ہی ہو۔"

"پھر انہوں یا چاند سے شوق کرتے ہوں گے۔"

"اڑے تو بہ تو بہ۔" قاسم زور زور سے اپنے گالوں پر تھپر مارنے لگا۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔" نیلم نے غصیل آواز میں کہا۔

"اڑے بھائی صاحب۔" قاسم نے بوکھلا کر شاہد حمید کو آوازوی اور پھر دونوں ہاتھوں منہ بند کر کے ہکلانے لگا۔

"ویکھئے.... ادھر.... ادھر کی باتیں تو کرچکا۔۔۔ اب دیکھئے.... چاندنی کے کنارے۔۔۔ جھیل ہو گیا ہے۔"

"آپ آدمی ہیں.... یا ہوتے....!"

"جی ہاں آدمی.... نہیں ہوتے.... مم مگر.... ہوتے کہتے ہیں۔"

"آئینے میں شکل دیکھتے وقت سوچا کرو کہ ہوتے کہتے ہیں۔"

"بہت بہتر.... اب سوچا کروں گا۔" قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اسے دراصل جدا

دوسری ہدایت یاد آگئی تھی۔ یعنی دبی زبان سے اٹھار محبت کرنا۔
دبی زبان سے کیسے؟ اُس نے سوچا۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے میں دانتوں تلے زبان دبا کر
بول۔ "آپ سے جتنے ہے۔"
"میا.... میں نہیں سمجھی۔"

"آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔" قاسم نے زبان کو دانتوں کے دباؤ سے آزاد کر کے کہا۔
"میا کہا تھا ابھی آپ نے۔"

"جو کچھ کہا تھا دبی زبان سے کہا تھا.... جی ہاں.... جی ہاں.... اور آپ بالکل فکر نہ کیجھے
میری بیوی ابھی زندہ ہے۔"

نیلم دو چار قدم پیچھے ہٹی اور ایک بڑا سا پھر اٹھا کر بولی۔ " بتاؤ مجھے یہاں کیوں لائے تھے،
درندہ سر کے بیٹیں لکڑے کر دوں گی۔"

"اڑے باپ رے۔" قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور پھر بڑی دردناک آواز میں کہا۔ "اے....
پیارے بھائی۔"

" بتاؤ جلدی...." نیلم غرائی۔

"بہ.... بتاتا ہوں.... اٹھار محبت.... جی ہاں۔"

"اڈھے....!" نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اچھا.... زمین پر اومندھے لیٹ جاؤ۔ میں کبھی اٹھار
محبت کر دوں گی۔"

قاسم کے حلقو سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ پتہ نہیں یہ خوشی کا اٹھار تھا یا حیرت کا لیکن
کافی تھیں کی تھیں میں دیر نہیں لگائی، جیسے ہی وہ لیٹا نیلم اچھل کر اُس پر کھڑی ہو گئی۔

"اڑے.... ہائیں۔" قاسم کراہا۔

"پڑے رہو چپ چاپ۔ تم کیسے اُلوکے پٹھے عاشق ہو۔"

پھر وہ باقاعدہ طور پر اس پر اچھلنے کو دنے لگی۔

"اڑے.... اڑے.... اڑو.... ہائیں۔"

"میں اسی طرح محبت کرتی ہوں۔ چپ چاپ پڑے رہو۔"

دفعہ ایک طرف سے آواز آئی۔ ”یہ کون ہے.... کیا ہو رہا ہے۔“

اور پھر ایک آدمی دوڑتا ہوا ان کے قریب آیا۔ یہ حمید تھا۔

”یہ دیکھو.... یہ ہو رہا ہے۔“ نیلم اُسی طرح اچھتی کوئی ہوئی بولی۔ ”میں اٹھاہا میر کر رہی ہوں۔“

”ہمتو.... اترو۔“ حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ نیلم اُس پر سے اتر آئی اور قام جلدی سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا۔

”اس کا دماغ چل گیا ہے۔“ نیلم غرائی۔ ”تمہاری وجہ سے صرف اتنی ہی سزا دی ہے دوز چھر اماں کر آئتیں نکال دیتی۔“

”ارے جاؤ.... جاؤ.... بڑی.... آئیں.... آئتیں نکالنے والی۔“ قاسم ہانپتا ہوا غصیل آواز میں بولا۔ ”تم نے ابھی مجھے الوکا بچھا کہا تھا۔ تم خود الوکی پڑھی۔“

”ارے ہاں ہاں۔“ حمید بول پڑا۔

”تم چپ رہو رہتے تھہاری موچھیں اکھاڑلوں گا۔“

”تم کیا اکھاڑو گے۔“ نیلم نے کہا۔ ”ذرائع اکھاڑو تو.... اتنے ہاتھ پڑیں گے کہ واپسی کے لئے راستہ بھائی دے گا۔“

حید نے سوچا کہ اب اس کی شامت آجائے گی۔ یعنی قاسم جھینپ مٹانے کے لئے اُس کے ٹوٹ پڑے گالہندا وہ اچھل کر دور ہٹ گیا۔

”اب بھاگتے کیوں ہو بیٹا۔“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”کھڑے رہونا.... میں تمہاری ہٹا بناڑاں ہوں گا۔ تم نے مجھے دھوکا دیا۔“

ٹھیک اُسی وقت سنائے میں ایک گرجدار آواز گوئی۔ ”ہمث جاؤ.... جھیل سے ایک فرائند کے فاصلے پر ہٹ جاؤ۔“ جھیل کے قریب والے کیben خالی کرو۔ طوفان ادھر سے گزرے گا۔“

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ آواز پھر آئی۔

”فولادی۔“ نیلم بڑا بڑا۔ ”یہ آواز فولادی ہی کی ہے بھاگو۔“

نیلم دوڑنے لگی۔ اس کے پیچے حید بھی دوڑا۔ قاسم کے لئے البتہ دشواری تھی۔ وہ نہ نہ

دوڑ سکتا تھا۔ پھر بھی وہ گرتا پڑتا کھاگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اُس نے دیکھا کہ لوگ کیبنوں سے نکل نکل کر بھاگ رہے ہیں۔ سور کی وجہ سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ قاسم بھی بھاگنے والوں کی بھیڑ میں جاما۔

اچانک ایک تیز قسم کی روشنی جو چاندنی پر حاوی ہو گئی تھی۔ چاروں طرف پھیل گئی۔ ایک اوپھی چٹان پر فولادی کھڑا کہہ رہا تھا۔ ”ٹھیک ہے تم طوفان کی زد سے نکل آئے ہو۔ لیکن اگر جھیل کے قریب والے کیبنوں میں کچھ لوگ رہ گئے ہیں تو انہیں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھولینا چاہئے۔ پانچ منٹ بعد طوفان ان کے پرچھے اڑادے گا۔ ادھر آ جاؤ۔۔۔ کیben چھوڑ دو، یہ مذاق نہیں ہے میں بالکل صحیح اطلاع دے رہا ہوں۔“

قاسم کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس کے لئے بھی یہ پہلا ہی اتفاق تھا۔ ویسے اس نے فولادی کے متعلق ضرور سنا تھا۔ اچانک اس نے دو آدمیوں کو اس چٹان کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ نیلم اور حمید تھے۔ لوگ شور چاہنے لگے۔

”ادھر کون آ رہا ہے۔“ فولادی سے آواز آئی۔ ”دیکھو تم لوگ مجھ پر پھر وغیرہ مت پھیکتا۔“

تم دونوں ادھر کیوں آ رہے ہو۔ اوہ.... تم ہو لڑکی.... آؤ آؤ.... یہ دوسرا کون ہے۔“

آن دونوں نے جواب میں جو کچھ بھی کہا وہ کوئی نہ سن سکا کیونکہ جمع اُن سے کافی دور تھا۔

البتہ فولادی کی آواز میلیوں تک پھیلی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

قاسم کی کھوبڑی گھوم گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ فولادی کو کشتی کے لئے لکار دے تو اس سے نیلم پر کافی رب عب پڑے گا۔

وہ بھی اُسی طرف بڑھا اور لوگ اُسے گھورنے لگے۔

”اب کون آ رہا ہے۔“ فولادی سے آواز آئی۔ حمید اور نیلم اس کے قریب پیچ کچھ کچھ تھے۔

”میں آ رہا ہوں۔“ قاسم دھاڑا۔ ”تم سے کشتی لڑوں گا۔“

فولادی کے قیقبے کی آواز دور تک پھیلتی چل گئی۔ قاسم بھی آگے بڑھتا رہا۔

”ابے کیوں شامت آئی ہے۔“ قاسم نے حمید کی آواز سنی۔

”اس کے بعد تم سے نپڑوں گا۔“ قاسم نے جواب دیا۔

”آئے دو.... آئے دو۔“ نیلم نے کہا۔

”آرہا ہوں۔“

”واپس جاؤ دوست۔“ فولادی سے آواز آئی۔ ”میں تمہارا ذیل ڈول دیکھ رہا ہوں لیکن فولاد سے کیا لڑکوں گے۔ اگر اپنے ہاتھ پر توڑ میختے تو مجھے بھی افسوس ہو گا۔“ پھر قاسم کی آواز کوئی نہ سن سکا کیونکہ فولادی دوبارہ گرجنے لگا تھا۔ ”سبھلو طوفان آ رہا ہے لیٹ جاؤ... تم سب شمن پر لیٹ جاؤ۔ ورنہ تمہارے قدم ڈگ کا جائیں گے۔ تم کھڑے نہ رہ سکوں گے اور پھر قیامت شروع ہو گئی۔ لکڑی کے کینیں اڑانے لگے۔ بڑی خوفناک آوازیں تھیں۔ ا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے ٹلمات کی اساطیری کہانیوں کی بلائیں اپنی کینیں گا ہوں سے نکل پڑی ہوں لوگ اسی طرح چیخ رہے تھے۔ جیسے وہ بیدر دمی سے ذرع کے جارہے ہیں۔ پتہ نہیں وہ بارش کی بو جھازیں تھیں یا جھیل کا پانی طوفان کے زور میں آ رہا تھا۔ جھیل کے کنارے والے کینیں؟ زدن میں اڑ گے۔“

”گبراؤ نہیں.... گبراؤ نہیں۔“ فولادی چیخ رہا تھا۔ ”اگر ان کینیوں سے سب نکل آتے تو جانی نقسان کا احتمال نہیں ہے۔“

لقریباؤں منٹ تک ہنگامہ برپا رہا پھر سکون ہو گیا۔ فولادی بڑی تیزی سے فضائی بلند ہو جا رہا تھا۔

سنگریزوں کی بارش

بے خبری کے عالم میں اگر اچانک کسی قسم کی غیر متوقع آواز سنائی دے تو لوگ چوکہ پڑتے ہیں۔ پھر وہ تو ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکہ۔ نہ جانے کتنے ہی کمزور دل کے لوگ یہوڑا ہو کر سڑکوں پر گر گئے۔ جنہیں ذرا بھی ہوش تھا انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی ٹانگکیں بچھے جسم سے الگ ہو گئی ہوں۔ وہ میراثاٹا چاہتے ہیں لیکن کامیابی نہ ہوتی۔

پھر اس کے بعد ہی ایک دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ نہ کہاں سے ننھے ننھے سنگریزوں کے بادل کیمکم گذھ پر ثبوت پڑے۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مکانوں کی چھتوں پر پڑے ہوئے ٹینکر ہے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر وہ سنگریزے اس طرح لگتے جیسے سویاں سی آجیوں

ہوں۔ ذرا ہی سی دیر میں سڑکیں دیران ہو گئیں لیکن پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر پولیس حرکت میں آگئی۔ سڑکوں پر سنگریزے کاروں کی پیسوں کے نیچے ایسے معلوم ہوتے جیسے وہ کاریں کسی ریگستان میں چل رہی ہوں۔ زمین کی سطح پر ان کی تہہ کم از کم دو اچھے ضرور موٹی ریڑی ہو گی اور پر سنگریزے رائی سے بڑے نہیں تھے۔

طوفان کی اطلاع میلے سے پولیس کے واڑیں پر پہلے ہی بھیجا چکی تھی۔ لیکن طوفان کا رخ بھتی کی طرف نہیں تھا۔ پھر یہ اتنے سنگریزے کے کہاں سے اور کیسے آئے۔ اگر وہ طوفان ہی کے ساتھ آئے تھے تو ہوا کا زور کیوں نہیں محسوس کیا جاسکا؟ طوفان ہی آیا ہو تا تو سنگریزوں کی تھیں کیسے جم جاتیں۔ ہوا کا زور انہیں بھی اڑائے چلا جاتا اور پھر وہ دھماکہ کیسا تھا؟ اور کہاں ہوا تھا؟

ٹھیک دس بجے لوگوں کی حیرت رفع ہو گی۔ کیونکہ ایک بار پھر ڈاکٹر ہر مین ملکی برادر کا شفق میں خلل انداز ہو رہا تھا۔ سارے ملک کے ریڈیو اس کی آواز ریسیو کرنے لگے وہ کہہ رہا تھا۔

”میں ڈاکٹر ہر مین آپ سے مخاطب ہوں۔ ٹیکم گذھ کے شمال میں جو پہاڑ سڑک نکالنے کی اسکم میں حارج ہو رہا تھا اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔ ٹیکم گذھ کے باشندوں نے پکھ دیر پہلے جو دھماکا سن تھا اس نے اُسے رینہ ریزہ کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی جانی و مالی نقسان نہ ہوا ہو گا۔ البتہ ٹیکم گذھ کے حکام کو تھوڑی سی عرق ریزی ضرور کرنی پڑے گی۔ شاید شہر کی صفائی میں تین دن لگ جائیں۔ ہزاروں ٹن سنگریزوں کا سینئنا آسان کام نہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اس صفائی پر جتنے بھی مصارف ہوں گے ان سے کہیں زیادہ قیمت ان سنگریزوں کی ہو گی۔ یہ سنگریزے عمر توں کے پلاسٹر کے لئے بہترین ثابت ہوں گے۔ دریائی ریت کے پلاسٹر سے کہیں زیادہ مضبوط پلاسٹر ان سنگریزوں سے تیار کیا جاسکتا ہے۔ اب بھی اگر آپ ہر مین کو اپنا خادم نہ سمجھیں تو سر اسر نیادتی ہو گی۔ آپ نہیں جانتے کہ اس پہاڑ کو توڑنے کے لئے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ ایک زبردست طوفان جو شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف جا رہا تھا اس کا رخ موڑ کر ادھر لانا پڑا اور پھر اسی طوفان نے اس پہاڑ کے پرخیز اڑا دیے۔ نہ ہر یے۔ ابھی کچھ دیر بعد آپ کا محلہ موسیات اس حیرت انگیز واقعہ کا اعلان کرے گا۔ اُسی وقت آپ میری بات پر یقین کر سکتے گے ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ اسے پریوں کے دلیں کی کوئی کہانی سمجھیں۔

”میں آپ کی بھلائی کے لئے بہت کچھ کر رہا ہوں۔ دیکھئے... اس بار اگر ملک کے کسی دریا

میں سیلاپ آیا تو آپ اس کا بھی انعام دیکھ لجھے گا۔ میں اب اجازت دیجئے۔“
کرنل فریدی کو تولی میں تھا۔ جس وقت دوسرا لوگ ریٹیو کے گرد بھیڑ لگائے ہر میں کا
ایک ایک لفظ ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فریدی فون پر جھکا ہوا چکھاڑ رہا
تھا۔ ”واصف صاحب... نہیں ہیں۔ آپ نیشن روم سے کنکٹ کرو۔ فوراً... اوہ... اتنی
دیر... نہیں... اپریٹر... زیر و نائیں کارسیوگ سیٹ کھول دو۔ جلدی... اور... آوار
آرہی ہے... نہیں ماڈھ پیس اُس کے قریب کر دو۔ میں خود سننا چاہتا ہوں۔ شکریہ...
ہاں نحیک ہے... یہ ہر میں ہی کی آواز ہے... اب دیکھو۔ اشینا کدھ اشارہ کر رہا ہے...
زاویے پر بھی دھیان رکھو۔“

”اشینا قطب نماکی سوئی کی طرح تحرک ہے جتاب۔ اس لئے سمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔
وہ کسی ایک جگہ رکتا ہی نہیں۔“

”افسوس ہے کہ تم زیر و نائیں کے استعمال سے ناواقف ہو۔... مجھے... دیکھو۔ آٹھ
سوچ ہیں۔“

”جی ہاں جتاب۔“
”بائیں طرف سے تیرا سوچ آن کر دو۔ کر دیا؟ نحیک اب دیکھو۔ اشینا کس پوزیشن
میں ہے۔“

”جی ہاں.... جتاب۔“
”بائیں طرف سے تیرا سوچ آن کر دو۔ کر دیا؟ نحیک اب دیکھو۔ اشینا کس پوزیشن میں ہے۔“
”اوہ.... یہ رک گیا ہے جتاب۔“
”سمت بتاؤ۔“

”شمال مغرب.... جتاب اور پھر کازاویہ ہے۔“
”اگلے.... دائیں جانب کا دوسرا سوچ آن کر دو۔“
”کر دیا جتاب۔“
”رزک....!“
”تمنیں رنگوں کی روشنی اسکرین پر کلپاری ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ تمن ہی رنگ ہیں۔“

”مجھے یقین ہے جتاب۔“

”شاپاٹ... دنوں سوچ آف کر کے مشین بند کر دو۔ شکریہ۔“

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ ڈاکٹر، ہر میں کہہ رہا تھا۔ ”بس اب اجازت دیجئے۔“

فریدی جیسے ہی مڑا اُس کی نظر مقامی تکمیلہ سرانگ رسانی کے ایک ڈپی پر نندھٹ پر پڑی جو
س کے پیچے ہی کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔

”یا مست معلوم ہو گئی۔“ اُس نے پوچھا۔

”نہ صرف سمت بلکہ فاصلہ بھی۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”سمت آپ کو اشینا سے معلوم ہوئی ہو گئی... لیکن فاصلہ۔“

”نہ صرف فاصلہ بلکہ کسی حد تک محل و قوع بھی۔“

”شاید آپ خوب کی باتیں کر رہے ہیں۔“ ڈاکٹر اس پر مصکنہ اڑانے والے انداز میں کہا۔
”زیر و نائیں کارسیوگ سیٹ عام نہیں ہے۔ اس لئے ہر ایک اس کے متعلق نہیں جان
سکتے۔“

”نہیں رنگوں کی روشنی کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ریسیوگ سیٹ رکھا ہوا ہے وہاں سے نشرا گا
رف سانحہ میں کے فاصلے پر ہے اور پھر ڈگری کا زاویہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر
رگاہ نے ریسیوگ سیٹ تک خط مستقیم کھینچا جائے تو وہ خط اپنے بیس سے پھر ڈگری کا زاویہ
لے گا۔ یعنی اس کیس میں نشرا گا لازمی طور پر ریسیوگ سیٹ سے کافی نچائی میں ہے۔“

”یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کیا اوپنائی سے پھر ڈگری کا زاویہ نہیں بن سکتا۔“

”یقیناً بن سکتا ہے لیکن اُس صورت میں زیر و نائیں کا اشینا قطب نماکی سوئی کی طرح
تراءے گا نہیں۔ اس تھر تھر اہٹ کا یہی مطلب ہے کہ نشرا گا ریسیوگ سیٹ کی سطح سے بہت
ماہے۔“

”لیکن اتنا معلوم ہو جانے پر بھی کیا ہو سکے گا۔“

”فی الحال میں نے اس پر غور نہیں کیا ہے۔“ فریدی نے کہا اور فون کے پاس سے ہٹ آیا۔

کوتولی سے باہر آگر اُس نے چاروں طرف نظر دوڑا اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہی رہا
کہ امر نگہ نظر آیا جو لبے لبے قدم رکھتا ہوا اُسی طرف آ رہا تھا۔

”کیوں؟ سردار...!“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں پتہ لگتا جناہ کہ فولادی پر کس نے پھر چلایا تھا۔“

”بہت اچھے امر میں اسی لئے ہی تمہاری قدر کرتا ہوں۔“

”جی...!“ امر سنگھ بوكھلا گیا۔

”میں تم پر طنز نہیں کر رہا ہوں۔ یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ تم نے آتے ہی اس دھماکے تذکرہ نہیں کیا بلکہ کام کی بات کی ہے۔ میں یہاں دوسروں کو دیکھتا ہوں جنہیں اس دھماکے اپنی ذمیثیاں چھوڑ کر بھانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تم بہت اچھے جا رہے ہو امر۔ مجھے کو حقیقتاً ہی آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے... خیر تو اس کے قریب کے لوگوں نے کیا بتایا۔“

”آن کا کہنا ہے کہ مرنے والے نے پھر نہیں پھینکا تھا بلکہ ان میں سے کسی نے بھی حرکت نہ کی تھی۔ پھر شاید ان کی پشت سے آیا تھا، لیکن ابھی تک ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل جو پھر چھکنے والے کے متعلق پکھتا تھا۔“

”کو تو ای کا پھانک اس وقت بند تھا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اور ہم لوگ صحن میں تھے پھر یہیں ہو سکتا ہے کہ پھر چھینکنے والا ہمارے ساتھ ہی کو تو ای میں داخل ہوا ہو۔“

”کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ کو تو ای ہی کے کسی آدمی نے پھر چھینکا ہو۔“

”یہ بھی ممکن ہے لیکن کسی باہری آدمی کے امکان کو بھی نظر اندازہ کرنا چاہئے۔ پھر بھی کا مقصد بھی تو ہونا چاہئے۔ یہ بچوں کا مجمع نہیں تھا۔ جدھر سے پھر آیا تھا وہاں صرف بیٹیں۔ آدمی تھے اُن میں ایک بھی آفسر نہیں تھا۔ بڑے آفسر سب میرے قریب تھے۔ لہذا انہوں میں اتنی بہت نہیں ہو سکتی کہ وہ آفسروں کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت کر بیٹھیں۔“

”جی ہاں...! یہ تو ناممکن ہے۔“

”پھر ہمیں کسی باہری ہی آدمی کی تلاش ہوئی چاہئے۔“

انتہے میں کو تو ای سے ایک کا نشیل نے آکر اطلاع دی۔ ”فون پر فریدی صاحب کی کامی ہے۔“

”آؤ...!“ فریدی نے امر سنگھ سے کہا اور پھانک کی طرف مڑ گیا۔ فون کا کمرہ خالی تھا۔ فریدی نے امر سنگھ سے باہر ہی ٹھہر نے کو کہا اور خود فون کے قریب تبا

”پہلو...!“

”کون صاحب۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”فریدی۔“

”اُڑھ... کرٹل صاحب.... دیکھئے.... میں رانا صاحب ایم۔ پی کا سیکریٹری ہوں۔ رانا صاحب آپ سے ملتا چاہتے ہیں۔“

”رانا صاحب ایم پی ملتا چاہتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا وہ یہیں ہیں۔“

”میں ہیں۔ آج ہی تشریف لائے ہیں۔ کیا آپ تکلیف کریں گے۔“

”نہیں.... میں بہت مصروف ہوں۔“ فریدی نے کلائی کی گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”فی الحال ایک گھنٹے تک کو تو ای میں رہوں گا۔ اگر وہ تشریف لانا چاہیں تو میں کچھ کچھ وقت ضرور کال لوں گا۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ فریدی ریسیور رکھتے وقت مکر ریا تھا۔



دھماکہ گھاٹم پار میں بھی سنائی دیا تھا اور وہاں بھی بدحواس چیل گئی تھی۔ اس سے قبل لوگوں نے سرا یہی چھیلائی تھی اور اب بیرون صاحب کے مقعدین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ نایک کی نہ کسی سے حزار کی بے حرمتی ہوئی ہے۔ اسی لئے اس قسم کی بلاائیں نازل ہو رہی ہیں۔

دھماکے کے بعد وہاں بھی ریت کی بارش ہوئی تھی لیکن حید کو اس کی وجہ نہ معلوم ہو سکی۔ ہال پولیس کیپ بھی تھا لیکن وہ ابھی تک اس سے بے تعلق رہا تھا۔

ریت کی بارش ہونے کے کچھ دیر بعد اس نے پولیس کیپ کی راہی۔ وہ دراصل ٹرانسیسٹر پر فریدی سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ آفسر انچارج سے اس سلسلے میں گفتگو کرتا سے بھض لوگوں کی گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ ٹرانسیسٹر میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔

وہ پھر واپس ہوا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ رات کہاں بس رکے گا۔ اس کا کیہیں طوفان کی نظر ہو چکا تھا۔ قاسم کے کیہیں کا بھی بھی حال ہوا تھا۔ ورنہ وہ اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا درنشاط کے منتظمین نے قلعی پیچارگی ظاہر کی تھی۔ شیکم گذھ کے علاقے میں بھی طوفان آتے ہی نہیں تھے۔ اس لئے حظی ماقدم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا تھا۔ بہر حال نشاط والے اس وقت کوئی

انتظام نہیں کر سکتے تھے۔

کیبین وہی تباہ ہوئے تھے جو جھیل کے کنارے بنائے گئے تھے۔ فولادی نے پہلے ہی پیش گوئی کی تھی کہ جھیل کے کنارے والے کیبین تباہ ہو جائیں گے اور اب حمید یہ سونپنے پر بھی ہو گیا تھا۔ اس طوفان میں یقیناً کوئی غیر معمولی بات تھی۔ اسے دہشتی آندھیاں یاد آئیں جن۔ ایک بار سرزین صر میں سابقہ پڑا تھا۔ لوہے کے وہ پتلے یاد آئے، جو فولادی کی طرح چل تھے، لیکن گفگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خوفناک رات آئی جب وہ اور فریدی اُس تقابل تغیر کو نگے بھرے دشمن کے پنجے سے بچنے کے لئے ہلاگتے پھر رہے تھے۔

وہ جھیل کے کنارے ایک چنان پر بیٹھ گیا۔ چاندنی پہلے ہی کی طرح بکھری ہوئی تھی جھیل کی مرتعش سطح پر چاند کا عکس گل بوئے بنا رہا تھا۔ نیچر اس سے لاپرواہ تھی کہ کچھ دریا یہاں کیا ہو چکا تھا۔

حمدی نے جب سے پاپ نکلا اور اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب نیچر ایسے حادث سے بے تعلق ہے تو آدمی کیوں خواہ خواہ ہو تو تاپھرے۔

دفعتاہ چوک پڑا کیونکہ پولیس کا مائیکرو فون جیج رہا تھا۔ ”ڈاکٹر زینہ... ڈاکٹر زینہ۔“ جہاں کہیں بھی ہوں پولیس کیکپ میں تشریف لائیں۔ کرتل ہارڈ اسٹوں ان کا انتظار کر رہے ہیں جیسے حمید کو بڑی حرمت ہوئی۔ آخر یہ حضرت یہاں کیسے بچنے لگے۔ وہ اٹھا اور پولیس کیکپ طرف چل پڑا کیونکہ ڈاکٹر زینہ اور کرتل ہارڈ اسٹوں ایک دوسرے کو خوب سمجھتے تھے۔ حقیقتاً وہ فریدی ہی تھا اور کیکپ میں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

”آپ...!“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”ہاں آؤ...!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دونوں خیسے سے باہر نکل آئے اور فریدی نے ”تم پر کیا گذری۔“

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ کیبین اڑ گیا اور اپنے ساتھ ایک سوت کیس بھی لے گیا۔“ ”اوہ... تو تم یہ رات کہاں گزار دے گے۔ میں نے سنائے ایسے لوگ فی الحال کسپرسی کے میں ہیں۔“

”بھگت لوں گا.... اور کیا۔“

”نہیں تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ واپس چلو گے۔“

”مچ ہو جائے گی پلٹے چلتے۔ اس وقت یہاں خپر بھی نہیں ملیں گے۔“

”میں ہیلی کو پڑ پر آیا ہوں اور تمہاری واپسی بھی اُسی کے ذریعہ ہوگی، فکر نہ کرو۔“

”یہ دھماکہ کیسا تھا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں چلتے رہے اور پھر اس بجھ جا پہنچ جہاں ہیلی کو پڑا تھا اگر تھا۔

”یہ کم بخت فضائی موڑ سائیکل مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی کان پھٹ جاتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”چھو بیٹھو....!“

وہ دونوں ہیلی کو پڑ میں بیٹھ گئے اور ہیلی کو پڑ فضائیں بلند ہوئے رہا۔

فریدی نے حمید کو دھماکے کے متعلق بتانا شروع کیا اور اس کے بعد حمید نے فولادی کی اسٹان دہراتے ہوئے کہا۔ ”تو اسے طوفان کا اగوا، سمجھنا چاہئے۔“

”یقیناً اس وقت سارے ملک میں یہ جان برپا ہے۔ ملکہ موسیمات کے اعلان کے مطابق وفاں کا رخ اس طرف بدل جانا ممکنات میں سے ہے۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ شاید وہ اوسمیں لگا تھا۔

دفعتاً ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ ”اے ہیلی کو پڑ... پاہلک... ہوشیار کمپاس پر نظر ہو۔ تمہارا رخ جنوب کی طرف ہوتا چاہئے۔ ہیلی کا پڑ میں بیٹھے ہوئے آدمی چوک پڑے۔ آواز ر آئی۔ اگر تم ملکم گذھ جانا چاہئے ہو تو جنوب کی طرف موڑ لو۔ میں رہنمائی کروں گا۔ لہر... میں تمہارے قریب بچنے رہا ہوں۔“

”فولادی...!“ حمید بڑا یا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ دوسرے ہی لمحے فولادی ہیلی کو پڑ کے برابر فضائیں تیر رہا تھا اور دونوں ار قفار یکساں تھی۔

”موڑو... جنوب کی طرف۔ اور ہر خطرہ ہے۔ تم سب اُسی پہاڑ کی طرف کھچنے چلے جاؤ گے۔“ کچھ دیر قل ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ ابھی تک ڈاکٹر ہر میں اُس کش پر قابو نہیں پاس کا جس نے وفاں کا رخ موڑا تھا۔“

فولادی کے سر سے خارج ہونے والی روشنی ہیلی کاپٹر کے اندر بھی پچھلی ہوئی تھی۔ فریدی کی ہدایت پر ہیلی کاپٹر کا رخ جنوب کی طرف موڑ دیا گیا۔
”اوہ.... تم دونوں کو تو میں پیچانتا ہوں۔“ فولادی سے آواز آئی۔ ”تم ابھی کچھ درپہلے نیلم کے ساتھ تھے اور تم مجھے پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔“

”اور وہاں کسی قانون کے دشمن نے تم پر پھر چلا�ا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے اس پر بے حد افسوس ہے۔“

”میرا کیا گزارا... نقصان تمہارا ہی ہوا۔“ فولادی نے جواب دیا۔ ”ڈاکٹر ہر میں... تمہارے متعلق میرا ایک پیشین گوئی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”پیشین گوئی میرے متعلق ہے کیا ہے؟“

”تمہارا طریق کا تمہیں لے ڈوبے گا۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ اگر تم انسانیت کی خدمت ہی کرنا چاہتے ہو تو متظر عام پر آ جاؤ۔ ہم لوگ اتنے ناساں گذار نہیں ہیں کہ تمہارے شایان شان استقبال نہ کریں گے۔“

”یہ ناممکن ہے اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر نہیں کھو دیکھا۔“ فولادی سے آواز آئی۔ ”تمہاری مرضی۔ لیکن اس وقت تم نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ قلعی غیر قانونی حیثیت رکھتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔“ ”لیکن اس کے امکانات تھے۔“

”کسی بھی تغیر کے سلسلے میں تھوڑی بہت تحریک ہوتی ہی ہے۔“ ”اور وہ تحریک اسی وقت برداشت کی جا سکتی ہے جب ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہو۔“

”فولادی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ ہیلی کاپٹر کے ساتھ اس کی پرواز جاری رکھی۔“

”نیلم سے تمہاری بڑی گہری دوستی معلوم ہوتی ہے۔“ ”حمد نے کہا۔ ”ہاں مجھے وہ بہت پسند ہے۔ ایک منی منی سی ٹھر لڑکی۔ وہ مجھے بے حد پسند ہے۔ میں اُنہی کی عظیم ترین عورت بناؤں گا۔“

”اپنی زبان قابو میں رکھو رنہ ایک ہی مگر اس اڑنے والی مشین کے پرچے اڑادے گی فولادی کی آواز غصیل تھی۔“

”خاموش رہو۔“ فریدی نے حمید کے ہاتھ کو دبا کر آہستہ سے کہا۔

قیامت

تقریباً ایک ہفتے تک نیکم گذھ سے ریت ہٹائی جاتی رہی۔ اسی دوران میں حکومت کو جردوشاریوں کا سامنا کرنا پڑا ایمان سے باہر تھیں۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے فولادی کو دیکھنے کے لئے آتے۔ شہر میں بھیز بڑھتے دیکھ کر باہر سے آنے والوں پر اپنی لگادی گئی۔ صرف وہی لوگ نیکم گذھ کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے جن کا یہاں آنا اشد ضروری تاثیر ہو جاتا۔

فولادی اب بھی شہر میں گشت کرتا تھا لیکن اس کے آس پاس مسلح پولیس موجود ہوتی۔ ”فونی سپاہی ہوتے، جو نیکم گذھ کی صفائی کے لئے طلب کے گئے تھے۔“ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ”وہ کسی ایسی جگہ نمودار ہوتا جہاں نہ پولیس ہوتی اور نہ فوج۔ ایسے مقامات پر عام لوگ اُسے گھر لیتے۔ وہ اُس سے خائف نہیں تھے۔“

ایک رات فولادی کا گذر ایسی جگہ ہوا جہاں دوپاریوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔ معمولی جھگڑے نے بلوے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ چند غیر مسلح کاشیبل دو بھڑکے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ غالباً انہیں مسلح کاشیبلوں کا انتظار تھا۔

”ہٹ... جاؤ... ہٹ جاؤ۔“ فولادی چینا۔ ”جھگڑا ختم کر دو۔“ ورنہ میں زبردستی دونوں پاریوں کو الگ کر دوں گا۔“ تمہارے چوٹیں آئیں گی۔“

لانے والوں نے وحیان نہ دیا۔ فولادی آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ اُن سے پہاڑی قدم کے قاطل پر رک گیا۔

”یہ دیکھو۔“ اُس نے کہا اور ساتھ ہی اس کا ایک ہاتھ اٹھا۔

”اب بھی ہٹ جاؤ۔“ اُس نے دوبارہ کہا لیکن لڑنے والوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

وغمہ اُس کے اٹھے ہوئے ہاتھ سے چکاریوں کی بوچھاڑ ہوئے گی۔

لوگی بوكھلا کر پیچھے ہٹ گئے۔

”اب بھاگ جاؤ...“ ورنہ تمہارے جسموں پر بڑے بڑے آبلے ہوں گے۔ بھاگو۔“

فولادی نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا اور وہ جمیج بھاگ نکلے۔ ایک بار اسی طرح اس نے چند غنڈوں کی مرمت کی تھی جو راہ چلتی عورتوں کو چھیڑ رہے تھے۔ اکثر تو ادا تدرست گدگروں کو راہ میں روک کر انہیں لخت و ملامت کرتا۔ غریب نیک ابھی تک وہ هر طرح امن پسند ہی تاثبت ہوتا رہا تھا۔ لیکن فریدی مطمئن نہیں تھا۔ اس کے سامنے بیک وقت دو سائل درپیش تھے۔ ایک ڈاکٹر ہر میں اور دوسرا وہ اسمگل جن کے کیس کا فائیل اس سے لے لایا گیا تھا۔ حالانکہ اس نے فی الحال انہیں نظر اندازی کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن خود انہیں کی طرف سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ اس دوران میں بھی اس پر دو حملے ہو چکے تھے اور دوسرا حملہ یقیناً خطرناک تھا لیکن بعض درخت ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں بڑے سے بڑا طوفان بھی نہیں پلا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی چند شاخیں تیز و تندر جھوکوں کی نظر ہو جاتی ہوں۔ یہی کیفیت فریدی کی بھی ہوتی تھی۔ اس پر دوسرے بھم پھینکا گیا تھا لیکن اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی پیٹیلوں میں دوچار ہلکے سے رخ آگئے ہوں۔

اس حادثے کے بعد ہی جمید نے قسم کھائی کی کہ جب بھی یہم ہاتھ لگی اسے حرast میرے کر کم از کم گردہ کا قلع قلع تو کری ڈالے گا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اب تک اسے بیوقوف بیانی رہے۔ مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ کسی طرح فریدی پر قابو پایا جاسکے۔ یہم ایک سوال تھی؟ غیر معمولی حالات میں اس سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ خود بھی ابھی تک غیر معمولی ہی تاثبت ہوتی رہی تھی۔

گھاٹم کے میلے سے واپسی پر بھی ایک بار وہ جمید سے ملی تھی۔ لیکن پھر جب سے فریدی کا حملہ شروع ہوئے تھے کہیں اس کی پرچھائیں بھی نہیں نظر آئی تھی۔ دوسرا طرف ڈاکٹر ہر میں کی ٹلاش بھی جاری تھی۔ بلکہ گدھ کے قریب و جوار کے دیہ علاقے ہر وقت فوجیوں کے وزنی جو تون کی دھمک سے گوئچہ رہتے تھے۔ فریدی اور جمید کی تگ و دو بھی جاری تھی۔ ان کے ساتھ لاکلی کے دو ماہرین بھی ہی تھے اور ان کا سفر صرف شمال مغرب ہی کی طرف ہوتا تھا۔ لیکن انہیں انہیں سک کامیابی ہو سکی تھی۔

ہر میں کی تقریریں روزانہ سنی جاتیں لیکن انہیں سننے کا طریقہ وہی تھا، جو ہر میں نے بتایا تھا۔ وہ اب مکی نشریات میں خلل انداز نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس کی تقریر سننے کے خواہ شنیداً ملٹی ٹھوکوپ اور اُس کے بتائے ہوئے ملول کے ذریعے اپنی یہ خواہش پوری کرتے تھے۔

فریدی کے ساتھ کام کرنے والوں نے اسی فارمولے کے تحت ایک چھوٹا سا سیٹ بنایا تھا اور اب اس فلک میں تھے کہ کسی طرح وہ سیٹ بھی نظر گا کی مدت ظاہر کرنے کے قابل ہو جائے۔ فریدی کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتیں ضائع کر رہا ہے۔ اگر اس نے مکمل سراغرانی کا رخ کرنے کی بجائے لاکلی میں دلچسپی لی ہوتی تو شاند آج وہ بھی ایک موبعد کی حیثیت سے پیلک میں روشناس ہوا ہوتا۔ اس وقت وہ چاروں ایک ٹار میں بیٹھے بارش تھیئنے کا انتظار کر رہا تھا کہ اگر میں رات ہو گئی تو صحیح کوئی کفن دفن کرنے والا بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ بارش کی وجہ سے اچھی خاصی سردی ہو گئی تھی اور اسے اگست میں بھی دسمبر یا جنوری کا مزہ آرہا تھا۔ وہ صحیح سے اب تک چلتے ہی رہے تھے۔ اگر بارش نہ شروع ہو جاتی تو شاید اب بھی ان کا سفر جاری ہی رہتا۔

جمید تھک کر چور ہو گیا تھا اور وہ بارش اس کے لئے بچ باران رحمت ہی تاثبت ہوئی تھی لیکن جب وہ کسی طرح رکنے کو نہ آئی تو وہ بور ہونے لگا۔ اس کے لئے واپسی کا سفر اتنا کٹھن نہ ہوتا جتنا کہ اُس غار میں رات ببر کرنا؟ ”کیپن آپ خاموش نہ ہوا کریں تو بہتر ہے۔“ جمیل نے کہا اور اس کے ساتھی نے بھی اس کی تائید کی۔

”ایک خاموشی ہزار بلا میں نالی تھی ہے۔“ جمید سر ہلا کر بولا۔ ”خدا اکیلے خاموش ہی رہتا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں بھی میں جاؤں۔“ جمید کچھ نہ بولا۔ اس نے جیب سے تیبا کو کی پاڈچ نکالی اور اپاپ بھرنے لگا۔ فریدی نے ایک پھر سے تیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سگار اُس کی انگلیوں میں دبا ہوا سلگ رہا تھا اور دونوں ماحرکن اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے کہ معدنے کے لئے چائے مضمہ ہے یا پانی؟ ”دونوں ہی مضر ہیں۔“ جمید نے شاید بحث کا خاتمه کرنے کے لئے کہا۔

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“ جیل بولا۔
”کیونکہ فی الحال ان دونوں میں سے ایک بھی ہمیں نصیب نہیں۔“ حید نے جواب اور نہ میں اپنا معدہ تباہ کر کے آپ کو دکھادیتا۔“
”تم بہت تحکم گئے ہو اس لئے خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔“ فریدی نے کہا۔
حید کچھ نہ بولا۔ مگر تھوڑی دری بعد بولنا ہی پڑا کیونکہ وہ بہت شدت سے کافی یا چائے ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ ”اگر اس وقت میں نے اپنا معدہ برپا نہ کیا تو زکام میں ہو جاؤں گا۔“

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر دونوں ماہروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”ہم اب شمال مغرب میں تقریباً ساٹھ میل کا سفر کرچے ہیں لیکن ابھی پہلا ہی دن ہے زیر دنائیں صرف سمت اور فاصلہ ہی معلوم ہو سکتا ہے لیکن ہم ساٹھ میل کے اندر دائرہ عمل نہیں تھا کر سکے۔ اب اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسا سیٹ ہو تا جو نشگاہ کی طرف اشارہ کر سکتا۔۔۔ فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ حید اُسے گھورنے لگا کیونکہ اُس کے لئے بات کہے بغیر خاموش ہو جانا خلاف معمول تھا۔ دونوں ماہرین بھی اس کی طرف دیکھنے لگے تو ”کیبات ہے۔“ آخر حید پوچھ ہی بیٹھا۔
”کچھ نہیں... میں یہ سوچنے لگا تھا کہ وہ لڑکی نیلم... اس سلسلے میں کار آمد ثابت ہو سکتی ہے۔“ یہ بالکل انوکھی بات ہوئی ہے۔ ”حید سر ہلا کر بولا۔

”کیوں؟“
”کیا اس پر اعتناد کیا جا سکتا ہے۔“
”تجربے کے طور پر۔“ فریدی نے جواب دیا۔
”میں اُسے آج تک سمجھ ہی نہیں سکا۔“
”میرا خیال ہے کہ وہ ذہنی نگرش کی ایک بہترین مثال ہے۔“
”لیکن آپ اُس سے کیا کام لیں گے۔“
”پہلے اُسے تلاش کرنے کی کوشش کرو۔“
”میاہ یہ لڑکی بچہ دنیا کی بڑی عورت بننے والی ہے۔“ حید نے کہا اور پھر یہ بیک با۔

ازادی۔ شاید کوئی شاندار پھیتی اُس کے ذہن میں کلبائی تھی۔ لیکن پھر ان دونوں ماہرین کی موجودگی کا خیال آتے ہی اُسے اگلے دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

”آسے تلاش کرو۔“ فریدی نے پھر کہا۔

”ضروری نہیں کہ وہ مل ہی جائے کیونکہ جب سے جملوں کا دور شروع ہوا ہے اُس کی بھل نہیں دکھائی دی۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وقت گزر تارہ اور بارش بدستور ہوتی رہی۔ دفعٹا حید بڑا بڑا۔

”اب اتنی رات گئے کہاں تشریف لے جائے گا۔ آرام کیجھ۔ اگر بھوک لے تو پھر حاضر ہیں۔ پیاس ہر حال میں بجھ جائے گی کیونکہ بادل اتنی دیر سے جھک نہیں بارہے ہیں۔“

”ہاں.... رات تو اب نہیں برس ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ پانی کے لئے بارلوں ہی کامنون ہوتا پڑے گا لیکن تمہیں پھر نہیں چلانے پڑیں گے۔ مطمئن رہو۔“

”حید جانتا تھا کہ فریدی کے چرمی تھیں میں بہت کچھ ہے لیکن وہ اس سر درات میں مختصرے کوشت سے پچنا چاہتا تھا۔

”میں سڑی بسی اشیاء پر پتھروں کو ترجیح دیتا ہوں۔“ حید نے میرا سامنہ بنا کر کہا۔ وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا بک جاتا مگر جیل اور کسانی کی موجودگی مانع رہی۔

کچھ دری بعد سفری اسٹوڈر و شن ہو گیا اور اس پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا گیا۔ ان کے پاس خود دنوں کے سارے لوازمات موجود تھے چونکہ سفر طویل ہو جانے کے امکانات بھی ہو سکتے تھے اس لئے فریدی تقریباً سارے ہی انتظامات کا خیال رکھتا تھا۔

وفتناڑا نسیم پر اشارہ موصول ہوا۔ فریدی اس کی طرف متوجہ ہو گیا وہ سرے ہی لئے میں ٹرانسیم سے آواز آئی۔

”کریں... فریدی... کریں فریدی... واصف اسپیلنگ پلینز...!“

”فریدی اسپیلنگ... یہلو...!“

”آپ کہاں۔“

”یہ نہیں بتایا جاسکتا... آپ مدعا بیان فرمائیے۔“

”فولادی نے یہاں تھلکہ چھا دیا ہے۔ ایک کار اٹ دی ہے۔ دو آدمیوں کو کچل دیا اور

اب... شام کا ارادہ ہے کہ مشن روڈ کے سارے ایکٹرک پول اکھاڑ کر چینک دے گا۔
”یہ ہوا کیسے؟ کیا اس پر حملہ کیا گیا تھا۔“

”نہیں اس قسم کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ یک بیک اس نے ایک کار الٹ دی تھی۔ لوگ اس کو بھاگے تو وہ ان پر چڑھ دوڑا۔ نتیجے کے طور پر دو آدمی بلاک ہو گئے۔ شہر سنان ہو گیا ہے۔“

”پھر... اب کیا ہو رہا ہے۔ کیا فوجیوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔“

”نہیں.... لیکن اب اس پر چاروں طرف سے گولیاں برسائی جا رہی ہیں۔“

”گولیوں کا خڑا...!“ فریدی نے اسامنہ مٹا کر بولا۔

”آن سے لا تقدار فوجی زخمی ہوئے ہیں۔“

”میراں کے باوجود بھی یہ کھل جاری ہے۔“ فریدی غریباً

”کچھ نہیں کیا جاسکا۔ کیونکہ حکام نے شہر فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ اب تجویز یہ ہے اس پر بھاری گولے چینکنے والی گنیں آزمائی جائیں۔“

”میکم گذھ کھنڈر بن جائے گا۔ اس خط سے انہیں باز رکھئے۔ اس کی بجائے یہ معلوم کیجئے اُس کے رویے میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی۔“

”اب وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتا۔ گونا اور بہرہ ہو چکا ہے۔ آج جب وہ وہاں پہنچا معمول کے مطابق نہ تو کسی سے گفتگو کی تھی اور نہ ریک کا نشیل کو بدھائیں ہی دی تھیں۔ بس

عن ایک کار الٹ دی اور کار میں کوئی معمولی آدمی بھی نہیں تھا بلکہ ہوم سکریٹری مسٹر چوہان۔

”مسٹر چوہان...!“ فریدی نے تھیرانہ انداز میں دہرایا۔

”ہاں کرنل... آپ جہاں کہیں بھی ہوں جلد از جلد میکم گذھ چینکنے کی کوشش کریں۔“

”بارش کا ذر کم ہونے سے پہلے ناممکن ہے کیونکہ ایسی طوفانی بارش میں ہیلی کا پھرا کرنا خطرے سے خالی نہ ہو گا۔“

”بہر حال جلدی سمجھئے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور آواز آنی بند ہو گی۔

”دیکھا...!“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”وہی ہوا جس کا غدشہ تھا۔ میں جا ایک نہ ایک دن اس کی نوبت ضرور آئے گی۔“

”ہر میں کی شرافت اور نیک نفسی کہاں گئی“ حمید بڑا لیا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اپنا سامان سمیٹ رہا تھا۔ جبیل اور کرمانی خاموش رہے۔ حمید نے نار کے دہانے پر آکر دیکھا۔ بارش کے دور میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پھر واپس آگیا۔

”کیا آپ واپسی کی تیاری کر رہے ہیں۔“ اس نے فریدی سے پوچھا۔

”ہاں کچھ نہ کچھ تو کرتا ہی پڑے گا۔“

”بارش کا وہی عالم ہے۔ پیدل جانے کا خیال ہی...!“

”مٹھر و...!“ فریدی نے کہا۔ وہ پھر ٹرانسیمیٹر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”ٹرانسیمیٹر سے آواز آئی۔“ کرنل فریدی، کرنل فریدی، واحد اسپیکنگ پلیز...!“

”فریدی اسپیکنگ....!“

”آپ کہاں ہیں۔“

”میں نے ایک بار کہہ دیا کہ یہ نہیں بتا سکتا۔“

”اُدھ، پھر آپ کتنی دیر بعد یہاں پہنچ رہے ہیں۔“

”اس سے بھی اندازہ ہو جائے گا کہ میکم گذھ سے کتنی دور ہوں۔ لہذا اب سوال کا بھی جواب نہیں دے سکتا کیونکہ میں ابھی تک آواز سے آپ کو نہیں پہچان سکتا۔“

”اُدھ اچھا... اچھا... مگر چینچنے میں جلدی سمجھئے۔“ اعلیٰ حکام آپ کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔“

فریدی نے ٹرمسامنہ بنا کر حیدر کی طرف دیکھا۔ ٹرانسیمیٹر سے آواز آنی بند ہو گئی۔

”یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔“ فریدی بڑا لیا۔

”میں نہیں سمجھا۔“ حمید نے کہا۔

لیکن قبل اس کے کہ فریدی اُسے سمجھا تاڑا ٹرانسیمیٹر سے آواز آئی۔

”سو ناگھاث پر بھری فوج کے لئے جو بندرا گاہ تعمیر کی جا رہی ہے فو ازوک دی جائے دردہ اس کا انعام بہت بُرا ہو گا۔ میں ڈاکٹر ہر میں...“ یہاں کی حکومت سے مخاطب ہوں۔ وہاں بھری کا

اُدھ نہیں بن سکا۔ سارے جگی چہاز وہاں سے کل آٹھ بجے رات تک ہٹائے جائیں۔ درد نقصان کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہو جائے گا اور دوسری وار تک... اپنے جاسوں کو میری تلاش سے باز رکھو ورنہ تمہارے ہر شہر میں کم از کم ایک فولادی ضرور نظر آئے گا۔ اور یہ تو تم ابھی دیکھ بھی پکھے ہو کہ صرف ایک فولادی پوزے پورے بریگیڈ جاہ کر سکتا ہے۔ کل آٹھ بجے رات تک سو ناگھاث

سے بخوبی کے چہاڑہ جانے چاہئیں۔ کل آٹھ بجے رات تک... ورنہ آٹھ بجے کر پائیج منٹ پر یک بہت بڑے خارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔” آواز ختم ہو گئی اور فریدی کے ساتھی اپنا سامان ہی ملاش کرتے رہے گئے۔ وہ اس وقت بھی شرگاہ کی سمت معلوم نہ کر سکے۔ زیر دنائیں ساخت کا سینٹ ان کے ساتھ تھا لیکن اس کا ایک حصہ انہیں وقت پرندہ مل سکا۔ وہ اُسے ملاش کرتے رہے گئے۔ ”میا صیحت ہے۔ ”جمیل نے مر اسمانہ بن کر کہا۔ ”اُسے بد نصیبی کہتے ہیں۔“

”پرواہ مت سمجھنے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

پچھے دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا۔ لیکن کیپن حمید اس تقریب کے دوران میں بھی انسٹرو

اور کافی کے برتن ہی کی طرف متوجہ رہا تھا۔ اُس نے برتن نیچے اتا کر اُس میں کافی ڈال دی اور نخنے سکوڑ کر اس کی خونگوار بواپنے

پھر اُس نے ان تینوں کے لئے بھی پیالیاں تیار کیں۔

جمیل اور کرناٹی پچکارے کیونکہ انہوں نے ابھی ایک بڑی خبر سن لیتھی اور وہ بھی نہ ہو پایا تھا جس کے لئے وہ ان دیران پہاڑیوں میں بھکٹے پھر رہے تھے۔

”ہاں... لیجھنے۔“ فریدی مسکرا کیا۔ ”اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اولاً آدم پر جو کچھ بھی آتی ہے گذر ہی جاتی ہے۔“

انہوں نے پیالیاں اٹھائیں اور حمید تو پہلے ہی شروع کر چکا تھا۔ وہ دو تین گھنٹے لینے کے بعد

پاپ میں تباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب شاندار ان کے زوال کا وقت قریب آگیا ہے۔

فولادی کے آگے کوئی بھرپور سکتا تھا۔ ہر میں کاد عوی غلط نہیں تھا کہ ہر شہر کے لئے صرف ایک ایک فولادی کافی ہو گا۔

انہوں نے کافی ختم کی۔ اتنے میں ٹرانسیور پر پھر اشارہ موصول ہوا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔ بولنے والے نے پھر اپنا نام دا صفت بتایا۔ فریدی اس پر بھی کچھ نہیں بولا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر ہیک کر تل فریدی کی پکار ہوتی رہی پھر ٹرانسیور خاموش ہو گیا۔ فریدی نے اس بارہ کا سونگ آف کر دیا۔

”میں اس کا مطلب نہیں کچھ سکا۔“ حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔ ”کچھ بھی نہیں۔ میں اُسے کتنی بار بیتاوں کہ بارش تیزی سے ہو رہی ہے۔ اسلئے سفر فی الحال ناممکن ہے۔“

حمدیکچھتے بولا۔ اُس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس غدر میں وزن نہیں محصور کر رہا ہے۔

”غالباً کرتل صاحب کا خیال ہے کہ انہیں ٹریپ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔“ جمیل نے کہا۔

”آپ کا خیال کسی حد تک صحیح بھی ہو سکتا ہے۔“ کرمانی سر ہلاکر بولا۔ ”فریدی کے ہونوں پر خفیف تی مسکراہٹ تھی۔“

”بلکہ میرا خیال ہے کہ ہم کسی جاں میں پھنس پکے ہیں۔ مجھے ہر میں سے موقع نہیں ہے کہ اتنی جلدی بدل جائے گا۔ مجھے وہ پتھرا بھی تک یاد ہے حمید صاحب جو کو تو ای میں فولادی پر پھیکا گیا تھا۔“

”مگر ہم جاں میں کس طرح پھنس سکتے ہیں۔“

”میں اس وقت سکھلوں کی بات کر رہا ہوں۔“

”گذلارڈ... وہ اس ٹرانسیور کے ذریعے ہمیں کیسے ٹریپ کریں گے۔“

”کرچے فرزند! پہلے ہی مجھ سے غلطی ہو چکی ہے۔ میں نے پہلی کال کے جواب میں بھی اعتیال ابرتی تھی، لیکن پھر بھی یہی کوپڑ کا تذکرہ آئی گیا تھا۔“

”میں اس وقت بہت زیادہ غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔“ حمید نے آتا کر کہا۔

”ہمارے ساتھ یہی کاپڑ ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ہم دشوار گزار پہاڑیوں میں سفر کر رہے ہیں اور دشوار گزار پہاڑیاں اس علاقے کے علاوہ میکم گذھ میں اور کہیں نہ ملیں گی۔“

حمدیمنہ کھوں کر رہا گیا۔ دونوں ساتھی نہ صرف تھیر بلکہ خوفزدہ بھی نظر آرہے تھے۔

”پھر اب کیا ہو گا۔“ جمیل نے کہا۔ ”ہم دونوں تو شاید صحیح طریقے سے رویا اور پڑھ بھی نہ سکیں۔“ ”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی مسکرا کیا۔ ”آپ سے اتنی توقع تو کی ہی جا سکتی ہے کہ جو کچھ آپ سے کہا جائے وہی کریں۔“

کر رہے تھے۔ جیسے ہی یہی کوپر شہر میں داخل ہوا ترانسیٹ پرفی دائریس سے پوچھ گئے ہونے گئی۔ فریدی نے اپنی شخصیت ظاہر کئے بغیر پرواز کی اہمیت بتائی۔

“آپ ایئر پورٹ کے علاوہ اور کہیں بھی لینڈ کر سکتے۔” جواب ملا۔

فریدی نے یہی کوپر کارخ ایئر پورٹ کی طرف پھیر دیا۔

”تو پھر وہ بیخام واصف ہی کا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”یقیناً اسی کا تھا۔ لیکن ترانسیٹ پر میں نے اس کی آواز یہی بار سنی تھی۔ اس لئے یقین کر لینے میں تالہ ہو۔“

انہوں نے فوجی ہدایت کے مطابق یہی کوپر ایئر پورٹ ہی پر آتا رہا۔ لیکن نشاط تک پہنچنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا کیونکہ یہاں ایئر پورٹ کے باہر بھی فوجیوں کا کڑا پھرہ تھا اور مسافروں کو باہر نہیں نہنے دے رہے تھے۔ یہیں انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ فولادی پر گولے پھینکنے والی گئیں بھی استعمال کی گئی تھیں لیکن گولوں کا بھی وہی خرچ ہو جو گولیوں کا ہوا تھا۔ یعنی وہ بھی پلٹ کے تھے اور ان کی واپسی سے بہتری عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا۔ پھر ایک حادثہ اور ہوا جب فولادی نے فضا میں پرواز شروع کی تو ایک جیت طیارہ اُس کے تعاقب میں روانہ ہو۔ لیکن وہاں تک ایئر پورٹ سے وادھ میں پر تھا۔ کیونہ معلوم ہوا کہ یہ حادثہ کیسے ہوا تھا۔ پاٹکٹ پہنچا ہی نہیں تھا کہ تفصیل معلوم ہو سکتی۔ انہیں وہ رات ایئر پورٹ پر بسر کرنی پڑی۔ ویسے اگر فریدی پاٹکٹ تا ایئر پورٹ سے واصف کو فون کر کے اپنی روانگی کا انتظام کر اسکتا تھا۔ لیکن اس نے خود ہی شہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اس کی وجہ میں جمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ استفادہ پر فریدی نے اتنا ہی کہا۔

”فضول ہے۔ جو کچھ بھی ہونا تھا ہو چکا۔ اب کل آٹھ بجے رات سے پہلے کچھ نہیں ہو گا۔ دیکھیں ہر میں کس طرح اپنی دھمکی کو عملی جامد پہنچا ہے۔“

قاسم کی کہانی

سر اسکی صرف نیکم گذھ ہی تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ اس کا اثر ملک کے دورافتہ حصوں پر بھی پڑا تھا جو نکہ ہر میں کا اعلان ملک کے گوشے گوشے میں ناگیا تھا۔ اسلئے بیجان پھیلانا لازمی تھا۔

”آپ غلط سمجھے۔“ کرمی بول اٹھا۔ ”ہم خاک نہیں ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ ہمیں جنگ و جدل کا تجربہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کی پریشانیوں میں اضافے ہی کا باعث بن جائیں۔“

”اس کی پرواہ نہ سمجھتے۔“

”اُرے اگر گولی لگ گئی۔ بارے گئے تو کیا پرواہ کرنے والے کرایہ پر مہیا کئے جائیں گے۔“

حمد نے کہا۔

”فضول بکو اس نہ کرو۔“ فریدی نے اُسے ڈانتا۔

”یہی حضرات چاہتے ہیں کہ میں کبھی خاموش نہ ہو اکروں۔“

آن دونوں کے ہونوں پر بیجان سی مسکراہیں نظر آئیں لیکن وہ کچھ بولے نہیں۔ فریدی نے پھر سامان اٹھا کر نا شروع کر دیا۔ دفعتاً اس نے حمید سے کہا۔ ”تم یہ دیکھ ڈالو کہ اس غار کا کوئی دوسرا دہانہ بھی تو نہیں ہے۔“

حمد نے تاریخ نکالی اور غار کا جائزہ لینے لگا۔ کرمی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر حمید نے زپورٹ دے دی کہ اس غار میں کوئی دوسرا دہانہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ وہ اس کے اندر محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔

کچھ دری بعد بارش کا ذریعہ ہو نہیں۔ حمید سوچ رہا تھا کہ گھٹاٹوپ اندر ہیرے میں شاید چار نار میں بھی ناکافی ہوں۔

فریدی غار کے ڈبانے تک آیا۔ حمید وغیرہ سامان الہار ہے تھے۔ فریدی کچھ دری تک دہانے پر ٹھہر اور پرواہ اپس آگیا۔

”ہو سکتا ہے میرے اندریشے بالکل ہی غلط ہوں۔“ اس نے کہا۔

کوئی کچھ نہ ہوا۔ انہوں نے اپنا اپنا سامان سنبھالا اور غار سے باہر نکل آئے۔ بارش اب صرف ہلکی ہی پھوروں تک محدود رہ گئی تھی۔ وہ اس طرف چل پڑے جہاں یہی کوپر کھڑا کیا گیا تھا۔ خود فریدی ہی اُسے پاٹکٹ کر کے یہاں تک لا یا تھا۔

ہلکی کوپر تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

حید اس وقت تک رویا اور سنجالے رہا جب تک یہی کوپر فضائیں نہیں بلند ہو گیا۔ ۱۰ گذھ پہنچ کر حقیقت انہوں نے سارے بازار ویران دیکھے۔ البتہ گلی کوچوں میں بھی مسلح فوجی اُن

دوسرے ہی دن شیکم گذھ فوجی علاقہ قرار دے دیا گیا۔ شہری آبادی ویران ہونے لگی۔ لوگ ہم گذھ سے نکل بھاگنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ لیکن اب چونکہ لظم و نقش فوج کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہ روکے جانے پر اتحاج بھی نہیں کر سکتے تھے۔

فریدی اور حید عضو معطل کی طرح حکمر سراج رسانی کے دفتر میں وقت گزار رہے تھے۔ سوپر و اصف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”اسی شیکم گذھ میں کیا کیا نہیں ہوا۔ نیل روشنی والا کیس مجھے آج بھی یاد ہے۔ آپ ہی تو تھے جس نے اس لائیں اور بے سروپا کیس کی کڑیاں ملا کی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہر میں بھی آپ ہی کے ہاتھوں نکست کھائے گا۔“

”ضروری نہیں۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”نیل روشنی والا کیس اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کیا اس سلسلے میں بھی اتنا ہی بیجان پھیلا ہوا تھا۔“

و اصف کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ ”اگر سونا گھاٹ سے بھری کے جہاز نہ ہٹائے گے تو حقیقت حکومت کو کسی بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”کس قسم کا خسارہ۔“

”یہ توقوت آنے پر یعنی معلوم ہو سکے گا۔“

”کیا آپ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔“

”فی الحال اتنا ہی کہ سونا گھاٹ سے سارے جہاز ہٹالینے کا مشورہ دوں۔ میں نے ہمیں آفس کو اس سلسلے میں ایک تار دیا ہے۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ جہاز وہاں سے نہیں ہٹائے جائیں گے۔“ حید بول پڑا۔

”وہ ہٹائیں یا نہ ہٹائیں۔ میری تاقص رائے یہی ہے اور یہی رہے گی۔ فی الحال اپنا زیادہ سے زیادہ بچاؤ کرنا پڑے گا۔“

فریدی اپنی تاویلات پیش کر رہا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ہر میں کی دھمکی کا انجماد دیکھے بغیر نے سرے سے کام نہیں شروع کرنا چاہتا تھا۔

دوپھر ہونے سے پہلے ہی وہ نشاط میں واپس آگئے۔ ان کا قیام اب بھی یہیں تھا۔ نشاط پہنچ کر

حید کو قاسم کی تلاش ہوئی کیونکہ وہ پچھلی رات سے اب تک بے تھاشہ بور ہو تا رہا تھا۔

قاسم ملا تو لیکن اس کا مودہ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ حید کو دیکھتے ہی اُس کا منہ پہلے سے زیادہ

بیٹھا ہو گیا۔

”کیوں بیمارے کی بات ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”میں.... گھار جاؤں گا۔“ قاسم غریباً۔

”تمہیں روکا ہے کیسے؟“

”ہاں سب تمہاری ہی حرکت ہے۔“

”میں نے کیا کیا ہے۔“

”یہ باہر جو فوجی موجود ہیں۔“

”آ..... ہاں..... وہ تو تمہیں بھی روک رہے ہیں۔“

قاسم کچھ نہ بولا۔ حید نے کہا۔ ”تم خواہ خواہ بور ہو رہے ہو۔ اتنی بڑی آبادی ہے کیا سمجھیں گے۔“

”میں مرنا چاہتا ہوں۔“ قاسم بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیوں... کیوں.... خیریت۔“

”کچھ نہیں جاؤ.... میں بات نہیں کرنا چاہتا۔ پڑے جاؤ۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تم سالے بھیک بد کر مجھے الوبتاتے ہو۔“

”شاید تم نہیں میں ہو۔“

”تم خود نہیں میں ہو۔ مٹی کا تل پی گئے ہو۔ مجھے نیلم نے متیا تھا۔ خدا کرے مرتے وقت تمہیں کلمہ بھی نصیب نہ ہو۔“

”نہیں... بڑی بی ایسا نہ کہو۔“

”بلکہ اب پڑے ہی جاؤ، ورنہ.... اچھا نہیں ہو گا۔“

”ملی ہو گی کہیں.... میں اب اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتا۔“

”مجھے اُس کی تلاش ہے اگر مل گئی تو اسکا سزا دوں گا جوزندگی بھرنا دیر ہے۔“

”قوں؟ قیوں؟“

”اُس کے سچے دھوکا دیا۔ وہ کپی فراز ہے۔“

”ہاں.... سن تو.... میں بالکل آلو کا پھٹا ہو گیا تھا۔ مجھے یقین آگیا۔ میں نے کہا اگر تم اونت پر بھی بٹھاؤ تو بیٹھ جاؤ۔ چالو.... کہاں ہے کار۔ وہ مجھے دہاں لائی جہاں کار کھڑی تھی۔ میں اس کے ساتھ ہی اُس میں بیٹھ گیا۔ لیکن ڈرائیور کی سیٹ مجھے کہیں نہ دکھائی دی۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کار ہوا میں اڑنے لگی اور میر اسر چکرانے لگا۔ میں نے جی بھر کر غل غپڑا چلایا۔ جس پر وہ بڑے پیار سے بولی۔“

قاسم خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔ پھر نیم کی آواز کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”فولادی ہمیں اپنے گھر لے جا رہا ہے پیارے۔ وہ مجھے تھا لے جا رہا تھا لیکن میں نے سوچا اپنے پیارے قاسم کو بھی ساتھ لئی چالوں۔ کچھ دیر بعد ہم لوغ واپس آجائیں گے۔“

”کار اڑنے لگی تھی۔“ حمید نے بے اعتباری کے ساتھ پوچھا۔

”ہاں اڑنے لگی تھی۔“

”تم نے فولادی کو دیکھا تھا۔“

”نہیں.... وہ تو بعد میں نظر آیا تھا جب ہم وہاں اترے تھے۔“

”کہاں اترے تھے۔“

”تمہاری باپ کی سرال میں۔“ قاسم جلا کر بولا۔ ”ابے میں کیا جانوں کہاں اترے تھے۔“

”اچھا...!“ حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”تم اتنی دیر سے مجھے الوبار ہے تھے۔“

”نہیں میں بچ بول رہا ہوں۔ کیا وہاں کوئی آبادی تھی۔ سڑ کیں تھیں۔ گلیاں تھیں کہ میں بتاؤں کہ فلاں محلے میں اترے تھے۔ فلاں سڑک پر اترے تھے۔ فلاں گلی میں اترے تھے اور فلاں...!“

”ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔ وہ کوئی ویران جگہ رہی ہو گی۔“ حمید باتھ اٹھا کر بولا۔

”ویران کی بھی چجی۔“ قاسم نے بُرا سامنہ بنایا کہا ”وہ ایسی واہیات جگہ تھی جہاں پھر دوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔“

”اور کیا تھا۔“

”ارے سن تو سکی۔ میری طبیعت خراب تھی۔ جب وہ کار نیچے اتری تو فولادی بھی دکھائی دیا۔ وہ شاید کار کے اغلے حصے میں تھا۔ اُس نے نیم سے کہا کہ اسے بیہل اتار دو۔ واپسی میں اسے

”کیسے دھو کا دیا۔“

”اس کا ایک ساتھی ہے بڑی موچھوں والا۔“

”ارے بس...!“ قاسم آکھے نکال کر بولا۔ ”اب زیادہ آکوٹہ بناؤ۔ وہ تم ہی تو تھے۔ اتنا یاد رکھنا... میرا نام قاسم ہے۔“

”میں تمہارے باپ تک کے نام سے واقف ہوں۔ مگر تمہیں کسی نے بھکایا ہے۔ کیا اُس نے تملیا تھا کہ وہ بڑی موچھوں والا میں تھا۔“

”ہاں...!“ ”اوہ... کتنی مکار ہے۔ اسی طرح اُس نے مجھے بھی دھو کا دیا تھا۔ وہ بڑی موچھوں والا مجھے جہاں بھی مل گیا گوئی مار دوں گا۔“

”کیا دھو کا دیا تھا۔“

”یہ نہیں بتاؤں گا۔ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن تم بتاؤ کہ اُس سے اتنے میز اڑ کیوں ہو؟“

”ارے...!“ سالی نے کہا۔ اکر دیا پیدل چلتے چلتے اس کی ایسی کی تیسی۔ جہاں بھی مل گئی گلا گھوٹ کر مار دا لوں گا۔“

”آخڑ کیوں؟“

”قیوں... قیوں... قیا قرتے ہو۔“ قاسم جلا ہٹ میں لگی قاف بول گیا۔

”میں عنقریب اُسے حرast میں لینے والا ہوں۔“

”وہ سالی.... مجھے نہ جانے کہاں لے گئی تھی اور میں تو کرتے کرتے بیویش ہو گیا تھا۔“

”کہاں لے گئی تھی.... کیسے لے گئی تھی۔“

”میلے سے لے گئی تھی۔ وہ جس رات کو طوفان آیا تھا اس کی دوسری رات بھی میرے پار آئی اور کہنے لگی۔“

قاسم نے اس کا میان اُسی کے انداز میں دہراتے کے لئے پیٹر ابدلا اور اپنی آواز پار کر کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”میں تم سے محبت کاروں گی۔ چالو میرے ساتھ... میری کا میں بیٹھ جاؤ۔“

”مکار... وہاں میلے میں۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

بہاں سے لے لیں گے۔ نیم اس پر تیار نہیں ہوئی لیکن فولادی نے زبردستی کھینچ کر مجھے بیچ دیا اور کار نیچے چل گئی۔ میں نے نیم کی چینیں سنی تھیں لیکن قے کرتے کرتے میرے ہاتھ کزرو ہو گئے تھے۔“

”کار نیچے چل گئی....؟ کہاں.... نیچے اترتی چلی گئی تھی۔“

”اڑے یاد... لیکن کان کھاتے ہو۔ جہاں میں اڑا تھا اس کے بیچے بڑی گہرائی میں زیب تھی شاید ایک میل۔ شاید دو میل یا اس سے بھی زیادہ۔“

”توہہ اس گہرائی میں اتر گئی تھی۔“

”ہاں.... اور گاہب ہو گئی.... میٹنی کہ غائب.... غائب۔“

”پھر کیا ہو۔“

”کلبڑا ہو۔ بارش ہونے لگی۔ کہیں سرچھانے کو جگہ نہیں تھی۔ ادھر ادھر بھاگتا رہا۔“

ایک غار میل گیا۔ خدا غارت کرے۔“

”واپسی پر تم پھر اسی کار میں آئے ہو گے۔“

”مت جان جلااؤ رونہ گھونسہ مار کر کھوپڑی پلیپی کر دوں گا۔“

”کیوں بیمارے.... کیوں تاؤ کھارے ہو۔“

”پیارے مت کو۔ پیارے کہنے والے پکے فراہ ہوتے ہیں۔ اس سالی نے بھی تو کہا اپیار.... پیار....ے“ قاسم پھر لچک گیا۔ ”لیکن پیار اسala بارش میں بھیکتا رہا۔ چوبیں گھنٹے تک بھجو کارہا۔“

قاسم کی آواز دروناک ہو گئی اور اس نے اس طرح اپنا پیٹ پھینپھیلا جیسے اس وقت بھی بھوئی ہو۔

”لیا وہ تھیں واپس نہیں لائی تھی۔“

”نہیں.... میں وہاں بھکتا رہا۔ مجھے راستہ بھی نہیں معلوم تھا.... ایک چوڑاہے نے مجھے بہاں تک پہنچایا۔ میں نے اسے پورے چار سورپے دیئے کیونکہ پورے تین دن بعد بہاں تک پہنچا ہوں۔ وہ بیچارہ اپنی بھیڑیں ذخیر کرتا تھا اور بھون کر مجھے کھانا تھا۔ مگر اللہ قسم کتنا لذت گوشہت ہوتا تھا۔ سجان اللہ۔“ قاسم خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔

”لیکن تم جس راستے سے پیدل آئے تھے کم از کم وہ تو تمہیں یاد ہی ہو گا۔“

”نہیں مجھے اتنا ہوش نہیں تھا کہ راستے یاد رکھ سکتا۔“

”تم بالکل کوڑھ مغز ہوتے جا رہے ہو۔“ حمید کو خواہ خواہ غصہ آگیا۔

”اے.... جبان سنبھال کے راستے میں بھولا ہوں یا تم۔ تم سے کیا مطلب۔ اب تو میں اسی

ضد پر گھر کا بھی راستہ بھول جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کیا کر لیتے ہو میرا۔“

”تم بالکل گدھے ہو۔“

”تم گدھے کے باپ نہیں بلکہ دادا ہو۔ کھاموش رہو۔ میں کچھ سوچتا چاہتا ہوں۔ جاؤ میرا پیچھا چھوڑو۔“

حمدید کی کچھ میں نہیں آرہا تھا کہ قاسم کے بیان پر یقین کرے یا نہ کرے۔ وہ چند لمحے اُسے گھوڑا تارہ بھر بول۔ ”یہ کہاں کتنی دیر میں تیار ہوئی تھی۔“

”تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔“ قاسم غریبا۔

”افسانہ نگار جھوٹا نہیں کھلاتا اُسے فنکار کرتے ہیں۔“

”کچھ بھی کہتے ہوں تم جاؤ بہاں سے.... مجھے سوچنے دو۔“

”میں تو سونوں کیا سوچ رہے ہو۔“

”کیوں بتاؤں.... جاؤ۔“

”ویکھو! تم جو کچھ بھی سوچ رہے ہو اُس کا جواب چلکی بجا تے دے سکتا ہوں۔ ویسے تم سوچتے سوچتے مر جاؤ تب بھی تمہیں جواب نہ ملے گا۔“

”قیوں نہ ملے گا۔“

”وس میل پیدل چلنے سے کم از کم ایک ہفت تک دلائ پچھ سوچنے مجھے کے قاتل نہیں ہوتا۔“

”نہیں....!“ قاسم نے حیرت سے کہا۔

”قطیں.... چین کے نامور ڈاکٹر پیچی چوں کا بھی خیال ہے اور پھر تم تو وہ میل سے زیادہ علی چلے ہو گے۔“

”بہت زیادہ.... تین دن بعد بہاں پہنچا ہوں۔“

”اور پھر کچھ سوچنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لخت تم.... ارجمند پر۔“

حید پاپ سلکا کر آرام کر سی میں لیٹ گیا اور اب قاسم کی کہانی اُس کے ذہن میں چکرانے گی تھی۔ تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آگئا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔“ اُس نے کہا۔

”کیوں...!“

”وہ حق ضرور ہے لیکن اتنا شامد ارجھوت اُس کے بس کاروگ نہیں۔“
”مگر وہ راستہ ہی بھول گیا۔“

”چر والہا...!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”قاسم کے بیان کے مطابق وہ انہیں اطراف میں کہیں رہتا ہے۔“

”پھر بھی اس کی تلاش آسان نہ ہوگی۔“

”نہیں.... قاسم نے جو حلیہ بتایا ہے اُس کے مطابق وشواری نہ ہونی چاہئے۔ دوسرے چوڑا ہے اُس سے یقیناً واقف ہوں گے۔“

فریدی نے فون کارسیور اخیالی۔ آپ شر کو سوپر واصف کے نمبر بتائے۔ جلد ہی کلکشن مل گیا۔
”تھیلو... واصف صاحب! میں فریدی بول رہا ہوں۔ تیکم گذھ کے اطراف میں کسی ایسے چوڑا ہے کو تلاش کرائے جس کی بائیں آنکھ پر بد گوش ہو۔ اتنا زیادہ کہ آنکھ بمشکل کھل سکتی ہو۔“

”کیوں؟ خیریت...?“

”اشد ضروری ہے۔“

”مقصد نہیں بتائیں گے۔“

”اُبھی نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔ ویسے یہ سب کچھ موجودہ کیسی ہی کے متعلق ہو رہا ہے۔“

”آجھی بات ہے۔ اس پہچان کو بنا پر پتہ لگانے میں آسانی ہوگی۔“

”شکریہ۔“ فریدی نے ریسیور کھ دیا۔

اس کے بعد وہ پھر تیکم گذھ کے نقشے پر جمک پڑا۔

”کیا آپ اس فضائیں گھننے محسوس نہیں کرتے۔“ حید بنے کہا۔

”میں اسی فضائیں کیڑا ہوں۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور ہونٹوں میں دبا ہوا سگار سلگانے لگا۔

”اگر فولادی پر قابو نہ پایا جا سکا تو پھر آپ کو بھی دیکھ لوں گا۔“ حید نے جل کر کہا۔

”نہیں.... نہیں.... کہہ دو تم پر۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”کہہ کر دیکھو کیسی گت بتاتا ہوں۔“
”نہیں ڈیسر... ہاں کیا سوچ رہے تھے۔“

”میں سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ سالا فولادی کیسے محبت کرتا ہوگا۔“ قاسم ناک پر انگلی رکھ کر بولا۔

حید نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھا تھا شاید کوئی ایسی بات سوچ رہا ہے جس سے ممکن ہے معلومات میں مزید اضافہ ہو سکے۔

”کیوں...! فولادی کی محبت کا خیال کیسے آیا۔“ حید نے کہا۔

”پھر وہ اُسے کیوں لے گیا تھا۔“

”اُس کے باپ سے پوچھ کر جواب دوں گا۔“ حید نے کہا اور قاسم کے کمرے سے چلا آیا۔ وہ جلد از جلد فریدی کو یہ کہانی سننا چاہتا تھا۔

فریدی نے اُسے بہت سکون کے ساتھ سن۔ وہ اکثر درمیان میں دو ایک سوال بھی کر بیٹھتا تھا۔ حید جب کہانی سننا کا تو اُس نے کہا۔ ”قاسم کہاں ہے۔“

”اپنے کمرے میں۔“

”تم یہیں ٹھہرو۔ میں اُس کی زبان سے سارے واقعات سننا چاہتا ہوں۔“

حید پاپ میں تیکا بھرنے لگا۔ کہانی سناتے وقت بھی اُسے قاسم کی نیت میں فتوہ ہی محسوس ہو تارہا تھا۔ وہ اب یہاں سے اٹھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ قاسم کے ساتھ کچھ دیر دل بھلانے گا لیکن ممکن نہ ہوا۔ ہوٹل کے باہر فوجیوں کا پھرہ تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے سارے شہری انہیں کی گولیوں کا نشانہ بن کر موت کی آغوش میں جاسوئے ہوں۔

ہوٹل میں بھی زندگی کے آثار مفقود تھے لوگ بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے۔ لڑکیاں جن کے قہقہے ہر وقت ڈائینگ یا بکریشن ہاں میں گونجا کرتے تھے اب مکرائیں بھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوفزدہ ہو کر ہونٹ پھیلادیے ہوں۔ جہاں ہر وقت آرکسٹرا نغمات بکھیر تارہتا تھا وہاں اب مدھم سروں والی سیٹیاں بھی نہیں سنی جا سکتی تھیں۔

حید بزرد نہیں تھا لیکن ماحول کا اثر اُس پر کیسے نہ پڑتا۔ وہ قاسم کے متعلق سوچنے لگا جس کے ذہن کی ساخت آج تک اُس کی سمجھ میں نہ آسکی تھی۔ وہ ان حالات میں بھی سوچ رہا تھا کہ سالا فولادی کیسے محبت کرتا ہوگا۔

”فولادی کی لگام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے اور تم جانتے ہو کہ میں ہر قسم کے آدمیوں سے پہنچتا جاتا ہوں۔ بس آج کی رات اور نہشہر جاؤ۔ میں دیکھ لیوں کہ وہ اپنی دھمکی کو کیسے عملی جامہ پہنچاتا ہے۔“

ٹھہری طریقہ

ڈاکٹر ہر نینٹ کی دھمکی پوری ہو کر رعنی۔ فریدی ٹرانسیمیٹر پر جھکا ہوا تھا اور محکمہ سراغ رسانی کے آپریشن روم پر قبرستان کا ساستا مسلط تھا۔

دفعتائراً نسیمیٹر سے آواز آئی۔ ”کرتل فریدی... کرتل فریدی... آپ کا خیال درست ٹکلا۔ بیوی کے ایک جہاز کے پرچے اڑ گئے۔ اس کی وجہ سے دوسرے جہازوں کو بھی تھوڑا بہت نقصان پہنچا ہے۔ وہ جہاز سونا گھاٹ کی طرف آرہا تھا۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اچانک پانی میں چند لکیریں سی تظر آئیں جیسے جہاز کی روشنی کا عکس سمجھا گیا اور جہاز آگے بڑھتا رہا۔ لیکن جیسے ہی وہ ان چیਜیں ہوئی لکیریوں کے درمیان پہنچا بلکل ایسا معلوم ہوا جیسے وہ بجلیوں میں گھر گیا ہو۔ اس کے نیچے اور چاروں طرف بجلیاں سی کونڈ رعنی تھیں۔“

پھر ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ جہاز کے چیڑے اڑ گئے۔ قرب و جوار کی درجنوں کشتیاں اور لانچیں الٹ گئیں۔ ابھی تک جانی نقصان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکا۔ کرتل فریدی... کیا آپ سن رہے ہیں۔

”ہاں میں سن رہا ہوں۔“ فریدی نے جواب دیا اور پھر دوسری طرف سے آواز آنی بند ہو گئی۔ ٹرانسیمیٹر کا سوچ آف کے بغیر وہ سوپر واصف کی طرف مڑا۔

”دیکھا آپ نے۔“

”مجھے اطلاع مل پیکی تھی کہ وہاں بہت سخت قسم کے انتظامات کئے گئے ہیں۔“ واصف نے کہا۔ ” غالباً اُن کا خیال تھا کہ وہاں بھی فولادی ہی نمودار ہو گا۔ لہذا سونا گھاٹ پر ایک پوری بیانیں موجود تھیں، لیکن وہاں دوسری طریقہ اختیار کیا گیا۔ بعض اوقات تو ہر میں مجھے کوئی خبیث روح معلوم ہونے لگتا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ دفعتائراً نسیمیٹر سے آواز آئی۔ ”کیوں کرتل فریدی، تم نے سن لیا کہ اس ہزار کیا انجام ہوا۔ میں ڈاکٹر ہر میں تم سے مخاطب ہوں۔ تم یہ معلوم کرنے کے لئے بہت بے بن تھے کہ ڈاکٹر ہر میں کی دھمکی کا کیا انجام ہوا۔ سن لیا تم نے۔“

”ہاں.... میں نے سن لیا۔ لیکن تم بھی اپنے لئے چند دردناک خبروں کے منتظر رہو۔“
فریدی نے پر سکون لجھے میں کہا اور دوسری طرف سے تھیکی کی آواز آئی پھر سنا تا چھا گیا۔

فریدی سوچ آف کر کے آپریشن روم سے باہر آگیا۔ کیپن حمید بھی اُس کے ساتھ تھا۔ دوسری سوچ اُس چڑواہے کا سراغ مل گیا جس نے قاسم کو ٹکرم گذھ پہنچایا تھا۔ قاسم نے بھی شاخت کر لیا۔ چوہا اس طرح پکڑے جانے پر پریشان تھا اُس نے کپکاپی ہوئی آواز میں کہا۔

”صاحب! انہوں نے روپے اپنی خوشی سے دیے تھے۔“
”روپے تم رکھو۔“ فریدی نے نرم لجھے میں کہا۔ ”تمہیں صرف اتنا کرتا ہے کہ ہمیں وہاں پہنچا دو جہاں سے انہیں لائے تھے۔“

چڑواہے نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ سمجھا تھا شاید قاسم سے ملے ہوئے روپے اُسے واپس کرنے ایسی گے۔ فریدی کا ارادہ تھا کہ اُسی دن روانہ ہو جائے گا۔ دشواری یہ آپری کہ بمباری طیارے جو نئے سے ٹکرم گذھ کی فنا میں منڈلا رہے تھے اچانک ویران علاقوں پر بھاری بیم بر سانے لگے۔

”یہ کیا حماقت شروع ہو گئی۔“ حمید نے کہا۔

”ہونے دو.... تمہارا کیا نقصان ہے۔“ فریدی بولا۔
”نقصان.... اُرے جناب شاید یہ چوہا بھی ہمارے ساتھ جانے پر تیار ہے ہو۔“ حمید نے ہال۔ اُگر گیا بھی تو یہ بات قطعی غیر فطری ہو گی کیونکہ بمباری کے بعد شاید مہینوں ان اطراف میں چڑواہے نہ کھائی پڑیں۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے.... خیر.... دیکھا جائے گا۔“
اُسی شام کو وہ نشاط کے ڈائینگ ہاں میں کافی پی رہے تھے۔ اس وقت لوگ اتنے سر ایکہ نظر نہیں آ رہے تھے جتنے دو پھر تک دکھائی دیتے تھے۔ مائیکرو فون ریڈیو سے انجھ کر دیا گیا۔ ریڈیو سلوون سے فلمی روکارڈ اور اشہارات نشر ہو رہے تھے۔
دفعتائراً اُپسکر میں کوئی خرابی واقع ہو گئی اور ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے کئے

لڑپڑے ہوں۔ لیکن اب عام لوگ اس کے عادی ہو چکے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ہر میں ہی کی آواز سنائی دے گی۔

دوسرے ہی لمحے میں لاڈ بیکر سے آواز آئی۔ ”میں ڈاکٹر ہر میں اس ملک کے عوام سے مخاطب ہوں۔ آپ فولادی سے قطعی نہ ڈریے۔ اب وہ پھر پہلے ہی کی طرح آپ کا خادم ہے۔ ایک غلط ہیجی کی بناء پر حالیہ ہنگے ہوئے تھے۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔ لیکن کیا آپ موجود حکومت کو پسند کرتے ہیں؟ سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کیجئے۔ اس وقت بھی آپ کی موجود پریشانی کا باعث آپ کی حکومت ہی ہے۔ کتنا حق لوگ ہیں۔ خواہ مخواہ اتنے بہباد کر دیجئے کیا یہ ضروری ہے کہ میں ٹیکم گذھ ہی کے اطراف میں ملوں گا۔ میں غور سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں نے محوس کیا کہ یہ حکومت ناکارہ ثابت ہو رہی ہے تو مجبوراً مجھے عوام کی غاطر اسے ٹھکانے لگانا ہی پڑے گا۔ میں ہوں آپ کا خادم ہر میں۔“

”چور....!“ فریدی نہ اسamt بنا کر بڑی بڑی۔ ہاں میں چند لمحے سناتا ہا اور پھر ریڈیو سیلوں کا پروگرام سنا جانے لگا۔

”سبھی میں نہیں آتا کہ یہ یک بیک بدلتے گیا۔“ حمید نے کہا۔

”اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ سونا لھاث کوئی کے قبضے میں کیوں نہیں دیکھا چاہتا۔“

”ابھی تک آپ بھی سوچ رہے ہیں۔“

”میرا خیال ہے یہ بہت اہم ہے۔“

”میں آپ سے تفصیل نہیں پوچھوں گا۔“ حمید بڑی بڑی۔ ”میں جانتا ہوں کہ آپ نہیں بتائیں گے۔“

”بکھدار ہو۔“

پھر وہ دونوں ہی غاموش ہو گئے۔ ریڈیو سیلوں سے فلمی گیت اور اشتہارات نشروع ہوتے رہے۔ آج دو دن سے قطعی سکون تھا۔ اس دوران میں فولادی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ شہر کا حالت آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھی۔ سیاحوں کو واپسی کی اجازت مل گئی تھی لیکن مقانی باشندوں پر اب بھی پابندیاں عائد تھیں۔

فریدی نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس دوران میں اعلیٰ حکام کی طرف سے برابر اس

کے نام پیغامات آتے رہے تھے اور وہ بھی انہیں مطلع کر تارہا تھا کہ وہ غافل نہیں ہے۔
چہ چروں ہوں کا ایک مختصر ساتھی ملکم گذھ کے ویران علاقے کی طرف چل چلا۔ ان کی وضع قطعی خانہ بدوشوں کی سی تھی۔ ان میں تین تو حقیقت چروں ہے تھے اور بقیہ تین قاسم، حمید اور فریدی تھے۔ اس خیال سے قاسم کو ساتھ لینا پڑا تھا کہ کہیں وہ ان کی عدم موجودگی میں اپنے تجویزات نہ بیان کرتا پھرے گا۔ لیکن حقیقت بعد کو معلوم ہوئی تھی۔ اُس نے حمید کو بتایا کہ وہ تو دراصل تازہ ذبح کی ہوئی بھیڑوں کا بھنا ہوا گوشت کھانے کے لئے ان کے ساتھ آیا تھا۔
وہ جس لئے بھی آیا ہو۔ فریدی خود نی اُسے ٹیکم گذھ میں نہیں چھوڑنا پا ہتا تھا۔
ایک جگہ رہنمک گیا۔ بیہاں چاروں طرف بمباری کی تباہ کاریاں نظر آ رہی تھیں۔
”راستہ بند ہو گیا ہے جناب۔“ اُس نے ایک درے کی طرف اشارہ کر کے کہا جس میں بڑے بڑے پھرلوں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔

”یہ نقصان ہوا ہے پہنچا دیتے۔“ حمید بڑی بڑی۔

”باؤں.... راست۔“ قاسم نے فریدی سے پوچھا۔

”ہھر و....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ہم تو کسی نہ کسی طرح گذری جائیں گے لیکن ان بھیڑوں کا مسئلہ ٹیز ہا ہے۔“

”آنہیں میں گو میں اخاٹھا کر اور ہر پہنچادوں گا۔“ قاسم نے کہا۔

”سنو....!“ فریدی نے چروں ہے کو مخاطب کیا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم اپنے دونوں ساتھیوں کو بھیں چھوڑ دو۔ آئھیا دس بھیڑیں ساتھ لے چلو ان کی قیمت تمہیں ادا کرو دی جائے گی۔“

”نہیں صاحب میں اکیلے تو کبھی نہ جاؤں گا۔ میرے دونوں بھائی ہر حال میں میرے ساتھ جائیں گے۔“

”تمہاری حفاظت کا ذمہ پہلے ہی لیا جا پکا ہے۔“

”کچھ بھی ہو بھائی جائیں گے۔“

”اچھا تو چلو.... ان بھیڑوں کو آگے گے بڑھا۔“

چروں اپا کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تو ہوا چکر ضرور پڑے گا۔ لیکن ہمیں راستہ مل جائے گا۔“

”پکھ کر دیجی تو...؟“ حمید جھنگلا کر بولا۔
وہ پھر پچھے لوٹی اور تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد جو داہے کے بیان کے مطابق زلہ پر گلگئے
”یہ آخر اپنے ہائیکوں کو ساتھ لے جانے پر کیوں مصر ہے۔“
”بس دیکھتے رہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم محفوظ ہیں یا ہماری اسکیوں کی اطلاع دوسروں کو
نہیں ہے۔“

”کیا مطلب....!“

”مطلب یہ کہ ان دونوں چروں سے ہوشیار رہنا۔ ان میں سے کم از کم ایک کوتومیں
پہچان چکا ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں بھی میک اپ ہی میں ہیں۔“

”حمد و دونوں چروں کو گھورنے لگا پھر بولا۔“ تو کیوں نہ ان سے سینیں سمجھ لیا جائے۔“

”نہیں چلنے دو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے کار آمد ہی ثابت ہو سکیں۔“

”آپ کے لئے تو سانپ کے بچے بھی کار آمد ہو سکتے ہیں۔“ حمید جھنگلا گیا۔

”یقیناً اکثر وہ بھی کام آئے ہیں۔“ فریدی بولا۔

سفر جاری رہا۔ وہ ان دیر انوں میں ایک رات گزار چکے تھے۔ اور کے پیاروں کا عجیب حال
تھا۔ کہیں تو بھورے رنگ کی ننگی چٹانیں ہی چٹانیں بکھری ہوئی نظر آتیں اور کہیں بزرے سے
ڈھکے ہوئے پہنچتے۔

حمدی کو تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی ”ظمم ہوش ربانی علاقے“ میں سفر کر رہا ہو۔
قاسم کی زبان تھکن کے باوجود بھی چلتی رہی لیکن تذکرہ یا تو تھکن کا ہوتا یا نہ مٹنے والی
بھوک کا۔ زندہ اور چلتی بھیڑوں کو بھی وہ ایسی لپچائی ہوئی نظر وں سے دیکھتا جیسے کھال سمیت چا
جائے گا۔

دوسری رات گزارنے کے لئے وہ ایک ایسے مقام پر رکے جہاں مسطح زمین مشکل ہی سے
نظر آتی تھی۔ چاروں طرف اوپری نیچی ناہواری چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ انہیں کوئی غار بھی نہ
مل سکا اس لئے رات کھلے ہی میں گزارنی تھی۔ ایک بھیڑ ذکر کی گئی اور ان لکڑیوں پر بھونی جانے
گئی جو خپروں پر بار کر کے لائی گئی تھیں۔ کھانے کے مسئلے ڈبوں میں محفوظ کی ہوئی غذاوں سے
بھی حل ہو سکتا تھا مگر وہ تھوڑی سی تفریخ بھی چاہتے تھے۔ پھر حمید کو ڈبوں والی غذاوں سے اللہ

لے کاہیر تھا۔
پہنچ بھر جانے پر وہ سونے کے لئے لیٹ گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد خراٹوں کی آوازیں فضا
منشر ہونے لگیں، لیکن فریدی جاگ رہا تھا۔ وہ اور حمید باری باری سے سوتے تھے۔ مگر
روں کو اس کا علم نہیں تھا۔
آسان یاہ بادلوں سے چھپا جا رہا تھا۔ کہیں اکاڈ کا ستارے دکھائی دیتے لیکن دن بھر کی تھکن
میں بھی انہیں خرابوں کے جزیروں کی سیر کر رہی تھی۔

فریدی نے کروٹ بدی اور پھر یک اچھل کر پیٹھ گیا۔ پائیں جانب والی ڈھلان سے
نی نظر آئی تھی۔ حمید اُس کے قریب ہی تھا۔ اُس نے اسے جھنگوڑا اور ساتھ ہی اُس کے منہ
نہ بھی رکھ دیا۔

حمدی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

”فولادی“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”آؤ... چپ چاپ اور ھر چلے آؤ۔“ وہ اُسے ایک
لماچٹان کے پیچے کھینچ لے گیا۔

”اُس کی روشنی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”یہی
تدبیر ہے جسے اختیار کرنے پر ہم اُس سے فیکسیں گے۔“

ذرائعی اسی دیر میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ کوئی کہتے ہیں فولادی ہی تھا اور
نے نشیب سے سرا جھارا تھا۔

حمدی کو اُس وقت ہوش آیا جب اُس نے اپنے کان کے پاس ہی گولی چلنے کی آواز سنی اور یک
اندر ہمراہ پھیل گیا۔

”وہاڑا۔“ فریدی کی ادبے ہوئے جوش کے ساتھ بڑو دیا۔
”یعنی.... یعنی....“

”فولادی اندر ہا ہو گیا۔ اب وہ نہیں دیکھ سکے گا۔“
وہ فولادی چکھاڑنے لگا۔ ”نمک حراموں یہ کیا ہو۔ تم پڑے سور ہے ہو۔ یہ گولی کس نے
اتھی... کس نے چالی تھی۔“
اچھک مارچ کی روشنی فولادی پر پڑی۔ یہ ثارچ ایک چروہے کے ہاتھ میں تھی۔ قاسم بھی

اٹھ بیٹھا تھا۔

”جواب کیوں نہیں دیتے۔“ فولادی پتھکھاڑا۔

”پتہ نہیں۔“ چرواہے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر اُس نے چاروں طرف تاریخ روشنی ڈالی، ساتھ ہی اس کا ریو اور بھی نکل آیا۔

”وہ دونوں کہاں ہیں۔“ اُس نے قام سے گرج کر پوچھا۔

”میں قیاجانوں۔“

”یہ کون بولا تھا۔“ فولادی نے پوچھا۔

”موٹا آدمی۔“ چرواہے نے جواب دیا۔ ”وہ دونوں غائب ہیں۔“

”تو وہ... میں تمہیں فاکر کروں گا۔ تمہاری ہی غفلت کی بناء پر انداھا ہو گیا۔“

”ابے نیلم کہاں ہے اندھی کے۔“ قاسم دھاڑا۔

”اُس سے گولی مار دو۔“ فولادی نے کہا۔ ”میں اب بالکل بیکار ہو چکا ہوں۔ نہ چنگالیاں بر سما ہوں اور نہ اس قابل بن سکتا ہوں کہ جملوں سے خود کو بچا سکوں۔“

شاید اس نے ٹریکر دبانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فریدی کے ریو اور سے پھر شعلہ لٹک اندر ہیرے میں ایک تینج دوڑ تک لہرائی چلی گئی۔

”آؤ...!“ فریدی نے حید سے کہا اور چنان کی اوٹ سے نکل آیا۔ اُس کے دائبے ہاتھ ریو اور تھا اور بائیں میں ٹارچ۔

”تم دونوں اپنے ہاتھ اور اٹھا لو۔“ فریدی نے پر سکون لے جی میں کہا۔ ایک چواہا پانچاہا جتنا باسیں سے دبائے ہوئے جھکا کھڑا تھا۔ اُس کے دائبے ہاتھ سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

”یہ کون ہے۔“ فولادی سے آواز آئی۔

”تمہارا باپ ہے سالے۔“ قاسم نے ایک بے ہنگم ساق تھہہ لگایا۔

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر زخمی چرواہے سے بولا۔ ”کیوں... ورنہ جن ہمارے ملاقات کتنی دلچسپ ہے۔“

”ورجن...!“ حید متحیر انداز میں بڑا لیا۔ ”یعنی کہ...!“

”ہاں...!“ فریدی بولا۔ ”ورجن! غالباً اب تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے۔“

”یہ کے ملکن ہے۔“

”سب کچھ ملکن ہے۔ ابھی بہت کچھ دیکھو گے۔“

رفعت فولادی آگے بڑھا۔ لیکن کسی اندر سے آدمی ہی کی طرح لاکھڑا تھا ہو۔ ان دونوں کے درمیان سے نکل گیا۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح ادھر اور درہ دوڑنے لگا۔ اُس کے ہاتھ اس طرح خلاء میں چلتے اور سستے رہے، جیسے کوئی انداھا کسی کو ڈھونڈنے رہا ہو۔

قاسم نے حید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ”محظی نارچ دکھاؤ۔“ ”میا کرو گے۔“

”بھرتا بناؤں گا۔“

حید اسے روشنی دکھانے لگا۔ قاسم کچھ ڈھونڈنے رہا تھا۔ دفعتاہ جھک کر ایک بہت وزنی پتھر اٹھانے لگا اور حید کی ”ہائیں ہائیں“ کے باوجود وہ پتھر اُس کے سر سے بلند ہو گیا۔

”ٹھہرو! ٹھہرو!...!“ فریدی بھی بول پڑا۔

مگر کون سنتا ہے۔ قاسم نے وہ پتھر فولادی پر دے مارا اور فولادی پتھر سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے سینے سے جھانکنے والی کنی رنگوں کی روشنیاں بھی عائب ہو چکی تھیں اور وہ بالکل ناموش تھا۔

لیکن ٹھیک اُسی وقت نشیب سے بے شمار قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ آنے والے شاید دڑھے تھے۔

حید انہیں وہیں چھوڑ کر نشیب کی طرف چھپتا۔ سرے پر کھینچتے ہی اُس نے نیچے کی جانب دو نئن فائر جھوک دیئے۔ وہ پے در پے فائر کر تارہ۔ نیچے سے بھی فائر ہونے لگے۔

ادھر فریدی قاسم کی مدد سے ان دونوں کو پاندھ رہا تھا۔

رات کا سناٹا فائزوں کی آوازوں سے مجروح ہوتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فریدی نے محوس یا کہ ”چاروں طرف سے گھر گئے ہیں۔“

اس نے بڑی پھرتی سے اپنا تھیلا تلاش کر کے اس میں سے سفری ٹرانسپرٹ نکلا اور جلدی بلدری کیئے لگا۔

”قہب آجائو۔ قریب آجائو۔ فریدی اسپنگ... اب تم لوگ ان پر حملہ کر سکتے ہو۔“

خونخوار لڑکی

حمدید کو اچھی طرح یاد نہیں کر وہ ہنگامہ کتنی دیر تک جاری رہا تھا۔ ویسے یہ ضرور ہوا کہ افراطی میں فریدی کا ساتھ چھوٹ گیا۔ ویسے جس کا بھی ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا وہ اسے ہوا ایک طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ خیال یہ تھا کہ وہ قاسم کے علاوہ اور کوئی نہ ہو گا۔ فائزوں کی آوازیں اب نہیں آرہی تھیں۔ لیکن وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔ گھنٹوپ اندر ہیرے میں وہ کئی بار گرتے گرتے چلا۔ دو ایک بار چانوں سے ٹکرایا۔ اور پھر آخر اسے رکنا پڑا۔

وہ ذر کر نہیں جھانا ٹھا بلکہ اس کے قدم غیر ارادی طور پر ایک طرف اٹھ گئے تھے اور وہ اندر ہیرے میں کسی ایک جگہ شہر نا حماقت ہی ہوتی۔ جب کہ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ نے مژا سیپر کن آدمیوں کو مخاطب کیا تھا اور ان کا حملہ کس جانب سے ہو گا۔ حملہ آؤ رج کدھر ہے۔

”قاسم....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

لیکن جواب ندارد۔ حالانکہ اس کا ہاتھ اب بھی ہاتھ ہی میں تھا۔ حید نے ہاتھ چھوڑا۔ نکال لی۔ اور اب اس کی روشنی میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ یہ چواہا جو رہنمائی سے ان کے ساتھ آیا تھا۔

دوسرے لمحے میں حید نے ریو اور نکال کر اس کے سینے پر کھدیا۔

”تم نے ہمیں دھوکا دیا۔“ وہ اسے لات مار کر ایک طرف گرا تاہو ابولا۔

”ارے.... حضور سنئے تو سکی۔ جیسے آپ نے راستہ دھانے کے لئے روپے دیئے طرح انہوں نے بھی دیے تھے۔ میں کیا جانوں سر کار کے آپ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔“

”تو نے انہیں اپنا بھائی کیوں ظاہر کیا تھا۔“

”انہوں نے سبھی کہا تھا۔ میں نے ان سے بتایا تھا کہ پولیس والے مجھے اپنے ساتھ لے ہیں میں کسی اور کو ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ لیکن انہوں نے اس سے زیادہ روپیہ دیا تھا۔ ملا تھا اور کہا کہ میں انہیں اپنا بھائی ظاہر کر کے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔“

”تیرے بھائیوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اُس کا بدل جھے لیا جا سکتا ہے۔“
چروالا گڑا نے لگا۔ اور اچاک حمید کسی ہمیرت کی طرح زمین پر چلا آیا۔ کسی نے اس پر چھلانگ لگائی تھی ساتھ ہی اس نے چرواہے کی چینیں بھی سینیں۔

چونکہ حملہ بے خبری میں ہوا تھا اس نے حمید کو سنجھنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ حملہ آور پاٹھی یا پھر تھے یا مگن ہے اس سے بھی زیادہ رہے ہوں۔ حمید کو سچی اندازہ نہ ہو سکا۔ اس کا سر بہت زور سے پھر میں زمین پر پا تھا اور چوت ایسی نہ تھی کہ وہ تھوڑی ہی دیر تک ہوش میں رہ سکتا۔

اور جب ہوش آیا تو آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ کپٹیاں ترخنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر آجائیں گی۔ اس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔ اسے اپنے چاروں طرف صدہ بلب روشن نظر آئے۔ انہائی تیز روشنی والے بلب اور پھر کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ اُس کا سارا جسم پسپتے میں ڈوبا ہوا ہے۔ کرہ بے حد گرم تھا اور شاید یہ آنچ انہیں لمبوں سے خارج ہو رہی تھی۔

لیکن اس کی سمجھن کی جرأت اگریز طور پر زائل ہو گئی تھی۔ اسے قلعی یہ نہیں معلوم رہا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے یہ ہوش رہا ہے۔ اس نے پھر آنکھیں کھولیں لیکن اُس روشنی کی تاب نہ لاسکا۔ اسے یاد آیا کہ اس کی جیب میں تاریک شیشوں کی ایک یونک بھی تھی۔ اس نے اپنی جیبیں مٹولی شروع کیں۔ یونک تو مل گئی لیکن ریو اور غائب تھا۔ مگر پھر یاد آیا کہ ریو اور تو اس وقت اس کے ہاتھ میں قابو گئی تھی۔

اس نے یونک نکال کر آنکھوں پر لگائی اور اب وہ بخوبی چاروں طرف دیکھ سکتا تھا لیکن روشنی اب بھی خاصی تیز لگ رہی تھی۔

یہ ایک کافی وسیع کرہ تھا لیکن حمید کو کہیں کھڑکی یا دروازہ نہیں دکھائی دیا۔ پھر یہ سوچ کر اُس کا دم کھٹھٹا کر وہ ایک بہت بڑے صندوق میں بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ سمجھن مخفی ذہنی تھا۔ جسمانی طور پر وہ ذرہ برابر تکان نہیں محسوس کر رہا تھا۔ لہذا زندہ رہنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ سمجھن کے احساس کو فتا کرنے کی کوشش کرتا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے اپنے ذہن کو اور ادھر بھکانا شروع کر دیا۔

"بابا پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ دیے اب مجھے اس سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔ وہ صرف ہاں ٹھانا جانتا ہے اور اس کا کوئی اقدام مقصد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاید اس نے اسی دن کے لئے میری پرورش کی تھی کہ میرے ذریعہ سے ہر میں جیسے کسی آدمی تک پہنچ سکے۔ اب اسے دیا بہت مشکل ہے۔ وہ ساری دنیا کو جاہ کر سکتا ہے۔"

"فولادی کو ہم نے جاہ کر دیا۔"

"فولادی" نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اس کی کیا حقیقت تھی۔ یہاں اُنہے بھی زیادہ ناک بالائیں موجود ہیں۔ ایسے حریبے جو ریڈیائی لہروں سے کٹرول ہوتے ہیں۔ صرف ایک ہم سے کاموں نے جہاز کے پرچے اڑاویے تھے۔ کیا تم بھول گئے کاموں نس سمجھتے ہوئے؟"
"نہیں..... پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"ایک نحاساً بم جس میں کامیک شعاعیں مقید تھیں اور اسے سونا گھاٹ پر پہنچانے کے لئے اودی کو استعمال کیا گیا تھا۔ پھر ریڈیو کٹرول کے ذریعے یہیں بیٹھے بیٹھے وہ بم پھاڑ دیا گیا۔ جہاز کے چیزوں پر اڑ گئے۔"

"لیکن ہر میں کیسے قابو میں آیا تھا۔"

"بابا نے مجھ سے کہا تھا کہ شاید ہر میں تم سے دوستی کرنا چاہتا ہے لہذا تمہیں بھی چاہئے کہ مانک پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں نے فولادی سے ایک دن خواہش ظاہر کی کہ میں اس کا گھر دیکھنا تھا ہوں۔ وہ تیار ہو گی۔ لیکن میں تھا نہیں جانا چاہتی تھی۔ بابا میں سے جاچکا تھا اور گروہ والوں سے بھی کوئی نہیں تھا۔ میری نظر موٹے پر پڑ گئی۔ میں نے سوچا کہ اسی کو ساتھ لے چلوں۔ اور میں اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک عجیب وضع کی گاڑی لایا تھا، جواہر بھی ناچی۔ ایک جگہ فولادی نے موٹے کو اتار دیا۔ پھر میرے احتجاج پر بولا کہ واپسی میں اسے تھا لے لیا جائے گا۔ بہر حال ہم ایک جگہ اترے جہاں دو آدمی پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے ری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ تھوڑی دریں تک مجھے انہوں کی طرح چلانا پڑا۔ اور پھر جب میری لمبوں سے پٹی بٹائی گئی تو میں نے خود کو یہاں پایا۔ میرے گرد چھیس آدمی تھے اور انہیں میں میں بھی تھا۔ وہ سب مجھے دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ ہر میں نے بتایا کہ ان کے ساتھی تقریباً اس سال بعد کسی عورت کو اتنے قریب سے دیکھ رہے ہیں۔ لہذا میں ان

پکھہ دیر بعد اس کی پشت کی جانب ایک دیوار میں اچانک دروازہ نمودار ہوا۔ لیکن حید کو اسی خبر نہ ہو سکی۔ دروازے سے اندر آنے والی ایک عورت تھی جس نے اپنا چہرہ چھپا کر کھا تھا۔ کے اندر آتے ہی دیوار پھر برابر ہو گئی۔

اس عورت کے قدموں کی آواز پر حید چوک پڑا۔

عورت نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس عورت نے بھی تاریک شیشوں کی عینک لگا کر کھی تھی اور جب اس نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹالی تو حید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ نیلم تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بلکل ہی مسکراہٹ دکھائی دی۔ لیکن اس مسکراہٹ کا مفہوم سمجھنا مشکل ہی تھا۔ پتہ نہیں وہ طنزیہ مسکراہٹ تھی یا اس ملاقات پر خوشی کا انہلہار تھا یا یونہی عاہ ہونٹوں میں کھچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اگر اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک نہ ہوتی تو حید کو مسکراہٹ پر الجھن میں نہ مبتلا ہوتا پڑتا۔

"تم آخر آہی گے۔" اس نے آہتے سے کہا۔

"ہاں..... لیکن یہ اب معلوم ہوا کہ ہر میں اور اسکلروں میں کتنا گہرا تعلق تھا۔"

"تم نہیں سمجھ۔" نیلم نے مغموم لمحے میں کہا۔ "میں ہر میں کے لئے بہت رنجیدہ ہوں۔ آدمی نہیں فرشتہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلوب نہ پوچھو۔" نیلم نے مخفی سانس لی۔ "بابا نے میرے ساتھ بھی فرلا کیا۔"

"یعنی....؟"

"یعنی.... مطلب" نیلم جھنگلا گئی۔ "اپنی فکر کرو۔ تم زندہ نہیں پھو گے، بابا آج کل، زیادہ خونخوار ہو رہا ہے۔"

"مجھے کوئی نہیں مار سکتا۔" حید مسکرا یا۔ "میں نے پچھلے سال ایک بوتل آب وفات پیا۔ تم مجھے ہر میں کے متعلق بتاؤ۔ آہا..... ٹھہرو۔ کیا کرن بھی پکڑ لئے گے ہیں۔"

"نہیں..... نہ وہ ہاتھ لے گے اور نہ موٹا۔"

"تب تو تم اپنے بابا کے کفن دفن کا انتظام ابھی سے شروع کر دو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ وقت پر تمہیں پریشانی ہو۔"

کی کسی غیر مہذب حرکت سے اڑنے لوں۔ اُس نے کہا کہ وہ مجھے ایک جری اور باہمی لڑکی ہے۔ ابھی یہی سب ہو رہا تھا کہ بابا اور اس کے دس ساتھی ہاتھوں میں نای گئیں لے رہے۔ ان لوگوں نے ہیلی کا پروں کے ذریعہ ہمارا تعاقب کیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر میں اور ساتھی قیدی بنا لئے گئے۔ کاش مجھے پہلے ہی یاد آ جاتا کہ بابا کے پاس دو بے آواز ہیلی کو پہلی توکھی میں اوہر کارخانہ کرتی۔

”مگر ہر میں نے اُسے ان چیزوں کا استعمال کیسے تادیا۔“

”ہر میں مرا نہیں چاہتا۔ بابا نے اُسے ایسی اذیتیں دی ہیں کہ شیطان کا لیجہ بھی پالی، ہے۔ اب وہ ایک بے بن کتے کی طرح اس کا ہر حکم بجالاتا ہے اور میں اب بابا کی شکل نہیں چاہتی، لیکن میں نے اپنی نفترت اس پر نہیں ظاہر ہونے دی۔ اچھا... اٹھو... تیار ہو جاؤ حکم ملا ہے کہ تمہیں اس کے سامنے پیش کروں۔“

نیلم نے روپ اور نکال لیا اور حمید نے مسکراتے ہوئے باہم آنکھ دبا کر اپنے دوفا اٹھا دیے۔

”سید ہے چلو۔“ نیلم آہستہ سے بولی۔ ”میں بجور ہوں لیکن حتی الامکان کو شش کر کر تمہیں بچالیا جائے۔“

”شکریہ۔ میں فتح جانے کے لئے کسی کا محتاج نہیں بن سکتا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی۔“

”بابا بہت خطرناک ہے۔ وہ کڑل فریدی کو بھی طفل مکتب سمجھتا ہے۔“

حید خیسے ہی دیوار کے قریب پہنچا دروازہ نمودار ہو گیا۔

”چلو... چلتے رہو۔“ نیلم نے کہا۔ وہ روپ اور لئے ہوئے اس کے پیچے چل رہی تھی۔ حید خاموشی سے چلتا رہا اور پھر وہ ایک بہت بڑے کرے میں آئے۔ حید کے داڑھی اس کرے کی دیوار بھی برابر ہو گئی اور یہ بھی ایک بہت بڑا صندوق معلوم ہونے لگا۔ آدمی نظر آئے ان میں وہ دونوں چڑواہے بھی تھے جنہوں نے حید اور فریدی کے ساتھ تھا۔ رُخی چڑواہے کا ہاتھ ابھی تک اُسی حالت میں تھا۔ اس کی ذریں گئے نہیں کی گئی تھی۔ اُس نے حید کو دیکھ کر دانت پیتے ہوئے کہا۔ ”اب میں دیکھوں گا کہ تم لوگ کتنے اور طاقتور ہو۔“

”اگر تم نے یہ الفاظ کسی کھلی چکے ہوتے تو میں تمہاری کافی قدر کرتا۔“
”حید مسکرا کر بولا۔“ ”صدو قوں میں مرنے یا جینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“
”گمن گمن کر سارے بدے چکاؤں گا۔“

نیلم اُسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حید کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف کی ایسے ندے کی طرح دیکھ رہا تھا جس کا پنجہ تبدیل کیا گیا ہو۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ اس کا ذہن یہی میں الجھا ہوا تھا۔ ان دونوں چڑواہوں کی موجودگی کا مقصد تو یہی ہو سکتا تھا کہ فریدی اور یا کے نامعلوم ساتھیوں کو نکلست قاش ہوئی کیونکہ خود حید اور قاسم نے ان دونوں چڑواہوں کو رہا تھا۔

و فتح اسامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک رغیر ملکی اور دوسرا دیسی تھا۔ دونوں ہی کے چہروں پر گھنی واڑھیاں تھیں۔ غیر ملکی کے ہاتھوں چھکیاں تھیں اور اس کی آنکھوں سے گہرا غم جھاک رہا تھا۔

دیکھ بوڑھے نے حید کو نیچے سے اوپر دیکھا اور پھر قہر آکوں نظروں سے زخمی چڑواہے کی دیکھنے لگا۔

”درجن! تم اپنے لئے خود ہی کوئی سزا جھویز کرو۔“

”لیا مطلب...!“ درجن غصیلی آواز میں بولا۔ ”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ تمہیں بھی یہ ت ہوئی کہ مجھ سے اس لیجھ میں گفتگو کر سکو۔“

”شٹ اپ یور ڈرٹی سوا میں۔“ بوڑھا غریل۔ ”محض تمہاری وجہ سے فریدی کو علم ہوا تھا کہ تجارت کی پشت پر کون ہے اور اب تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اُسے پکڑ کر یہاں لے گئے۔ تمہاری وجہ سے فولادی جیسی کار آمد چیز تباہ ہوئی۔“

”میں تمہارے سامنے جواب دے نہیں ہوں۔ تم اپنی زبان بند رکھو۔“

”درجن تجھے سرا ضرور ملے گی۔“

”کس میں بہت ہے۔“ درجن سینہ تان کر بولا۔ ”کل تک تو میرا ماحتخت خانمک حرام آج پر آنکھیں نکال رہا ہے۔“

”تجھے گھنٹوں چلانا کس نے سکھایا تھا۔“ بوڑھے نے زہر لیسی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"میں صرف رانا صاحب کو جو ابde ہوں اور تم سب میرے ماتحت ہو۔"

"اوکتے کے پلے۔" بوڑھا غرایا۔ "تو ایک سرکاری سراغ رسال کے سامنے رانا صاحب کا نا لے رہا ہے۔"

"شٹ اپ... ذلیل نمک حرام۔" درجن بھی اسی انداز میں دہاڑا۔ "کیا یہ سراغ رسال اب آساناں دیکھ سکتا ہے۔"

"لیکن رانا صاحب کا نام تیری زبان پر کیسے آیا۔ تجھے اس کی سزا اضطرار ملے گی۔" بوڑھے۔ آہستہ سے کہا اور پھر نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نیلم تیرے باپ کا قاتل ہی ہے۔ تیری ماں اسی نے گولی چلائی تھی اور تو بارش میں پڑی جھینچ رہ گئی تھی۔"

"بابا....!"
ہاں نیلم... بابا مر آؤی ضرور ہے لیکن وہ خواہ جھوٹ نہیں بولتا۔"

"تو میرے باپ کا قاتل ہے۔" نیلم نے درجن کو مخاطب کیا۔
"مجھے یاد نہیں۔" درجن نے لاپرواں سے شانوں کو جنمیں دی۔ "میرے پاس مقتولوں فہرست کبھی نہیں رہی۔"

نیلم نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے روپ اور پر نظر ڈالی، لیکن پھر اسے یہ کہہ کر بوڑھے طرف اچھاہی دیا۔ "اتی پیاس ہے بابا کہ مزے لے لے کر پینا چاہتی ہوں۔"
بوڑھے نے روپ اور اپنے ہاتھوں پر روک لیا۔ نیلم دوسرا ہی لمحے میں اپنی بیٹی سے نکال چکی تھی۔

"کیا تمہیں اس منھی منی سی لڑکی پر رحم نہیں آتا۔" درجن نے بوڑھے سے کہا۔
"نیلم.... تیری تربیت میرے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔"

"ہاں.... بابا....!" نیلم نے کہا اور کسی شیرنی کی طرح درجن پر جھپٹ پڑی۔ درجن:
پہلا اوار خالی ذلیل وہ کسی دیوانے کی طرح ہنس رہا تھا۔ نیلم دور کھڑی دوسرا ہے جملے کی تاک:
تھی۔ اس بار اس نے چھلانگ لگائی۔ درجن نے پینتر ابل لیکن حید متھیر رہ گیا۔ پہلے ایسا مطا ہوا جیسے نیلم نے چھلانگ لگائی ہو لیکن حققت صرف اتنی تھی کہ اس نے درجن کو دھوکا دیا۔
چھلانگ تو حقیقتاً اس وقت لگائی تھی جب درجن پینٹر ابل چکا تھا۔ نیلم خیز سمجھنے کر پیچھے ہٹ آؤ۔

"بہت اچھے.... بہت اچھے۔" بوڑھا میساختہ بولا۔

اس بار درجن ہی نیلم پر جھپٹ پڑا۔ لیکن نیلم اس کی بائیں پلی پر وار کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

"واہ بھئی! کیا یا تھے خا... خا...!" حمید بیساختہ بول پڑا۔

"دیکھا درجن! دشمن بھی تعریف کرتے ہیں۔" بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ "لیکن تم میری منت کی داد نہیں دیتے۔"

درجن کھڑا آگے پیچھے جھوول رہا تھا اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے دکھائی دیا نہ دیتا ہو۔ وہ یک بیک بوڑھے کی طرف جھپٹا لیکن نیلم نے اس کے بال پکڑنے اور جھٹکا دے کر داہنی پلی پر بھی ایک دار کیا۔ اس بار درجن اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ فرش پر خون بھیل رہا تھا اور درجن کے ہاتھ اس طرح پھسل رہے تھے جیسے وہ دوبارہ اسے اپنی رگوں میں بھر لیتا چاہتا ہو۔

"اب تم اسی طرح سکتے رہو۔" نیلم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "لیکن آخری اور فیصلہ کن دار ہرگز نہ کروں گی۔"

"شباش.... تو بابا یعنی کی بیٹی ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

نیلم کچھ نہ ہوئی۔ وہ کسی شریر بیچے کی طرح زخمی درجن کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے کسی تکلی کے پر فوج کر اسے فرش پر ڈال دیا ہو۔ اس کے چہرے پر خوشی اور حیرت کے ملے جملے آثار تھے جیسے اسے اپنے اس کارناٹے پر یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

حمد خود کو لا پرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیوں کیپھن؟ کیا تم بھی اسی لڑکی کے ہاتھوں مرتا پسند کو گے۔" بوڑھے نے مسکرا کر حمید کو مخاطب کیا۔

"ہرگز نہیں۔" حمید بھی جواباً مسکر لیا۔ "مجھے ادو شاعری کے قاتل سے بھیش نفرت رہی ہے لیکن میں ایک خاص قسم کی موت زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

"وہ خاص قسم کی موت کون ہی ہے۔"

"تم کافاً شروع کر دو۔ میرا تم عبدالرحمٰن۔ پتے والا میں ہوں پھٹان۔ بس میں یہیں پھڑک پھڑک کر جان دے دوں گا۔"

”سیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے فتح کر نکل جاؤ گے۔“ بوڑھا جھلا گیا۔

”بل میری جان یہ جملہ نہ دھرا تو۔ یہ جملہ بیشہ سے منحوس ثابت ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے درجن نے بھی تھی کہا تھا۔ اس کا انجمام تمہارے سامنے ہے۔“

”نیلم... اے بھی ختم کر دئے۔“ بوڑھے نے کہا۔

نیلم چند لمحے حید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ ”میری عقل ابھی اپنی جگہ پر ہے۔ یہ ایک غیر و انشدناہ فعل ہو گا بابا۔“

”کیوں....؟“

”میں سے فریدی کو چھاننے کیلئے چار اکیوں نہ بناو۔ ویسے وہ اتھ نہیں آئے گا۔ بڑا کائیاں ہے۔“

بوڑھا کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ”تو ٹھیک کہہ رہی ہے نیلم۔“

حید کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔ ”تم نے دیکھا اس لڑکی کو... یہ ایسے حالات میں ہجھ عقل مندوں کی طرح سوچتی ہے۔“

حید کچھ نہ بولا۔

ہنگاموں کی موت

بھاری بھر کم درجن کسی مررتے ہوئے بھینیے کی طرح ڈکر اتھا تھا..... اور نیلم ہنس رہی تھی جیخ رہی تھی۔ ”میں نے آج تک کسی پر ندے کا بھی خون نہیں بھیلا۔ لیکن میں اس وقت اس سرور ہوں چیزے میں نے کوئی بڑا نیک کام کیا ہو... بابا کیا میں خوش نظر نہیں آتی۔“

”بہت زیادہ۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”تم ہی نہیں میں بھی خوش ہوں کہ آج تمہیں تمہارے والدین کے قاتل سے ملا سکا۔“

”ٹکریہ بابا۔“ نیلم نے کہا۔ لیکن حید نے اس کے لمحے میں ہلکی سی تلنی بھی محسوس کردا ابھی تک اس کی نظر وہ صدھا عجیب لڑکیاں گذری تھیں لیکن یہ لڑکی عجیب ترین تھی۔

وغفتہ بائیں جاتب والی دیوار سے ایک دروازہ غما خلاء خوددار ہوئی اور حید کو قاسم نظر آیا؛ دو آدمی دھکیل دھکیل کر آگے بڑھا رہے تھے۔ ویکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اسی کمرے میں آیا۔

کے ہاتھ پشت پربندھے ہوئے تھے۔

حید کو دیکھ کر اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ پتہ نہیں یہ خوشی کا اظہار تھا یا حیرت کا۔ بوڑھے نے ان آدمیوں کو مخاطب کیا جو قسم کو لائے تھے۔

”وہ کہاں ہے۔“

”تلash جاری ہے۔“ ایک نے جواب دیا۔ ”ہمیں یقین ہے کہ کچھ دیر بعد وہ بھی نہیں نظر ہے گا۔“

”جاوے... تلash کرو۔“ بوڑھے نے غصیلے لمحے میں کہا۔

حید نے اطمینان کا سائنس لیا۔ وہ سمجھا تھا شاید فریدی بھی ان کے بھتھے چڑھ گیا۔

اس نے قاسم کی طرف دیکھا، جو آہستہ آہستہ کھلکھلا ہوا حید کے قریب پہنچ گیا تھا۔ لیکن می شاید اس نے نہ تو نیلم کی موجودگی محسوس کی تھی اور نہ اس زخمی کو دیکھ سکتا تھا، جواب بیہوش تھا۔

”ارے باپ رے۔“ نیلم پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل پا اور بوڑھا اسے گھورنے لگا۔

”قوں.... نیلم....!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم گھبراو نہیں۔ میں ان سکھوں سے بچ لوں گا۔“

نیلم نے ایک ہلکا ساق تھبہ لکایا اور بوڑھے کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”یہ بیچارے یہی سمجھتے رہے ساکر میں تم لوگوں کے مظالم کی شکار ایک بے شہزادگی ہوں۔“

”اور کیا....!“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”تم اس بیچارے کو چھوڑو۔ چاہے مجھے چھافی دے دیتا۔“

”قاسم ہوش میں آوے....“ حید بولا۔ ”ہم ابھی تک دھوکا کھاتے رہے ہیں۔ یہ لڑکی اسی سے تعقیل رکھتی ہے.... اور وہ.... اور ہر دیکھو.... وہ لاش، اسے نیلم ہی نے ابھی ابھی رہی اگھوں کے سامنے قتل کیا ہے۔“

”ارے باپ رے۔“ قاسم نے ہلکلا کر شاید پیٹ پر ہاتھ پھیرنا چاہا لیکن ہاتھ تو پشت پر رکھے ہوئے تھے۔

”میں پیٹ پر ہاتھ پھیرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے ہلکلا کر کہا۔ لیکن شائد اسے اپنی حفاظت کا سامان ہو گیا۔ پھر اس نے جو حصینی ہوئی تھیں باکر زور کیا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گرد ری کھلی تھیں تھیں نوٹ کے اور وہ کچھ کچھ پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”تم اپنا جگہ سے جیسی بھی نہیں کرو گے۔“ بوڑھاری اور کارخ اس کی طرف کر کے دھاڑا۔

”نہیں قروں غا۔“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
”لیکن تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو۔ تم شاہد خان بہادر عاڑ کے ہو۔“

”تم قون ہو۔“
”میں ساری دنیا کا بادشاہ ہوں۔“

”انہیں مجرما کرو۔“ حمید نے محکمہ اڑانے والے انداز میں کہا۔
”مجھے مجرما کرنا نہیں آتا بھائی صاحب۔“ قاسم بوکھلا کر بولا۔ ”مارے بھائی بادشاہ صادق پھر وہ حمید پر الٹ پڑا۔ انداز بالکل بھیڑاں کاساختا۔
”ابے تم خود کرو مجرما میں رہنی ہوں کیا کہ مجرما کرتا پھر وہ۔ تم خود رہنی۔“ بول پڑا۔ نیم بھی ہنسنے لگی۔

و فتحاڈہ غیر ملکی نہ اسامنے بنا کر بولا۔ جواب تک خاموش کھڑا رہا تھا۔
”تم لوگ درندے ہو۔ بالکل درندے۔ اُسے مارہی کیوں نہیں ڈالتے۔ ایسا بر تاذ تو کے ساتھ بھی نہیں کرتے۔“

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زخمی درجن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تم بہت نرم دل ہو ہر میں۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”ایسی لئے تو میں تم پر نازل کیا کیا لوگ اسی لئے پیدا ہونے ہو کہ تمہارا علم ہم جیسوں کے کام آئے۔ تم میں ساری دنیا کرنے کی طاقت ہے، لیکن تم اُس طاقت کے استعمال سے ناواقف ہو۔ مجھے دیکھنا کہ میں طاقت کو کس طرح مصرف میں لاتا ہوں۔ رحم دل آدمی دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ دراصل چالاک بزدلوں کا تراشنا ہوا ہے جس کام کی بہت نہیں پڑتی اُسے رحم دل کے ڈال دیا جاتا ہے اور جس کام کے کر گذرنے کی سکت ہوتی ہے اُسے دوسراے خوبصورت جاتے ہیں خواہ اس میں بربیت کی ہی حد کیوں نہ ہو جائے۔ یہ میسوں صدی ہے، اُمن کے نام پر خون بھایا جاتا ہے۔ جو تم سے متفق نہ ہو نہایت اطمینان سے اس کی اگر اعلان کرو کہ یہ اُمن عالم کے لئے بہت ضروری تھا۔ آدمیوں کی طرح سوچتا یکھوہ بن کر آدمیوں میں رہنا مشکل ہے۔ افسوس کی علم کی روشنی تمہارے ذہن میں اجالات

اس لڑکی کے کارنا سے کو درندگی قرار دیتے ہو۔ نہیں تم غلطی پر ہو۔ تکوار کے جو ہر کسی کی گروں ہی پر آزمائے جاسکتے ہیں۔ مگر نہیں ظہر دیں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں۔ تمہیں یہ بات میسوں صدی کے سودو زیال والے معیار سے کیوں نہ سمجھاؤں جس طرح کسی کی گردان اڑاوینا من عالم کے لئے ضروری ہوتا ہے، اُسی طرح اس لڑکی کا یہ فعل بھی بہت ضروری تھا ورنہ آئندہ وہ اس کے بدلتے ہزاروں کو بھی قتل کر سکتی تھی۔ یہ جب شیر خوار ہی تھی تو اس کا باپ قتل کر دیا گیا۔ قاتل اس کی ماں کو بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ اسے گود میں اٹھا کر گھر سے نکل بھاگی لیکن قاتل کی گولی نے اُسے بھی نہ چھوڑا۔ وہ شارع عام پر مردہ پڑی تھی اور یہ اس کی چھاتی سے چٹی ہوئی بلکہ رہی تھی اور ان دونوں پر سے بارش کا طوفان گزد رہا تھا۔ یہ بچپن ہی سے یہ کہانی سنتی آئی ہے اور انقاوم کی آگ اس کے ریشمے ریشمے میں سلکی رہی ہے۔ اگر وہ قاتل اُسے نہ ملتا اور یہ اس سے انقاوم نہ لے لیتی تو ہو سکتا تھا کہ یہ کبھی پورے معاشرے کے لئے خطرہ بن جاتی۔ لہذا اس وقت جو کچھ بھی ہوا ہے اُسے تم درندگی نہیں کہہ سکتے۔ یہ کل کی جاہی سے بچنے کے لئے بہت ضروری تھا۔ خیر ہٹاؤ۔۔۔ یہ شاید اب دم توڑ رہا ہے۔ اب تم اُسے خاک کر دو۔“

ہر میں کچھ نہ بولا۔ درجن بچ جو ترپ رہا تھا اور شاید یہ اُس کے اعصاب کا آخری کھنچا تھا۔ دفعتاً اس کی گردان ایک جھٹکے کے ساتھ ڈھلک گئی۔ اب وہ بالکل ساکت تھا۔

”مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔“ نیم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
”تن کر کھڑی ہو جاؤ اور یہ سوچو کر تمہیں اُسے ایک بار اور قتل کرنا ہے۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔

”مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔“ نیم نے پہلے ہی کے سے انداز سے کہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے بوڑھے کی آواز سنی ہی نہ ہو۔

پھر وہ اندر ہوں کی طرح ٹوٹی ہوئی آگے بڑھی اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔
وہ بالکل اسی طرح کا پر بھی جیسے سر دیوں کی بددش میں دیر تک بھکتی رہی ہو۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرہ چھپا لیا تھا۔ بوڑھے نے لاپرواںی سے اپنے شانوں کو جبکش دی اور ہر میں سے بولا۔

”کیا تم نے نا نہیں... چلو... اس لاش کو راکھ کا ڈھیر بنا دو۔“

”یہ کیا ہو رہا ہے... عمید بھائی۔“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بڑو بولا۔ حمید کچھ نہ بولا۔ ہر مین آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دیوار کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے ہھکڑی لگے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دیوار پر ایک جگہ انگلی رکھی اور دوسرے ہی لمحے میں عجیب قسم کی گھر گھراہت سنائی دی۔ داسیں جاتب والی دیوار شق ہوئی اور ایک بڑا سایہ رنگ کا صندوق فرش پر پھسلتا ہوا اکمرے کے وسط میں آ رک۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی کپار ٹمنٹ ریلوے لائن پر دوڑتے دوڑتے رک گیا ہو۔

ہر مین نے اُسے کھولا اور درجن کی لاش اٹھا کر اُس میں رکھ دی گئی۔ ڈھلن کے بند ہوتے ہی صندوق پھر پہلے ہی کی طرح پھسلتا ہوا اکمرے سے چلا گیا اور دیوار بھی برابر ہو گئی۔

حید ہر مین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب ہی خاموش تھے۔ دفعتاً حید نے ہر مین کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے۔ اُس کی نظر ایک دیوار کے اُس حصے پر تھی جہاں ایک سوچ بورڈ پر سرخ رنگ کے تین بلب بکھی بھجتے تھے اور کبھی روشن ہو جاتے تھے۔

”کیا لات ہے؟“ بڑھے نے پوچھا۔ شاید اُس نے بھی اُس کی آنکھوں میں کوئی تبدیلی پڑھ لی تھی۔ ”پچھے نہیں۔“ ہر مین نے کہا اور فرش پر پہلے ہوئے خون پر نظر جمادی۔

”شاید و منٹ بعد دیوار پھر شق ہوئی اور صندوق پھر کمرے کے وسط میں آکر رک گیا۔“ ہر مین نے آگے بڑھ کر ڈھلن اٹھایا لیکن اپاٹک اُس کے منہ سے عجیب سی آواز انگلی اور وہ اچھل کر پچھے ہٹ آیا۔ صندوق میں کرکل فریدی کھڑا نہیں گھور رہا تھا اور اُس کے پانچوں میں ہائی گن تھی۔ وہ صندوق سے باہر آ کر بولا۔ ”شاید آپ لوگوں کو میری آمد گراہی لگدر سے اس لئے براہ کرم اپنے ہاتھ اور اخداوت بھیجئے۔“

حید اور قاسم کے علاوہ سب نے ہاتھ اور اخداوت بھیجے۔ حید بڑھے کو مجاہد کر کے بولا۔ ”کیوں اب کیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اس منحوس جملے کو نہ دہراو۔“

”ہر مین۔“ بڑھے نے کہا۔ ”اگر تم نے ذرہ برایہ بھی کمزوری و کھاتی تو مجھ سے نہ اکوئی نہ ہو گا۔“ فریدی چوک کر بڑھے کو گھورنے لگا۔ اُس نے شاید ابھی تک اُسے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ نیلم بھی اب کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن اُس کے چہرے پر اضمحلال طاری تھا۔ خدوخال میں پہلے کی تازگی یا زندگی باقی نہیں رہی تھی۔

”اوہ.... تو یہ جتاب ہیں۔“ فریدی نے بڑھے کے چہرے پر نظر جمادی ہوئے کہا۔ ”کیا آپ اسے جانتے ہیں۔“ حید نے پوچھا۔

”اچھی طرح حمید صاحب۔“

”اُسے تو پھر بنادوں چھنی سالے کی۔“ قاسم بول پڑا۔

”تمیں.... میں انہیں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ یہاں سے لے جاؤں گا۔“ ”پولیس....!“ ہر مین نے حیرت سے آنکھیں بچاڑ کر کہا۔ ”اوہ.... وہاں پولیس اسٹینشن.... تم تی تو فولادی کو پولیس اسٹینشن لے گئے تھے۔“

”اور میں نے ہی فولادی کو انداز کیا تھا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”فولادی ایک شاندار ایجاد تھی۔ مجھے اعتراف ہے اور اس کی بربادی پر افسوس بھی۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ فولادی کس طرح مار کھا سکتا ہے۔ اس کی روشنی میں آئی ہوئی ہر چیز یہاں تکی دیڑھن کی اسکرین پر نمایاں ہو جاتی تھی اور تم اس کے بچاؤ کی تدبیر کر لیتے تھے۔ اس بناء پر بھاری توپیں بھی اُسے ختم کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ میں نے اس کی روشنی سے فوج کر رoshن حصے پر گولی چلانی اور اُسے بیکار کر دیا۔ چونکہ میں روشنی میں نہیں تھا اس لئے تمہیں یہاں اسکرین پر نہیں نظر آسکا۔ روشن والا حصہ شیشے کا تھا اور بہت آسانی سے توڑا جاسکتا تھا۔“

”تم بہت چالاک ہو۔ میں پہلے ہی دن سمجھ گیا تھا۔“ ہر مین بولا۔

”اور آپ....!“ فریدی نے بڑھے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”آپ سوتا گھٹ پر نہیں بند رکا گا کی تعمیر نہیں پسند کرتے تھے۔ اسی لئے ہر مین پر قابو پاتے ہی آپ نے سب سے پہلے اسی کا تصفیہ کرنا بہتر سمجھا۔ اگر سوتا گھٹ پر بحری فوج کا اڈہ بن جاتا تو پھر آپ کی ناجائز و برآمد کا کیا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ سوتا گھٹ اس کام کے لئے ہمیشہ سے موزوں رہا ہے۔ کچھ تو بولئے جتاب۔ آخر آپ خلاف معمول اتنے خاموش کیوں ہیں۔“

”تم اپنی بکواس بند کرو تو میں بھی بولوں۔“

”چلے.... میں خاموش ہو گیا۔“

”تم کسی غلط قسمی میں بتلا ہو۔“

”یہ مرض مجھے بہت کم ہوتا ہے۔“

وقت وہ خود بھی اپنے بھیاک انعام سے خائف ہو کر انہیں دونوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ نیلم ان کی رہنمائی کر رہی تھی اور وہ سب گرتے پڑتے بھاگے جا رہے تھے۔ آخر وہ متعدد صندوق نما کمروں کے جال سے نکل کر سرگ میں دوڑنے لگے۔ سرگ تاریک تھی لیکن شاید نیلم کی حاضر دماغی نے کہیں سے ایک نارچ اٹھا لینے میں کوئی نہیں کی تھی۔ وہ سب سے آگے دوڑ رہی تھی۔ اگر ہاتھ میں نارچ نہ ہوتی تو شاید ان میں سے کئی کے ہاتھ منہ ٹوٹے ہوتے کوئی کہہ ان کے ہدوں کے نیچے زمین ناہموار تھی۔

وہ بہت جلد کھل آسان کے نیچے آگئے لیکن نیلم کی رفتادب زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ حمید نے پٹ کرو یکھاں کے پیچھے صرف قام تھا اور بوڑھے کے ساتھیوں میں سے جس کے جدر سینک سائے تھے بھاگ لکھا تھا۔

تقریباً دو فرلانگ دوڑنے کے بعد نیلم رک گئی۔

اس کی نارچ کی روزشی اندر ہیرے میں ریگ گئی تھی۔

"وہ رہا... وہ دیکھئے" نیلم کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "شاید سونج تلاش کر رہا ہے۔ جلدی میں سونج کا مقام بھول گیا۔"

نارچ کی روزشی پڑتے ہی بوڑھا اچھل کر بھاگا۔ فریدی کی نای گن گولیاں اگنے لگی۔ بوڑھا بھی ایک چنان کی اوٹ سے فائز کرنے لگا تھا۔ فریدی نے نای گن ایک طرف ڈال کر ریوی الور کا لیا۔ دونوں طرف سے فائز ہوتے رہے۔ حمید کے پاس ریوی الور نہیں تھا۔ اس لئے وہ خاموش کر رہا۔ دفعتاً نیلم بولی۔

"میں ہی اُسے قابو میں لاوں گی۔"

وہ گھنٹوں کے مل چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ٹھہر دو... یہ کیا کرتی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"اڑے... ہائی... ہائی۔" قاسم ہکلایا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں وہ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ حمید پر آگری۔ حمید نے بڑی پھر تی ہائی ہاتھوں پر سنبھال لیا۔

"نیلم کیا ہے... کیا ہوا۔"

"میا ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔
ایسا بھی کیا کہ اتنی پرانی جان پچان والے ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن بیٹھیں۔ نہیں اس پر تیار نہیں ہو سکوں گا۔"

"اچھا تو تم میرا کیا کر لو گے۔"

"اپ بھی بتاتا ہوں... پہلے کیپن سے آپ کا تعارف تو کرواؤ۔ حمید صاحب آپ وہ بڑے آدمی جن کا تنکرہ میں اکثر کرتا رہا ہوں۔ رانا صاحب! میرا آپ پار لیمنٹ۔ آپ کا گردہ بہت مگررا ہے اور آپ ایک بہت بڑے دلیش بھگت اور دلیش سیوک بھی ہیں اور ملک کے حاکم ایسا صاحب جو دلیش سیوک کے سامنے فخر بھی کیا کرتے ہیں۔ شاید وہ آپ کے کرتوں سے واقع ہی نہ ہے بلکہ اکثر غیروں کے سامنے فخر بھی کیا کرتے ہیں۔ شاید وہ آپ کے کرتوں سے واقع ہی نہ ہے پس لئے دوسرے بڑے حاکم نہ صرف آپ سے خوف کھاتے ہیں بلکہ اس طرح آپ کے آتے ہیں کہ ان کی پولیس بھی منہ دیکھتی رہ جاتی ہے اور آپ بھی محفوظ ہی رہتے ہیں لیکن آپ یاد ہو گا کہ فریدی آپ کو کئی بار وار نیک دے چکا ہے اور آج وہ آپ کے ہاتھوں میں چھکڑیاں کر رہیاں سے لے جائے گا رانا صاحب! آپ ہر میں پر قابو پا کر حکومت کا تختہ اللہ کا پر و گر رہے تھے۔ آپ کو شارع عام پر چاندی دلواؤں گا... اسے لکھ لججے۔"
"چک مار رہے ہو۔" بوڑھے نے قہقہہ لکایا۔ "آج رات کی کہانی تم تو گوں کے ساتھ دفن ہو جائے گی۔"

"اڑے.... اسے ہناو... ہنا سے۔" دفعتاً ہر میں چیخا۔
لیکن قمل اس کے کہ فریدی سنبھلاتا بوڑھے کو زمین نگل گئی۔ مگر شاید وہ فائز فریدی گیا تھا جس نے ہر میں کی کوپڑی میں سوراخ کر دیا۔

"وہ گیا۔" نیلم چیخی۔ "سب بیہن دفن ہو جائیں گے۔" اس نے جگہ جگہ ڈانٹا مایہ پا۔

ہیں اور ان کا سونج باہر ہے۔ بھاگو۔ میرے ساتھ آؤ۔" اس نے جھپٹ کر ایک سونج بوڑھا بہن دلبیا اور دیوار ایک طرف سر کتی چلی گئی۔ وہ کے پیچے دوڑ رہے تھے اور بوڑھے کے دوسرے ساتھی اس وقت سیالاب کے سانپوں کی طرف ہو گئے تھے۔ کوئی دوسرا موقع ہوتا تو حتی الامکان فریدی اور حمید کو زندہ نہ جانے دیں

”گوئی.... کیپن.... میرے شانے میں گولی گلی ہے.... اف.... اوه....!“
”حید تم اسے دیکھو.... یہ ایسے قابو میں نہ آئے گا۔“ فریدی نے کہا اور حید کے منع کرنے
کے باوجود بھی باسیں جانب تارکی میں رینگ گیا۔

”کیپن یقین جانو۔“ نیلم کراہی۔ ”ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ خود ہی آتا بھی
ہے اور خود ہی غلام بھی۔ تم نے درجن کی گفتگو سنی تھی.... وہ بھی اف.... نہیں جانتا تھا۔“

”تم خاموش رہو نیلم.... قاسم تارچ روشن کرو۔“

”تارچ.... نہیں.... وہ برادر غولی چلا رہا ہے۔“

”پرواہ مت کرو۔ میں زخم دیکھوں گا۔ اُسے چلانے دو گوئی۔ نیلم گھبراؤ نہیں۔“

”نہیں.... تم تارچ مت روشن کرنا۔ مہربو.... کیپن.... یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ میں
مرنے جا رہی ہوں۔ میں نے ابھی ایک آدمی کے خون سے ہاتھ رکھتے۔ بابا بد طینت آدمی
ہے۔ پتہ نہیں.... اُس نے جھوٹ کہا تھا یا۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ درجن نے غصے میں اسکی پرواہ
کی ہو کہ وہ اس پر جھوٹا لازم رکھ رہا ہے۔ میں نے بہت بُرا کیا کیپن.... اللہ مجھے معاف کرے۔“
”وہ بُرا آدمی تھا نیلم تم اس کی گلرنہ کرو۔ تم پر آج نہیں آئے گی۔ میں تمہیں حکومت سے
انعام دلواؤں گا۔“

”انعام....! شاید وہ بھی تھی۔“ میں لگے میں لعنت کا طوق ڈال کر دنیا سے رخصت ہو رہی
ہوں۔ میں نے بہت بُرا کیا کیپن.... وہ بُرا تھا تو میں ہی کہاں کی اچھی تھی.... میری ساری
زندگی کمکش میں گزر گئی۔ کبھی اچھی بننے کی کوشش کرتی تھی.... اور کبھی.... کیپن.... ابھی
کیپن.... میں نے سوچا تھا کہ ہم دونوں گھرے دوست بن جائیں گے۔ اوه.... تم یہاں ہو
موٹے.... بھیا خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں میں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے۔ میرے بھیا۔“

قاسم دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

”تھیں.... نہیں.... ارے“ اُس کے ہاتھ حید کے گھاؤں پر رینگ گئے۔ ”ارے تم بھی رہ
رہے ہو کیپن.... اللہ.... اللہ.... میں اکیلی تھیں ہوں۔ میرے لئے بھی رو نے والے ہیں۔
اللہ.... اوف.... مجھے بھیجن لو کیپن۔ تم میرے باپ ہو۔ تم میرے لئے رو رہے ہو۔ میرے
باپا.... تم میری ماں ہو۔ مجھے بھیجن لو.... میرا جسم اکڑ رہا ہے۔۔۔ بابا.... میرے.... بابا۔۔۔“

اوه.... کتنی تیز بارش ہو رہی ہے.... ماں.... مجھے بھیجن لو.... ماں مجھے بھیجن لو.... ماں بارش

ماں.... بارش....!“

یک بیک وہ خاموش ہو گئی۔

”نیلم.... نیلم....!“ حید نے اُسے آہستہ سے ہلایا۔

لیکن نیلم کی آواز نہ سنی جا سکی۔ حید نے بہ آہنگی اُسے زمین پر ڈال دیا۔

”حید.... بھائی....“ قاسم چکیاں لیتا ہوا بولا۔

”ختم ہو گئی۔“ حید نے آہستہ سے کہا۔

”قاسم کی چکیاں پھر دہاڑوں میں تبدیل ہو گئیں۔“

اس دوران میں فائر برابر ہوتے رہے تھے لیکن اب ان کا رخ دوسرا جانب تھا۔ حید کی سمجھ
میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔“

”میں تمہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔“ دفتار انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔

”میں تجھے کسی پیچوے کی طرح مسل دوں گا۔“ جواب ملا۔

انہوں نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں ایک فائر ہوا۔ پھر فوراً بھی ایک چیخ فضا
میں ابھری اور دور تک پھیلتی چلی گئی۔

”کر ٹل.... کر ٹل....!“ حید چیخ۔

”ہاں میں تجھیت ہوں۔“ نیچے سے آواز آئی۔ ”تم تارچ لے کر چیخ آؤ۔“

حید نے قاسم کو دہیں مہربنے کی ہدایت کی اور وہ خود تارچ لے کر شیب میں اترتا چلا گیا۔
فریدی نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر حید نے ایک ایسا مظہر دیکھا جس سے اس کی
کافی تسلیکیں ہوئی اور وہ چند لمحے کے لئے یہ بھول گیا کہ ابھی نیلم کی لاش کے پاس سے اٹھ کر
آ رہا ہے۔

بوڑھا ایک چنان پر چت پڑا ہوا تھا۔ اس کا جسم سرہو چکا تھا۔ گوئی سر میں گلی تھی۔ فریدی
اُسے چند لمحے دیکھا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔

”یہ قاسم کیوں چنگھاڑ رہا تھا۔“

”نیلم....!“

”کیا ہوا... اُسے۔“ فریدی کے لمحہ میں اضطراب تھا۔
”ختم ہو گئی۔“

”اوہ....!“ فریدی کے مند سے اتنا ہی نکلا اور وہ خاموش ہو گیا۔
اچاک انہوں نے قاسم کی چکھاڑ سنی۔ ”حید بھائی... ابے دوڑو.... جنده ہے۔ الا
غم.... ابھی پانی انگا تھا... زندہ ہے... الاغشم....!“
حید بے تحاشہ دوڑا۔ فریدی بھی دوڑ رہا تھا لیکن حید کی طرح بے سذھ ہو کر نہیں دوڑا
تھا۔

نیلم آنکھیں بند کئے کراہ رہی تھی۔

”میں زخم تو دکھوں۔“ فریدی اس کے سر ہانے بیٹھتا ہوا بولا۔ ہمیں شانے سے خون بہر کر
جم گیا تھا۔ اس نے نارجی کی روشنی میں زخم دیکھا اور کچھ دیر بعد بولا۔ ”گولی شانے کی کھال چھاڑتی
ہوئی دوسرا طرف نکل گئی ہے۔ یہ دراصل بے ہوش ہو گئی ہو گی۔“



پچھو ڈیر بعد انہوں نے اپنی پشت پر آگ کی لپٹیں اٹھتی دیکھیں۔ آگ اتنی بلند تھی کہ دور
تک کے علاقے نظر آ رہے تھے۔ لیکن انہوں نے کوئی دھماکہ نہیں ساختا۔ آگ یعنی طور پر انہیں
غاروں سے نکل رہی تھی جن میں پچھے در پیلے انہوں نے ایک خطرناک مجرم کے چہرے سے
نکاب ہٹائی تھی۔ مگر آخری ریکے ہوں۔ اگر انہوں نے ڈانتا میٹ استعمال کئے ہوتے تو دھماکے بھی
یقینی طور پر ہوتے۔ یہ تو ایسا آگ رہا تھا جیسے پھر وہیں کو آگ لگ گئی ہو۔

حید نے نیلم کو پشت پر لادا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔ فریدی کے خیال کے مطابق
قریب ہی ایک چشمہ بھی تھا۔ اس کا خیال غلط نہیں کھلا۔ وہ چشمے تک پہنچ گئے۔ فریدی نے نیلم کا
زخم صاف کر کے ڈرینک کر دی۔

نیلم کو ہوش آگی تھا وہ جشمے تک پہنچ گئے۔ نیلم کو ہوش آگیا تھا۔
جب اُسے ساری پچویشن معلوم ہوئی تو اس نے مسکرا کر کہا۔ ”میں اب بھی آپ کی مدد
کر سکتی ہوں۔ مجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں اُس کے دونوں ہیلی کو پھر چھپائے گئے تھے۔“
”بھی مانتا ہوں.... تم واپسی بہت ذہین لڑکی ہو۔“ فریدی نے کہا۔

وہ ہیلی کو پھر کے ذریعہ ملکم گذھ پہنچے۔ اپنے ساتھ وہ راتا کی لاش بھی لائے تھے۔ فریدی نے
لاکھ چاہا کہ ابھی اس حادثہ کی خبر نہ مشہور ہو لیکن خبر تو پہلے ہی جنگل کی آگ کی طرح ملکم گذھ
میں پھیل چکی تھی۔ فوجوں نے اس علاقے پر چھاپ مارا جہاں یہ حادثات ہوئے تھے، لیکن پہنچنے
ہوئے پھر وہیں کے ڈھیروں کے علاوہ انہیں اور کچھ نہ ملا۔ ہر میں تو راتا کی کوئی کاشکار ہو گیا تھا
اور راتا کے ساتھی عانباً فریدی کے ساتھ ہی نکل بھاگ گئے تھے، جنہیں گرفتار کر لیا اب بھی مشکل
نہیں تھا.... لیکن ہر میں کے پچیس ساتھی؟ ان کا کیا ہنا؟ کیا وہ نکل گئے ہوں گے یا انہیں غاروں
میں دب کر ہلاک ہو گئے تھے جن کی تخلیق خود انہوں نے کی تھی۔

فریدی کا یہ کارنامہ ہر فرد و بشر کی زبان پر تھا لیکن حقائق کا علم کسی کو بھی نہ ہو سکا تھا۔ راتا کی
داستان اسی کے قول کے مطابق گویا کچھ بچھانیں غاروں میں دفن ہو گئی تھیں۔ لوگ یہی سمجھتے رہے
کہ ان کی جگہ کاریوں کا ذمہ دار ہر میں تھا جسے پولیس نے نکست دے دی اور وہ اپنی ہزیرت سیت
اپنے ہی ہاتھوں بر بادی کے غار میں جاسویا۔ راتا کی داستان حکومت نے نہ پھیلنے دی۔ مقصد عانباً
یہی تھا کہ لوگوں میں رہنماؤں کی طرف سے بدولی نہ پیدا ہونے پائے۔

نیلم ہبتال میں داخل کر دی گئی تھی۔ فریدی کو فرست مٹے پر حید نے سوالات شروع
کر دیے۔ کئی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

فریدی نے سب سے اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”اُس ویرانے میں صرف ہم ہی
تن آدمی تھے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میری بلیک فورس بھی وہاں کام کر رہی تھی۔“

”تو پھر آپ نے ٹرانسپریٹ کے ذریعہ حملہ کا حجم کسے دیا تھا۔“

”اوہ....!“ فریدی مسکر لیا۔ ”میں جانتا تھا کہ حملہ آوروں کے پاس ٹرانسپریٹ ضرور ہوں گے
اور یہ حقیقت بھی تھی۔ اگر وہ میرے ڈاچ میں نہ آ جاتے تو قشہ دوسرا ہوتا۔ انہوں نے چاروں
طرف سے گھبرا دالا تھا۔ میرے اس ڈاچ نے انہیں غلط فہمی میں بتلا کر دیا۔ وہ اندر ہیرے میں
آئیں ہیں لڑکے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ انہیں اس طرح بھرا کر چپ چاپ نکل جاؤں اور کہیں
مکن کا میک ہوا تھا۔ لیکن انقاٹا میں اور جانکلا بجدھر ہر میں کے ساتھی قید تھے۔ اُن سے اصل
واقفات کا علم ہوا۔ اتنے میں وہیں سے ایک سیاہ رنگ کا صندوق گزرا جس پر ان لوگوں نے جرست

ظاہر کی۔ پھر انہوں نے مجھے اس کے روکنے کی تدبیر بتائی۔ میں نے اُسے روکا۔ اس میں درجن کر لاش تھی۔ جب انہوں نے بتایا کہ اُسے راکھ میں تبدیل کرنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ وہ صندوقہ دراصل الیکٹریک کی بھٹی پر جا کر رک جاتا اور لاش پندرہ منٹ کے اندر اندر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتی۔ ویسے اس بھٹی اور صندوق نما گھٹالی کا مصرف دوسرا تھا۔ وہ دھاتوں کو پچھلا کے کام میں لائی جاتی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس آدمی کو انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ تینی طوپر کوئی خاص مسئلہ درپیش ہو گا اور وہ سب تمرے آدمی ایک ہی کرے میں اکٹھا ہوں گے جہاں۔ وہ صندوقہ روانہ کیا گیا تھا اور اب اُسے پھر دیں واپس جانا ہو گا۔ میں نے درجن کی لاش نکال کر ایک طرف ڈال دی اور خود اس صندوق میں لیت گیا۔

”مگر میں سوچ رہا ہوں کہ اس کیس کا ہیرد میں ہوں یا آپ یہیں کیونکہ اگر نیلم نہ ہوتی تو؛ اس وقت کہاں ہوتے۔“

”ہیرد....!“ فریدی مسکرا کر بولا ”ہیرد تو دراصل قاسم ہے۔ اگر اس نے نیلم کی زندگی اخلاق نہ دی ہوتی تو اس وقت تمہارے چہرے پر پھٹکار بر سر ہی ہوتی۔“

”اوہ....!“ مگر اب اس بیچاری کا کیا ہو گا۔ اب وہ قطعی بے شہار ہے۔

”کیوں؟ کیا تم اس کی ماں نہیں ہو۔ اُس کا بابا نہیں ہو۔ قاسم اس واقعے کا تذکرہ کرتے وہ نبڑی طرح منہ دبادبا کر ہنس رہا تھا۔“

”قاسم....!“ حمید نہیں پڑا۔ ”اُس نے تو مکمال ہی کر دیا۔ بالکل اسی طرح رورہا تھا جیسے کہ یہوہ اپنی اکتوپی بچی کی لاش پر میں کر رہی ہو۔“

”میں سن رہا ہوں۔“ راہداری سے قاسم کی آواز آئی۔ ”ابے تم خود یہوہ کی بچی پر میں رہے تھے۔ سانپ نچا رہے تھے۔ پیمرے کی اولاد.... سالے نہیں تو....“

حمید کے تھقہوں سے کمرہ جھیجھتا اٹھا۔

تمام شد

(مکمل ناول)

جا سو سی دنیا نمبر 68

راکفل کا نغمہ

”پلو گواں نہ کرو۔“ فریدی جھوٹا گیا۔

وہ اندر آئے اور جب شعبہ جرام کی عمارت کی طرف جانے لے تو ایک آدمی نے انہیں ٹوکا۔

”تم پر شنڈنٹ فاروقی کے کمرے تک میرے ساتھ چلو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اگر انہیں کوئی اعتراض ہو تو تم شوق سے ہمیں باہر کارستہ دکھاویں۔“

وہ آدمی حقیقتاً پر شنڈنٹ فاروقی کے کمرے تک آیا اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوا جب

پر شنڈنٹ فاروقی نے خود ہی اپنے کمرے سے نکل کر ان کا استقبال نہیں کیا۔

پر شنڈنٹ فاروقی ایک صور آدمی تھا اس کے سر کے سارے بال سفید تھے۔ لیکن صحت اچھی تھی اس کے بازو اس عمر میں بھی کافی مضبوط نظر آرہے تھے۔

وہ انہیں اپنے آفس میں لے آیا اور اسے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ لوگ اشیش ہے سیدھے ہیں آئے ہیں۔

”آپ کی کامیابی کا ازاد دراصل آپ کی اصول پسندی ہی میں مضر ہے۔“ اس نے کہا۔

پھر کچھ دیر تک رسمی گفتگو ہوتی رہی۔ حمید کافی سے زیادہ یوریت محسوس کر رہا تھا۔ وفتا وفتا نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

”ہم اسے خود کشی اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ آخر اسٹیچ پر مرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ اسی کہا۔

”جی ہاں۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”خود کشی کے امکانات پر غور کرنا ہی فضول ہے۔“

”اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ کسی نے اس کی لامی میں رائفل لود کر دی تھی۔“

”کہا نہیں جا سکتا بلکہ یہی کہنا چاہئے۔“

”لیکن مرنے والا حقیقتاً اسٹیچ کا سختہ نہیں تھا۔“

”پھر کون تھا۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔

حمدی نے سوچا کہ وہ الو کا پھا یقینی طور پر با ختر کا شہزادہ رہا ہو گا کیونکہ اب ہم دونوں انتہائی

ٹھکر خدا نہ میں جاؤ سی تا ولوں کے سراغ رسائی بتتے چلے جا رہے ہیں۔

پر شنڈنٹ فاروقی نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ شعبہ جرام کا ایک اسپکٹر تھا۔“

”اوہ...!“

پُر اسرارِ موت

کیپشن حمید نے ٹیکسی سے اترتے ہی بہت نہ اسامنہ بنا یا کیونکہ نصیر آباد کے سی۔ آئی۔ ڈا ہفس کے سامنے رکی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ نصیر آباد کا سفر کیوں کرتا چاہے۔ اشیش سماں ریجنٹ ہوٹل کے ایجنت کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ ایجنت نے انہیں کروں کے نمبر نو کرائے تھے اور پھر فریدی ایک ٹیکسی کر کے حمید کو بھی یہاں تک گھیث لایا تھا۔

فریدی تارجام میں تھا۔ وہیں سے اس نے حمید کو بذریعہ تار مطلع کیا تھا کہ وہ فلاں دن فلاڑیں سے نصیر آباد کے لئے روانہ ہو جائے اور نصیر آباد کے اشیش پر اس ٹرین کا انتظار کر کے تارجام سے فلاں وقت روانہ ہوتی ہے۔

حمدی جس ٹرین سے آیا تھا اس کے نصیر آباد چینچ کے پورہ منڈ ب بعد ہی تار جام والی آگئی تھی اور فریدی نے اسے کچھ بتائے بغیر حکم سراغ رسائی کے دفتر کی راہی تھی۔

”چلئے“ حمید نے نیچے اتر کر ٹیکسی کا دروازہ ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یقین ہے۔“ آپ مجھے نصیر آباد کے یتیم خانے میں نہیں داخل کرائیں گے۔“

فریدی نے کوئی جواب دیجے بغیر ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور برآمدے کی طرف ٹرگیا۔

”ٹھہریے۔“ حمید بولا۔ ”آپ مجھے باہر ہی چھوڑ جائیے تو بہتر ہے۔ کیونکہ کسی المکا جگہ کی ہوئی دعاۓ خیر مشکل ہی سے قبول ہوتی ہے جہاں سے آسان نہ دکھائی دیتا ہو۔“

”می ہاں.... اس کا خیال تھا کہ نگار تھیز جرائم کا اکھاڑہ ہے۔“

”کس قسم کے جرائم“ فریدی نے پوچھا۔

”ٹھہریے.... میں بتاتا ہوں۔“ فاروقی نے کہہ کر میر پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپر اسی اندر داخل ہوا۔

”انپکٹر شاہد کو سلام دو۔“ فاروقی نے اس سے کہا۔ ”اور کہنا کہ نگار کا فائل چاہئے۔“

چپر اسی چلا گیا۔ فاروقی نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔ ”میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا۔“ کچھ دیر بعد ایک دراز قد آدمی کرے میں داخل ہوا۔

”انپکٹر شاہد۔“ فاروقی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”نگار سے تعلق رکھنے والے کیسوں کی تفصیل چاہئے۔“

”بہت بہتر جتاب۔“ انپکٹر شاہد نے فائل کے ورق الٹتے ہوئے کہا۔ ”۳۰۰ فروری کریل شیرزاد کی موت پر اسرار طور پر واقع ہوئی۔ وہ نگار تھیز سے باہر نکل کر اپنی کار کی طرف آرہا تھا کہ چکرا کر گرا اور اسی جگہ ختم ہو گیا، مارچ ۲۰۱۴ء..... لیڈی اقبال اپنے مکان کے زینوں پر چڑھتے وقت گریں اور ختم ہو گئیں۔ ان کی واپسی بھی نگار تھیز سے ہوئی تھی۔“ ۳۰ مارچ ۲۰۱۴ء ڈاکٹر وی کے چڑھی نگار سے واپسی پر ایک ناٹ کلب میں مردہ ملایا گیا۔ کیپشن کر گیک....!“

”کیپشن کر گیک....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بڑی بڑی۔ ”وہ تو نہیں جس نے تین سال ہوئے مگہر یوں کی پروش اور پداخت کے لئے ایک فارم کی بنیاد ڈالی تھی اور پھر اس پر فریب دہی کا مقدمہ قائم ہو گیا تھا لیکن ثبوت ناکافی ہونے کی بنا پر اسے سزا نہیں دی جاسکی تھی۔“

”وہی.... وہی....!“ انپکٹر شاہد نے فریدی کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد اس نے تیرہ مزید اموات کی لست پیش کی جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح نگار تھیز سے ضرور بیان کیا گیا تھا۔ فریدی نے ایک طویل سانس لی اور سوپ فاروق کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”لیکن ان اموات کی وجہ۔“ اس نے آہت سے پوچھا۔

”یہ سمجھی حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مرے تھے۔“ شاہد نے جواب دیا۔

”یعنی ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کی حرکت قلب مرنے کے بعد بھی جاری رہے۔“ حمید نے پوچھا اور شاہد پر ویس ”نہیں“ کہہ گیا۔ پھر جب اس نے حمید کے جملے پر غور کیا۔

ہاروقی کے ہوتلوں پر مسکراہٹ دیکھی تو اسے عصہ آگیا۔

”یہ کیپشن حمید ہیں.... اور آپ کریل فریدی۔“ فاروقی نے موقع کی نزاکت بھانپ کر فوراً نارف کر دیا۔

”اوہ....!“ شاہد کی آنکھوں میں پہلے تحریر نظر آیا اور پھر اس نے جھپٹی ہوئی ہنی کے ساتھ ہا۔ ”جلد ہی کہہ رہا ہے کہ وہ کس کی زبان سے ادا ہوا ہے۔“

”ہاں تو.... پوست مارٹم کی روپرٹیں ایک دوسری سے مختلف نہیں ہیں۔“ فریدی نے رونقی سے پوچھا۔

”قطیعی نہیں.... سب کے سب اچاک حرکت قلب بند ہو جانے کی بنا پر مرے تھے۔“

”یہ نکتہ اہم ہے۔“

”بہت اہم ہے جتاب۔“ شاہد بولا۔

”کیا بھی تک آپ ہی تفتیش کرتے رہے ہیں۔“

”نہیں۔“ فاروقی نے کہا۔ ”تفتیش اُسی انپکٹر نے شروع کی تھی، جو اپنی رائفل کا خود ہی شکار اٹھا۔“

” غالباً اس سے بیکی خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انپکٹر پہچان لیا گیا ہو گا اسی لئے کسی نے اس کی نیکی میں رائفل لوڈ کر دی تھی۔“

”نی کمال بھی خیال ہے۔“ فاروقی بولا۔

”لیکن اتنی احتیاط سے کام لینے والے ایسے احقر نہیں ہو سکتے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”یعنی اگر ان وارداں میں نگار والوں کا ہاتھ ہوتا تو انپکٹر کو پہچان لینے کے بعد ہر گز ایسی لستہ کرتے۔ اس طرح تو ان کے خلاف شہر یعنی میں بدلت جاتا ہے۔“

”آپ کا خیال بھی درست ہے۔“

”گر امنہوں نے اسے پہچان ہی لیا تھا تو وہ اسے ٹھکانے لگانے کے لئے وہی نجی استعمال کی تھے جو دوسروں کے لئے کیا تھا۔ اس طرح ان کی گردن بھی سلامت رہتی، مگر!“

”لگھیے! ظاہر ہے کہ ابھی تک آپ دوسری اموات کے سلسلے میں نگار والوں پر چارچار

نہیں لگ سکے۔ طبی رپورٹ میں صرف اتنا ہی بتاتی ہیں کہ وہ اچاک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مرتے تھے۔ نگارے واپس آنے والے اگر بڑی تعداد میں بھی اسی طرح مرتے رہیں تو آپ صرف تفتیش کر سکتے ہیں کسی کو حراست میں نہیں لے سکتے۔ مگر اتنل کا واقعہ تو نگار میں قفل تک ڈلا سکتا ہے۔

”جی ہاں.... اور ایسا ہو بھی چکا ہے۔“

”لہذا نگار والے اتنے گدھے نہیں ہو سکتے کہ خواہ مخواہ کنوں میں کوڈ پڑیں۔“

فاروقی کچھ نہ بولا۔

”تو ہوڑی دیر بعد اس نے کہا۔“ بہر حال اب آپ کو یہ کیس دیکھا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”میں آپ کو صرف ایک تکلیف دوں گا۔“

”ضرور فرمائیے۔“

”کیپن کر گیک کے متعلق معلومات، گھر بیوں کا فارم بند ہونے کے بعد سے وہ اب تک اک کرتا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کا ذریعہ معاش کیا تھا اور زرما آپ.... اپنی یہ لست مجھے عنایہ فرمائیے گا۔“

شاہد نے لست اس کی طرف بڑھا دی۔ فریدی اُسے دیکھا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

”کیپن کر گیک والا واقعہ آخری تھا.... کیوں؟“

اس نے شاہد کی طرف دیکھا۔

”جی ہاں.... موت کی نویعت کے اعتبار سے آخری ہی کہا جائے گا۔“

”مشکر یہ۔“ فریدی نے فائل بند کر کے اس کی طرف بڑھا دیا اور پھر بولا۔ ”اگر مرنے والا“

کی لست آپ مجھے دے سکیں تو مٹکوڑ ہوں گا۔“

”ضرور، ضرور..... مگر یہ فائل ہی آپ کے پاس رہے گی۔“

”مجھے فی الحال لست چاہئے اور کر گیک کے متعلق مزید معلومات.... ہمارا قیام ریجسٹر اٹھا رہیں، انہیوں اور میسوں کرے میں ہے۔“

”میں حاضر ہوں گا۔“ شاہد نے کہنا۔

”مگر آپ نے ریجسٹر میں کیوں قیام کیا۔“ فاروقی نے کہا۔ ”اس سلسلے میں آپ سے۔“

ٹکا ہیت ہے۔“

”دیکھتے نا....!“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”اگر میں تفریخا نصیر آباد آیا ہوتا تو ریجسٹر میں کبھی نہ ٹھہرتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کے یہاں مجھے آرام ملتا۔ لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ میں کام کے اوقات میں ہمیشہ آرام سے دور رہتا چاہتا ہوں۔“

”غیر اس کیس کے اختتام پر آپ کو لازمی طور پر میرے ساتھ چند دن قیام کرنا پڑے گا۔“

”ہاں اس وقت مجھے تامل نہ ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔ پھر شاہد کی طرف دیکھ کر بولا۔

”ابھی تک اس کیس کے سلسلے میں آپ ہی تفتیش کرتے رہے ہیں۔“

”جی ہاں۔“

”تو بیل یہ سمجھ کر میں صرف آپ کا ہاتھ بناوں گا۔ کیس کلی طور پر میں نے لینے سے انکار کر دیا ہے۔“

”کیوں....؟“ فاروقی نے حیرت سے کہا۔

”یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہوں کہ لوگوں کا ہاتھ بناوں۔“

”مگر میں تو....!“ فاروقی نے تشویش آمیز لمحے میں کچھ کہنا چاہا۔

”نہیں جتاب۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میرے پاس تحریر موجود ہے۔ میں صرف اسی شرط پر وہ کیس لیتا ہوں جو دوسری جگہوں سے منتقل ہوتے ہیں۔ ہاں ان کیسوں کے فائل میں ضرور رکھتا ہوں جو براہ راست میرے پاس آتے ہیں۔“

”یعنی آپ ان لوگوں کا دل نہیں توڑنا چاہتے جن کے پاس سے کیسوں کی منتقلی ہوتی ہے۔“

شاہد نے ہنس کر کہا۔

”تھیں سمجھ لیجئے۔“

کچھ دیر تک اس کیس کے متعلق گفتگو ہوتی رہی پھر فریدی نے اٹھنے کے لئے کرسی کھسکائی اور شاہد سے بولا۔ ”آج رات کا کھانا ریجسٹر میں میرے ساتھ کھائیے گا۔“

”شکریہ۔“

”اب اجازت دیجئے۔“ فریدی نے فاروقی سے کہا۔

وہ اپسی پر حیدر اچھی طرح چکنے لگا تھا۔ پس نہیں وہ حقیقتاً مجھے موڑ میں تھا یا فریدی کو چڑھانا

چاہتا تھا۔ فریدی نے خود ہی اس کیس کا تذکرہ چھیڑ دیا جس کے متعلق کچھ دیر پہلے نصیر آباد برائی کے دو آفسروں سے گفتگو ہوئی تھی۔

”شاید تم اس کیس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“ فریدی نے کہا۔

”میرے جاننے نہ جاننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”تم اخبارات میں صرف تفریحی پروگراموں کے اشتہار دیکھنے کے عادی ہو۔“

”اس عادت کی بناء پر معلومات میں پیش بہا اضافہ ہوتا ہے اور پھر میں اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ حقیقت پسند واقع ہوا ہوں۔ اخبارات خبروں کے لئے نہیں نکالے جاتے کیونکہ خبروں کی قیمت زیادہ سے زیادہ دو آنے باہمی آنے ہوتی ہے اور اشتہارات.... خدا کی پناہ میں روپے فی کالم انجیں تک ہوتی ہے، بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ لہذا میں وہی کیوں نہ پڑھوں جس کے لئے اخبارات کا اجراء عمل میں آتا ہے۔“

”تم نے ٹگار تھیڑ کے مخزے کی موت کے متعلق پڑھا تھا یا نہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ مخزوں کو موت بھی نہیں آتی۔“

”تمہارا خیال غلط ہے۔“ فریدی نے خشک لبجھ میں کہا۔ ”آدمی اسی وقت مر جاتا ہے جب

اس کے قدم خود فرسی کی طرف اٹھتے ہیں۔ مخزہ پن خود فرمی نہیں تو اور کیا ہے۔“

”یہ ایک طویل بحث ہے جس سے میں بچنا ہی چاہوں گا۔“ حمید نے کہا۔ ”فی الحال آپ مجھے اس مخزے کی موت کے متعلق بتائیے۔“

”وہ اسچ کا مخزہ تھا۔ ہر شو میں اس کا ایک خصوصی پروگرام ہوتا تھا اس پروگرام میں وہ زیادہ تراپنی رائل کو مراجح کا موضوع بناتا تھا۔ کبھی اسے سارگی کی طرح استعمال کرتا اور کبھی شہنما کی طرح حداثے والی رات کو وہ رائل کا دہانہ اپنے ہونٹوں میں دبائے ہوئے اس طرح اچھل کو درہ تھا جیسے جو اسچ آرکسٹرا کی شہنما کی آواز اس رائل ہی سے نکل رہی ہو۔ اچاہک اسی حالت میں اس کی انگلی ٹریگر پر پڑ گئی اور وہ بے جان ہو کر اسچ پر گر گیا۔ رائل کی نال سے نکلنے والی گولی اس کے حلق کے چیڑھے اڑاتی ہوئی گدی سے دوسری طرف نکل گئی تھی۔ یہ تو اخبار کی خبر تھی لیکن یہ آج معلوم ہوا کہ مر نے والا کوئی پیشہ در مخزہ نہیں بلکہ ہمارے مجھے کا ایک انسپکٹر تھا۔“

”کیس حقیقتاً لچک پہ ہے۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”سترہ مر نے والوں کی فہرست

مگر نہ ہریے۔ آپ نے خصوصیت سے کیپشن کر گیک ہی کے متعلق کیوں معلومات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔“

”کیونکہ ان میں کر گیک ہی ایسا ہے جس میں پولیس نے ہمیشہ دلچسپی لی ہے۔ وہ ایک انتہائی چالاک قسم کا قانون شکن تھا۔ اس پر اکثر غیر قانونی حرکات کے سلسلے میں مقدمے چلتے رہتے تھے، لیکن اسے کبھی کسی عدالت سے سزا نہ ہو سکی، کیونکہ وہ ایک ماہر قانون دان تھا۔ عموماً اس کی ذہانت اور منطقی موشکھا فیاض عدالت کو غلط راستے پر ڈال دیتی تھیں اور عکسین سے تکین الزام سے بری ہو جاتا تھا۔“

”اور وہ بھی بالآخر موت کے گھاٹ اتر گیا۔“

”یہ بھی غور طلب ہے کہ کر گیک کے بعد پھر کوئی اسی موت نہیں ہوئی جس کا تعلق نگار سے رہا ہو۔ نہیں حمید صاحب! شروعات کے لئے کر گیک سے بہتر اور کوئی نہیں ملے گا۔“

قمار خانہ

رات آہستہ آہستہ ٹھھال ہوتی جا رہی تھی۔ دیسے رات کے ٹھھال ہو جانے کا تذکرہ شاعری ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ مگر جہاں راتیں ٹھھال سی معلوم ہوتی ہیں وہاں شاعری کا تصور بھی نہیں ہوتا، جیسے جیسے رات گزرتی ہے ہنگامے سرد ہوتے جاتے ہیں۔ پیغمے والے بلا نوشی کی ان حدود میں ہوتے ہیں جہاں ”ذہن بن جاتا ہے دلدل کسی دیرانے کی“ لیکن ”رات آغاز زماں کے پرندے کی طرح“ نہ اپنے ”پرتو لتی ہے اور نہ چیختی“ ہے بلکہ ٹھھال ہو جاتی ہے۔ مگر ہمیں کے قمار خانے کے باہر تو چاندنی میں لٹپٹی ہوئی رات کسی چچل چھوکری کی شراہت اگیز اگرلائی معلوم ہو رہی تھی اور قمار خانے کے اندر لوگی کر گیک محسوس کر رہی تھی جیسے رات کا دم الکڑ رہا ہو۔ وہ آج بہت باری تھی۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار۔ اس کے بعد وہ اٹھ ہی گئی تھی۔ اس کا مقابل تو سیکھی چاہتا تھا کہ وہ خود کو بھی داؤ پر لگادے لیکن لوگی کر گیک کوئی دو لکھ کی لڑکی تو تھی لیکن اس کے باپ کیپشن سام کر گیک نے بے اندازہ دولت چھوڑی تھی اور وہ اس دولت کی بلا ٹرکت غیر سے لالک تھی۔

”تب تو آپ کے لئے نہ کھلیتا ہی مفید ہے۔ یہاں لوگ ہمیشہ ہارنے ہی کے لئے آتے ہیں۔ کبھی کبھی جیت میں بھی رہتے ہیں، لیکن یہ جیت بہت بڑی نہیں ہوتی۔ پرسوں میں چار ہزار لے کر پیشی تھی اور ساری رات کھلیتے رہنے کے بعد دور پے بارہ آنے کی جیت میں رہی تھی۔“

”دور پے بارہ آنے۔“ نوجوان نہس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ ”مگر اس کے باوجود بھی یہاں کافی بھیڑ نظر آتی ہے۔“

”لوگ اپنا چھپلا حساب برابر کرنا چاہتے ہیں۔“ لوسی مسکرائی۔ ”کل میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے آج دور پے بارہ آنے کی بجائے ہزاروں کی جیت میں رہوں لیکن میں کل بھی ہدی اور آج بھی۔“

”کل میں بھی کھلیوں گا۔“ نوجوان نے کہا۔

”کیوں کل کیوں؟“

”میں نے دیکھ لیا ہے کہ یہاں کس قسم کے تاش استعمال ہوتے ہیں۔“

لوسی نے تھہبہ لگای۔ نوجوان خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

”آپ دیے تاش اپنے ساتھ لا میں گے جیسے یہاں استعمال ہوتے ہیں۔“ لوسی نے پوچھا۔

”یقیناً بے ایمانوں کے ساتھ بے ایمانی کرنی ہی پڑتی ہے۔“

”لیکن۔“ لوسی پھر نہس پڑی۔ ”کوئی نہیں جانتا کہ کل یہاں کس براثن کے تاش استعمال ہوں گے۔ روزانہ نئی قسم کے تاش استعمال ہوتے ہیں۔“

نوجوان کے چہرے پر بی نظر آنے لگی، مگر پھر بیٹاشت کے آثار دکھائی دیئے اور اس نے چک کر کہا۔ ”کوئی پروادا نہیں کل میں ضرور کھلیوں گا۔“

”آپ شاید اس شہر ہی میں اجنبی ہیں ورنہ سب کو معلوم ہے کہ ہیری کے قمار خانے میں چالاکوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔“

”ہیری کا قمار خانہ۔“ نوجوان نے بُر اسامنہ بنایا۔ ”میں دیکھوں گا، ہیری کے قمار خانے کو۔“

”بہتر یہ ہو گا کہ پہلے ہیری کو دیکھ لجھے۔“ لوسی کے ہونٹوں پر طنزی سی مسکراہٹ تھی۔

”آپ مجھے تاؤ دلار ہی ہیں۔“ نوجوان نے تاخوٹ گوار لجھے میں کہا۔ ”اگر آپ کہئے تو میں اسی وقت آپ کے ہارے ہوئے ساڑھے تین ہزار ہیری سے وصول کروں۔“

”کس طرح وصول کریں گے آپ۔“

وہ تفریج اجاگھیت تھی اور شاذ و نادر ہی جیت میں رہتی تھی۔ مگر ہزاروں روپیوں میں صرف بارہ آنے کی جیت بھی اسے قارون کا خزانہ معلوم ہوتی تھی، خواہ وہ بارہ آنے اُسی وقت پہنچی میں کیوں نہ نکل جاتے ہوں۔ اسے بڑی رقم گزوانے کا بھی غم نہیں ہوتا تھا۔ آج ہی وہ ساڑھے تین ہزار ہار گئی تھی لیکن اس وقت کھڑکی کے قریب ہو کر دا اپنی اسی ہار کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی بلکہ باہر پھیلی ہوئی شیم بیداری چاندنی اُسے اپنی کے خواب یاد دلار ہی تھی کہ آخر یہاں ہی قمار خانے میں ڈھلتی ہوئی رات جانکنی میں کیوں بٹلا معلوم ہونے لگتی ہے۔

اچاک اس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ مڑی اس کا اندازہ غلط نہیں تھا وہ ایک خوشنہ نوجوان تھا اور اسی کی طرح یورپیں ہی معلوم ہوتا تھا لیکن ہیری کے قمار خانے میں شاید اسے پہلی بار نظر آیا تھا کیونکہ ایسے چہرے ایک بار دیکھنے کے بعد بھلائے نہیں جاسکتے۔

لوسی کی آنکھوں میں استعجال کے ساتھ ہی ساتھ ہلکا سا احتجاج بھی تھا۔

”اوہ.... کیا میں یہاں سے ہٹ جاؤں۔“ نوجوان نے آہستہ سے کہا۔

”نہیں.... لیکن میرا خیال ہے کہ آپ میرے لئے اپنی ہیں۔“ لوسی نے کہا۔

”جی ہاں.... آپ کا خیال درست لیکن آج آپ بہت ہاری ہیں۔“

”اوہ....!“ لوسی نے لاپرواں سے شانوں کو جبنت دی۔ ”میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔“

”ولیعنی آپ ہمیشہ اتنی بڑی بڑی رقمی ہارتی رہتی ہیں۔“

”ہاں.... پچھہ دریبے فکری سے گزارنے کے لئے یہ بہت زیادہ تو نہیں ہے۔“

”لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ یہاں شارپنگ ہوتی ہے۔ کھینچنے والے سب قمار خانے ہی کے آدمی ہوتے ہیں۔“

”یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔“ لوسی مسکرائی۔ ”لیکن آپ شائد یہاں بالکل نئے ہیں۔“

”جی ہاں.... میں آج ہی یہاں آیا تھا لیکن رنگ دیکھ کر کھلیٹے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔“

”اوہ تو آپ ضرور تباہ کھلینے والوں میں معلوم ہوتے ہیں۔“

”یہیں بھجھ لجھے۔“ نوجوان مسکرا یا۔

”بس آپ کہہ دیکھئے میں وصول کرلوں گا۔“
”وصول کر لیجئے۔“ لوئی کے ہونوں پر پھر وہی پہلے کی سی طنزیہ مسکراہٹ دکھائی دی۔
”اچھا تھہر یے! امگر آپ.... میں جارہا ہوں۔ آپ مجھے کہاں ملیں گی۔“
”آپ سنجیدہ ہیں۔“

”میں قطعی سنجیدہ ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر ان لوگوں سے سلاٹھے تین ہزار وصول کرلوں گا۔“
”اگر نہ کر سکے تو پھر آپ کا پتہ تو معلوم ہی ہو جائے گا۔“

”کیا مطلب....!“

”کل میں آپ کو قبرستان میں تلاش کروں گی۔“

”بس ختم کیجئے۔“ نوجوان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اگر آپ یہاں سے جانا چاہتی ہوں تو چل جائے کیونکہ ابھی یہاں ایک زبردست ہنگامہ ہو گا لیکن میں آپ کو روپے کس پتہ پر پہنچاؤں گا۔“

”میرا وقت نہ بر باد کیجئے۔ آپ میرا نام پوچھنا چاہتے ہیں اور اپنا نام بتانا چاہتے ہیں۔ میرا نام لوئی کریگ ہے اور آپ کا....!“

”میرے اور آپ کے ناموں میں کاف اور گاف کا فرق ہے۔“ نوجوان مسکرا یا۔ ”آپ کریگ ہیں اور میں کریک۔“

”شکل ہی سے ظاہر ہے۔“ لوئی نے سنجیدگی سے کہا۔

”اب اپنا پتہ بھی بتا دیجئے۔“

”کیوں....!“

”سلاٹھے تین ہزار کہاں پہنچاؤں گا۔“

”میں گھر پر کسی سے بھی نہیں ملتی۔“ لوئی نے کہا۔ ”لہذا میرے ملازمین ملاقاتیوں سے اچھی طرح پیش نہیں آتے۔“

”فکر نہ کیجئے۔ انہیں بالکل رحمت نہیں دی جائے گی۔“

”کیا مطلب....!“

”یہ روپے مذریعہ ڈاک بھجوادیے جائیں گے۔“

”اتنا ہی پتہ کافی ہو گا۔ ڈاٹر آف کیپن سام کریگ نصیر آباد۔“

”اچھا... شکر یہ۔“ نوجوان نے کہا اور اس کے پاس سے ہٹ گیا۔ لوئی اُسے دروازے سے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ وہ جو کوئی بھی تھا خاصی پر کشش پر سالائی کامالک تھا۔ لوئی نے سوچا اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ قمار خانے کے پنگے سے سرد ہو چکے تھے مگر کھلنے والے اب بھی میزوں پر موجود تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قیامت تک نہ اٹھنے کا عہد کر کے بیٹھے ہوں۔

لوئی ایک خالی میز پر جائیٹھی اور ویٹر کو بلا کر ایک ٹگ و ہسکی طلب کی۔

وہ ابھی گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ ویسے بھی وہ گھر سے دور بھاگتی تھی کیونکہ وہاں اُسے ایماندار فوکروں سے سابقہ پڑتا تھا وہ سب اچھے آدمی تھے۔ لیکن لوئی کو اچھے آدمی ذرا بھی اچھے نہیں لگتے تھے کیونکہ اس کی ساری خامیاں اور کمزوریاں اظہر من افسوس تھیں۔ اُسے خود بھی خواہش نہیں تھی کہ اس کا شہر کے اوپرچے طبقے سے کوئی تعلق ہو۔

ویٹر نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ لوئی نے گلاس اٹھا کر سامنے سے سوڈا لیا لیکن گلاس ہونوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ یہ بیک شور اٹھا نہ صرف شور اٹھا بلکہ لوگ بھی کر سیوں سے اٹھ گئے۔ سامنے ہیری کھڑا دہاڑ رہا تھا۔ لوئی نے اس کے چہرے پر کوئی بھی سی چیز دیکھی اور اس کا سر باسیں شانے پر جھکا ہوا تھا۔

”دیکھو....!“ وہ گرج رہا تھا۔ یہ کون سور کا پتہ تھا۔ نکل کر جانے نہ پائے.... بھا.... خاک۔ اس نے دو قول ہاتھوں سے اپنی ناک دبایی اور آگے جھک آیا۔ اس پر لوئی نے بھی اس کی ناک پر اپنا لگتے دیکھا تھا۔

اچھا خاصہ ہنگامہ برباہو گیا۔ کئی میزیں الٹ گئیں اور پھر وہاں اندر ہی را ہو گیا۔ لوئی جلدی سے اٹھی اور دیوار سے جا گئی۔ خدشہ تھا کہ کہیں کوئی اس پر نہ آگے۔ شور برابر جاری رہا کئی ایک جنیں بھی سالائی دیں۔ تقریباً دو منت تک اندر ہمراہ اور پھر سازے بلب روشن ہو گئے۔ قمار خانہ اتنی دیر میں کباڑا خانہ بن کر رہا گیا تھا اور ہیری کے دو آدمی اور ہر دوڑتے پھر رہے تھے جو بہت ہی خاص قسم کے واقعہ پر حرکت میں آتے تھے۔

لوئی نے باہر جانا چاہا لیکن معلوم ہوا کہ سارے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ وہ پھر اپنی جگہ پر آیٹھی۔ اس جیسے بیتیرے باہر نکلا چاہتے تھے لیکن یہ اس وقت تک مشکل ٹاچا جب تک کہ ہمکری نہ چاہتا۔

ہیری کسی پھرے ہوئے درندے کی طرح ہال میں ایک ایک کو گھورتا پھر رہا تھا۔ لوگی کے قریب سے بھی وہ گذر گیا۔ کچھ دیر بعد لوگی نے اسے اپنے کسی آدمی سے کہتے شا۔ ”یہاں کوئی جتنی نہیں ہے۔“

”لیکن دوایک اجنبی بھی آج آئے تھے۔“ کسی نے کہا۔

”دروازے کب کھلیں گے۔“ کسی گوشے سے آواز آئی۔

”ٹھہرو....!“ ہیری پھر پھر گیا۔ یہ ایک اچھے تن و توش کا دراز قد آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ صورت ہی سے خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ بیشانی پر زخموں کے کئی نشانات تھے یہکہ وہ پھر لوگی کی میز کی طرف مڑا اور سیدھا وہیں چلا گیا۔

”تم پھر یہاں دکھائی دیں“ اس نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”کیا میں یہاں بھیک مانگنے آئی تھی۔“ لوگی جلا کر بولی۔

”نہیں میں تمہیں غلط را ہوں پر نہیں دیکھنا چاہتا۔ سام میرا دوست تھا۔“

”اور وہ سب تمہارے دشمن تھے جن کے بیٹے یہاں آکر ہر رات ہزاروں گرواتے ہیں۔“

”کل سے تم یہاں داخل نہیں ہونے پا گی۔ سمجھیں۔“ ہیری نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ لوگی نے بہت بُر اسامنہ بنایا اور گلاس اٹھا کر وہ سکی کی چکیاں لینے لگی۔ اب وہ اس نوجوان کے متعلق سوچ رہی تھی جس نے سازھے تین ہزار کی واپسی کا وعدہ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازے کھلوادیے گئے۔ لوگی باہر آئی اور اپنی کار میں بیٹھ کر کر گیک والا کی طرف روانہ ہو گئی۔

وہ کچھ ایسی زیادہ نشے میں نہیں تھی کہ کار بھی نہ ڈرائیور کر سکتی۔ لیکن نہ جانے کیوں اب

سو جانا چاہتی تھی۔ وہ نہ ابرار نوجوان بار بار اس کے ذہن کی سطح پر ابھرتا اور کافیوں میں اس کے الفاظ گو نجیبے لگتے۔ وہ اُسے بالکل گدھا سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس طرح صرف جا بچاں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اب سوچ رہی تھی کہ وہ کس قسم کا آدمی تھا۔ کیا وہ اپناؤندرہ پورا اکر گا۔ کیا حقیقت اسے سازھے تین ہزار بذریعہ ڈاک والیں مل جائیں گے۔ اُسے روپیوں کی واپسی

قلر نہیں تھی۔ وہ تو اس نوجوان ہی میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

”اوہ....!“ وہ آہتہ سے بڑی بڑی۔ ”ممکن ہے۔ بستر درست کرنے والی لائٹ بندر کرنا بھول گئی۔“

مگر خواب گاہ میں قدم رکھتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے ہزاروں فٹ کی بلندی سے بچنے پہنچا دیا ہو۔ ہیری کے قدار خانے والا نوجوان سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”تم یہاں کیسے پہنچے۔“ لوگی نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”پاپ کے ذریعہ چھٹ پر چڑھ کر“ بڑی سادگی سے جواب دیا گیا۔ ”تمہارے دو فوٹ کتوں نے بہت پریشان کیا۔ مجبوراً انہیں گوشت کے ایسے ٹکڑے کھلانے پڑے جن پر بیہو شی کی دو اگائیں تھیں۔“

”میں کہتی ہوں تم نے ایسا کرنے کی جرأت کیسے کی۔“

”ویسے ہی جیسے ہیری کی ناک پر انڈوں سے نشانہ لگانے کی جرأت کی تھی۔“

”پھر..... پھر کیا ہوا؟“ لوگی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”پھر فیوز اڑا کر اچھی طرح ہاتھ صاف کیا۔ اس وقت میری جیب میں سازھے تین ہزار سے بارہ ہی ہوں گے۔“

”تم نے اس طرح ڈاکہ ڈالا۔“ لوگی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”ہاں“ اس نے جب سے نوٹوں کی گذیاں نکال کر گول میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”فرق ہی کیا ہے۔ البتہ اس میں جو کے سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور لئے والا بھی مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ مجھے دراصل بیکی جو ایسا پسند ہے، کونکہ اس میں جان کی بازی لگانی پڑتی ہے اور گرہ سے کچھ نہیں جاتا۔“

”میں یہ روپے نہیں لوں گی۔ انہیں واپس لے جاؤ۔“

”کیا...!“ نوجوان نے غصیلے لمحے میں کہا۔ ”پھر تم نے خواہ خواہ میرا وقت کیوں بر باد کر لیا تھا۔“

”میں مذاق سمجھی تھی۔“

”تم کیا سمجھی تھیں۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ اپنے سازھے تین ہزار گن کر کھل لو۔ میں اب واپس جانا چاہتا ہوں۔“

”تم اس طرح نہیں جا سکتے۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔ خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کل اگر تم نے اسی طرح یہاں داخل ہو کر مجھ پر بھی ہاتھ صاف کر دیا تو کیا ہو گا۔“

”کیا تم مجھے کوئی پیشہ ور ڈاک سمجھتی ہو۔“ نوجوان نے غصیلے لمحے میں کہا اور کھڑکی کی طرف بڑھا۔

”ٹھہر و اب تھاری واپسی اور سے نہیں ہو گی۔“

”مجھے کون روکے گا۔“ نوجوان پلٹ کر غرایا۔

”تم غلط سمجھے۔ بیٹھ جاؤ۔ تم پہلے مرد ہو جلو کی کریک کی خواب گاہ میں داخل ہوئے ہو۔“

”صورت ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔“ نوجوان نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر طنزیہ اندا میں کہا۔

”اے.... تم میری توہین نہیں کر سکتے۔“ لوسی عصیلی آواز میں بولی۔

”کیوں؟ تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ یہی ناکہ تم کافی دولت مند ہے، لیکن دولت کا جو حشر میرے ہاتھوں ہو سکتا ہے تم دیکھ رہی ہو۔“

لوسی اُسے چند لمحے گھورتی رہی پھر بولی۔ ”تم نے ابھی کہا تھا کہ تم پیشہ در لیکرے نہیں ہو پھر تھارا ذریعہ معاش کیا ہے۔“

”جوتے گا نہتا ہوں۔“

”بیٹھ جاؤ.... تم غھے میں معلوم ہوتے ہو۔“ لوسی مسکرائی۔ لیکن دفعتائس کا چہرہ تاریک ہو گیا نوجوان نے بھی یہ تبدیلی محسوس کر لی اور اس کی نظریں لوسی کی نگاہوں کا تعاقب کرتی ہوئیں اس نیچے سے سرخ رنگ کے بلب پر جم گئیں، جو میٹل پیس کے ایک گوشے پر بار بار روشن ہو کر بچھ رہا تھا۔

بلب اور ہند سے

وہ اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

”کیوں....!“ نوجوان نے پوچھا۔ کیا یہ کسی قسم کا اشارہ ہے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ لوسی مضطربانہ انداز میں بولی۔

نوجوان بیٹھ گیا۔ وہ بھی اسی بلب کو دیکھے جا رہا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ تمہارے آدمی آرہے ہیں۔“ اس نے لوسی کی طرف دیکھ کر عصیلی آواز میں کہا۔ ”کیا اس بلب کا سلسلہ زینوں سے نہیں ہے۔“

”نہیں! تم غلط سمجھے ہو یہ بلب میرے لئے بھی ایک معہ ہے۔“

”کیا تمہارے چہرے پر خوف کے آثار نہیں ہیں۔“

”نہیں.... الجھن کے آثار ہوں گے۔“ لوسی نے کہا۔ ”خوف میرے غیر میں نہیں پڑا۔“

”یہ بلب تمہارے لئے معہ کیوں ہے۔ کیا یہ تمہاری خواب گاہ میں نہیں ہے۔“

”یقیناً ہے۔ لیکن یہاں کے عجائبات....!“

”کیا تم نے یہ عمارت حال ہی میں خریدی ہے۔“

”نہیں یہ عمارت ڈیڑی نے بنوائی تھی اور یہ خواب گاہ بھی دراصل انہیں کی ہے لیکن ان کی موت کے بعد سے میں اسے استعمال کرنے لگی ہوں۔ بہت عرصہ سے خواہش تھی کہ اس خواب گاہ کو اندر سے دیکھ سکوں۔“

”کیا تم بہت زیادہ پی گئی ہو۔“

”نہیں! میں نہیں میں نہیں ہوں۔ تمہیں یہ بات عجیب لگے گی۔ لیکن اب سوچتی ہوں کہ وہ ڈیڑی کی جھک نہیں تھی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ڈیڑی کی خواب گاہ ہیشہ مقفل رہا کرتی تھی۔ کسی نے بھی اسے اندر سے نہیں دیکھا تھا وہ اپنے بستر کی چادریں اور تکیوں کے خلاف خود ہی بدلا کرتے تھے اور کمرے کی صفائی بھی خود ہی کر دلتے تھے۔ بہر حال ان کی موت کے بعد سب سے پہلے میں نے اسی پر دھیان دیا تھا لیکن میں نہیں جانتی کہ اس بلب کا کیا مقصد ہے اور اکثر خود بخود کیوں جلنے بخنتے گئے۔“

”اگر یہ کہانی درست ہے تو اسے حیرت انگیز ہی کہنا چاہئے۔“ نوجوان تحریکہ انداز میں جلدی جلدی پلکن چھپ کا تاہو بولا۔

”یقین کرو....!“ نوجاب ملا۔

”کر لیا....!“ نوجوان مسکرا یا۔

”بھی نہیں.... آؤ.... میں تمہیں کچھ اور بھی دکھاؤں گی۔“ لوسی نے کہا اور اٹھ کر میٹل پیس کے قریب پہنچ گئی۔ وہ بھی آگے بڑھ گیا۔

لوسی نے ٹھیک بلب کے نیچے میٹل پیس کے نچلے حصے کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا مانگانہ تھا جس پر شیشے کا ڈھکنا تھا اور ہلکی سی روشنی اس کی سطح پر نظر آ رہی تھی اسی روشنی میں وہ

محرک ہند سے صاف دکھائی دے رہے تھے، جو نیچے سے اٹھ کر ششی کی چڑائی طے کرتے اور جا کر غائب ہو جاتے۔
”تم اس کے مقصد سے واقع نہیں ہو۔“ نوجوان نے کہا۔ ”اس کی آنکھوں سے شہر جھاک رہا تھا۔“

”نہیں....!“ لوی نے طویل سانس لے کر کہا پھر آہتہ سے بولی۔ ”آؤ بیٹھو.... اسے دیکھتے دیکھتے میرا دماغ پک گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ آخر ہے کیا بل۔“
نوجوان پھر کرسی پر آبیٹھا اور لوی ستر پر بیٹھی ہوئی بولی۔ ”میرے گرد و پیش امی ہی بتیری الجھنیں موجود ہیں لیکن میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتی۔ ڈینی کی موت پر اسرار حالات میں ہوئی تھی۔“

”ہونی ہی چاہئے۔“ نوجوان نے لاپرواٹی سے کہا۔
”کیوں؟“ لوی اسے گھورنے لگی۔
”تم کیپٹن سام کر گیک ہی کی بیٹی ہوتا۔“
”ہاں....!“ اس کی آنکھوں میں اب بھی سوال تھا۔
”مجھے جیسے آدمی سے کیپٹن سام کر گیک یا ایسی ہی دوسرے افراد کے کارناٹے کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔“

”میاں تم مجھے ذلیل کرنا چاہئے ہو۔“ لوی آنکھیں نکال کر بولی۔
”بورو مت کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ اگر مجھے پہلے یہ معلوم ہوتا کہ تم سام کر گیک کی بیٹی ہو تو میں ہیری سے تمہاری رقم واپس دلوانے کا وعدہ ہرگز نہ کرتا۔ ظاہر ہے کہ سام کر گیک کی دولت بھی ایمان داری کا نتیجہ نہیں ہے۔“

لوی نے شکے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پتوں نکالا اور اس کا رخ نوجوان کی طرف کرتی ہوئی بولی۔ ”میں تمہیں اپنی توہین کا مزہ بھی چھا سکتی ہوں۔“

”سام کر گیک ہی کی بیٹی ہو۔“ نوجوان کا لہجہ سچ عصہ دلانے والا تھا۔
”میں فائز کر دوں گی۔“
”ضرور کرو۔... لیکن میری موت اتنی پر اسرار نہ ہوگی جتنی سام کر گیک کی تھی۔“

لوی چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر اس نے پتوں شکے کے نیچے رکھ دیا۔
”اس کا استعمال بہت مشکل ہے۔“ نوجوان نے مسکرا کر کہا، جواب میں وہ بھی مسکرائی۔ پھر ایک طویل انگڑائی لے کر شکے سے مک گئی۔ وہ عجیب نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھ رہی تھی، لیکن نوجوان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔
آخروہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”بڑے جیا لے ہو۔“
”پھر....؟“
”اگر ڈاک رنی تمہارا پیشہ نہیں ہے تو زندگی کیسے بُر ہوتی ہے۔“
”ایک فرم کا ثریوں لگ اجنبت ہوں۔“
”کیا آمدی ہو جاتی ہوگی۔“
”بھی.... سازھے تین یا چار سو۔“
”لہیں....!“
”لبس کا کیا مطلب۔“ نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔
”تم جیسے آدمی کی یہ قیمت بہت کم ہے۔“
”صرف تم جیسی مالدار لاکیوں کی نظریوں میں۔ ورنہ چار سو میرے خدا۔... ایک آدمی کے لئے بہت میں اور پھر میں بہت کم ہارتا ہوں۔ ان چار سو روپیوں میں سے صرف سوروپے کھیلنے کے لئے الگ کر لیتا ہوں اور یہ سوروپے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔“
”پیٹے کون کی ہو۔“
”وہ بھی نہیں جو مفت ہاتھ آتی ہے۔“
”مجھے حرمت ہے کہ تم کھلیتے ہو مگر پتے نہیں۔“
”تمہیں حرمت نہ ہونی چاہئے کیونکہ جوئے کے ساتھ شراب صرف ہارنے ہی والے پیا کرتے ہیں۔“

”تب تو تم ایک باصول جواری ہو۔“
”تم مجھے کیوں نبوک رہی ہو۔ اب میں جاؤں گا۔“ دفعتاً نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔
”میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اگر تمہیں کوئی ایسی ملازمت مل جائے جو موجودہ ملازمت

سے زیادہ منفعت بخش ہو تو تم کیا کرو گے۔

”کسی کنوئیں میں چھلانگ لٹا کر خوش ظاہر کروں گا۔“

”کم از کم سات سورپے ماہوار کی ملازمت...!“

”میرا مذاق نہ اڑاؤ۔“

”یقین کرو۔“ لوی مسکرائی۔

”میں ابھی اور اسی وقت تمہیں سات سورپے ماہوار کی ملازمت دلو اسکتی ہوں۔“

”مجھے منظور ہے۔“ نوجوان نے اس انداز میں کہا جیسے وہ اپنا مصلحہ اڑانے پر تیار ہو گیا ہو۔

”تمہیں سام کر گیک کی بیٹی کا پرانیویٹ سکریٹری بنانا پڑے گا۔“

”اگر ایمانداری کے پیے میں تو میں کتنے کے پلے کا پرانیویٹ سکریٹری بنانا بھی منظور کر لوں گا۔“

”تم پھر مجھ پر چوت کر رہے ہو۔“

”ہو سکتا ہے لیکن ابھی میں نے تمہاری ملازمت اختیار نہیں کی۔“

”کیا مطلب...!“

”ملازمت اختیار کرنے کے بعد تو مجھے تمہارا ادب کرنا ہی پڑے گا۔“

”تم بہت منہ پھٹ ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔“

”ملازم ہو جانے کے بعد تم میرا سلیقہ بھی دیکھ لوگی۔“

چند لمحے خاموشی پر لوی نے سگریٹ سلاکر کہا۔ ”لیکن اسے کان کھول کر سن لو کہ تم مجھے سے عشق کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔“

”ہر گز نہیں... عشق کرنا میری خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ میرے والدین مررتے دم تک ایک دوسرے کو گالیاں دیتے رہے تھے۔ دادا صاحب کے متعلق بھی یہی سننے میں آیا ہے کہ وہ جس عورت سے شادی کرتے تھے اسے دوسرے ہی دن قتل کر دیتے تھے۔“

”پھر تمہارے باپ کہاں سے آئے تھے۔“ لوی بس پڑی، سگریٹ کا دھواں اس کے من میں تھا۔ لہذا وہ اس بے ترتیبی سے طلق کی طرف لوٹ گیا کہ اسے کھانی آنے لگی۔

”پتہ نہیں کہاں سے آئے تھے۔ میں نے اس کے متعلق کبھی غور نہیں کیا۔“

”مہر و...!“ لوی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں نے یہ بات مذاقا نہیں کی تھی۔ میں نے

چاہمکن ہے تم کسی غلط فہمی میں بٹلا ہو جاؤ۔ مجھے دراصل ان دنوں تم جیسے آدمی کی ضرورت ہے۔“

”ہاں! ہو سکتا ہے۔“ نوجوان نے لاپرواںی سے کہا۔

”تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈیٹھی کس قسم کے آدمی تھے۔ اب ان کی موت کے بعد بعض افراد مختلف قسم کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔“

”کیسی دھمکیاں!“

”ڈیٹھی نے خواہ کسی طرح بھی دولت جمع کی ہو۔ میں تو اس کی ذمہ دار نہیں۔ وہ دولت اتنا ہیری طرف منتقل ہوئی ہے تو کیا میں اس سے دستبردار ہو جاؤ۔“

”ہرگز نہیں۔“

”اوہر کسی نامعلوم آدمی نے دھمکیاں دینی شروع کی ہیں کہ میں اس مکان کو چپ چاپ خالی کے کسی دوسری عمارت میں منتقل ہو جاؤں ورنہ مجھے وراشت میں ٹلی ہوئی دولت کے پیشتر حصے محروم ہو جانا پڑے گا۔“

”واہ.... کمال ہے۔“

”میں جانتی ہوں کہ میرا ساتھ دینے والے یہاں کم ہی نہیں گے۔“

”کیوں؟ دولت سے تم سب کچھ خرید سکتی ہو۔“

”لیکن اکثر خریدی ہوئی چیزوں پر اعتماد کرنے کو دل نہیں چاہتا۔“

”مگر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”بہت کچھ کر سکتے ہو۔ وہ آدمی جو ہیری کے قرار خانے میں تباہوٹ مار کر سکتا ہو وہ کیا نہیں رکھے گا۔“

”خیر اگر تم مجھ سے کوئی کام ہی لینا چاہتی ہو تو میں تیار ہوں۔ ہاں.... کیا میں خود کو تمہارا لازم کھجوں۔“

”قطیٰ.... لیکن یہ رقم۔“ اس نے میز پر پڑی ہوئی نوٹوں کی گذیوں کی طرف اشارہ کیا۔

”سب سے پہلے آپ کا شکریہ ادا کرنا ہوں مادام۔“ نوجوان نے اٹھ کر قدرے جھکتے ہوئے لما پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ ”یہ رقم قطیٰ آپ کی ہے مطلب یہ کہ اس میں سے ساڑھے تین ہزار بیچہ ہیری کو کسی نہ کسی طرح واپس کر دیئے جائیں گے۔ اگر وہاں بے ایمانی ہوتے نہ دیکھتا تو

”اس شخص کا پتہ لگتا ہے جو مجھ سے یہ عمارت خالی کرانا چاہتا ہے کوں خالی کرانا چاہتا ہے۔ یہ بھی معلوم کرنا ہو گا اور یہ بلب.... اور ہندنے جو مجھے مستقل طور پر الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔“
”میا بلب خود بخور دش ہوتا ہے۔“

”ہاں.... قطعی اور جیسے ہی یہ بلب روشن ہوتا ہے ہندسے بھی متحرک نظر آنے لگتے ہیں۔“
”آپ نے اس مینٹل پیس کو توڑ کیوں نہیں دیا۔“

”نہیں! میں یہ نہیں کرنا چاہتی۔“
”یہاں کی ساری وائرنگ انڈر گراؤنڈ معلوم ہوتی ہے۔“ نوجوان نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں.... مشر کریک۔“ لوئی نے طویل سانس لی۔ ”ویڈی کو کئی قسم کے خط تھے۔ اس پوری عمارت میں کہیں بھی تمہیں بھل کے تارا و پر نہ ملیں گے۔ سب دیواروں کے اندر ہیں۔ لہذا میں نے سوچا کہ اگر اس مینٹل پیس کو توڑ بھی ڈالوں تو اس بلب کا سلسلہ معلوم کرنے کے لئے ساری عمارت کھو دی پڑے گی۔“

”ٹھیک ہے.....“ نوجوان سر ہلا کر بولا۔ ”خیر... ہاں.... یہ تو متائیے کہ وہ گناہ آدمی آپ کو دھمکیاں دینے کے لئے کون سا ذریعہ اختیار کرتا ہے۔“
”فون....!“

”مگر یہ مذاق بھی ہو سکتا ہے خیر! میں دیکھوں گا۔ اچھا باب اجازت دیجئے۔“

قتل

کرٹل فریدی۔ ہمار کو ایش ٹرے میں میل کر میز پر پھیلے ہوئے کاغذات سمینے لگا۔ ان پکڑ شاہد بھی کرے میں موجود تھا لیکن ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ بہت دیر سے خاموش بیٹھا ہو۔

”مشر شاہد۔“ فریدی نے کاغذات ایک طرف رکھ کر انہیں پیپر و یٹ سے دبایتے ہوئے کلد بھر شاہد کی طرف دیکھ کر بولا ”ان کاغذات سے اس کا کوئی چوت نہیں ملتا کہ وہ ان پکڑ میں اس اسرا راموات کے سلسلے میں نہ کار تھیز کی طرف متوجہ ہوا تھا۔“

”مجھ سے اسی حرکت ہرگز نہ سرزد ہوتی۔“
”بس اسی بناء پر میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ مطلب یہ کہ تم میرے ساتھ ایماند سے پیش آؤ گے۔“

”ہاں کسی حد تک۔“
”کیا مطلب....!“

”مطلوب نہیں ہے کہ اگر آپ مجھ سے کسی قسم کی بے ایمانی کرانا چاہیں گی تو میں ایمانداری سے پیش نہ آؤں گا۔“

”نہیں.... میں صرف اپنی حفاظت کرنے کی تاکل ہوں۔“
”بس پھر میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔“

”تم رہتے کہاں ہو۔“
”ہوشیں آر میان میں۔“

”نام ابھی تک نہیں بتایا۔“ لوئی مسکرائی۔
”نوول کریک۔“

”مکواں ہے.... ٹھیک تباو۔“
”لفظ کریک پر شاید آپ کو اعتراض ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ میرا خاندانی نام

میرے باپ کا نام ڈسیل کریک تھا اور دادا کا بالکل کریک۔“
”بالکل....!“

”ہاں.... وہ ولی تھے اس لئے نام بھی دیسی تھا۔“
”تم سخرے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتی۔ خیر میں تمہیں کریک تھیں کہوں گی مگر تم

میرے ساتھ قیام نہیں کرو گے۔ وہیں آر میان میں رہو۔ وہاں کے سارے اخراجات ہے ذمہ۔ تھنوا سے کوئی مطلب نہیں۔“

”مجھے حیرت ہے۔“
”کس بات پر۔“

”آخر مجھے کون سا کار نامہ انجام دینا پڑے گا۔“

”لیکن.... میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔“
”اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ انپکٹر پہلے ہی سے نگار تھیز میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن اس نے
محکم کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔ پھر ان اموات کی تفتیش باقاعدہ طور پر اسی کے سپرد کر دی گئی۔“

”لیکن اس نے محکمے کو مطلع کئے بغیر تفتیش کیوں شروع کر دی تھی۔“
”اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”خود میں نے بھی بعض اوقات یہی کیا ہے۔“
”گر کم از کم اس وقت تو اسے محکمے کو مطلع ہی کرنا چاہئے تھا جب کیس باقاعدہ طور پر اس
کے سپرد کیا گیا تھا۔“

”ہاں.... آں.... خیر میں دیکھوں گا اچھا.... وہ تکین کر گیک کام عالملہ رہی گیا۔“
”وہ کئی لوگوں اور ان شور نش کپنیوں کا حصہ دار تھا۔ لگہریوں کی فارم والے مقدمے کے بعد
سے اس نے خود اپنی ذمہ داری پر کوئی بزنس نہیں کیا تھا۔ اب اس کی وارث ایک لاکی ہے۔ لوگی
کریگ وہ بڑی بے دردی سے کریگ کی دولت صرف کر رہی ہے اور اسے کبھی بھلے آدمیوں کے
ساتھ نہیں دیکھا گیا۔“

”یہ ساری معلومات میرے لئے بیکار ہیں۔“
”پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی اس طرح سر ہلا کر مسکرا یا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ لیکن
پھر اس نے شاہد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں نے کہا تھا کہ میں آپ کے مددگار کی
بیانیت سے کام کروں گا لیکن اب لے آپ ہی کو تکلیف دے رہا ہوں۔“
”ارے.... نہیں جتاب۔ میں تو آپ کا خادم ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی کے طفیل آگے
بڑھ سکوں۔“

”وراٹھر یے۔“ فریدی اٹھ کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اموات کے متعلق تفتیش کے دوران
آپ نے اس کا خیال تور کھا ہی ہو گا کہ مرنے والوں کا آپس میں تعلق دریافت کر سکیں۔“

”جی ہاں.... لیکن مجھے اس سلسلے میں مایوس ہی ہوئی تھی۔“
”یعنی....!“

”وہ کبھی ایک دوسرے سے بے تعلق ثابت ہوئے تھے۔“

”لیکن اس نے مجھے کو یہی رپورٹ دی تھی۔“ شاہد نے کہا۔
”پھر ان کا غذات میں اس کا تنڈر کہہ کیوں نہیں ہے۔ یہ اسی کے ہاتھوں کے مرتب کے ہوئے ہیں
”جی ہاں.... میں تو اور یہ اس کی موت کے بعد اس کے سوٹ کیس سے برآمد ہوئے تھے
”ان اموات کے متعلق کس نے چھان میں کی تھی۔“
”میں نے۔“ شاہد نے جواب دیا۔
”یعنی سب سے پہلے آپ ہی کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی تھی۔“
”جی ہاں۔“

”لیکن آپ صرف فائیلوں ہی تک محدود رہے۔“ فریدی مسکرا یا۔
”میں نہیں سمجھا۔“
”مطلوب یہ کہ تفتیش اس انپکٹر نے شروع کی تھی جو نہ اسرا ر طور پر نگار میں کام آیا۔“
”جی ہاں! تفتیش اسی کے سپرد کی گئی تھی۔“

”آپ نے اپنی تفتیش مکمل کر کے مرنے والوں کی لسٹ کب پیش کی تھی۔“
”گیارہ اگست کو۔“

”اور اس کے بعد ہی اس انپکٹر نے تفتیش شروع کی تھی؟“
”جی ہاں ظاہر ہے۔“
”مگر مشرٹ شاہد.... ان کا غذات پر.... مگر شہر یے۔ کیا آپ انہیں دیکھے چکے ہیں۔“
”جی نہیں.... یہ تو آپ کو براہ راست پر نہنڈٹ صاحب سے ملے ہیں۔“
”اوہ.... شاید اسی لئے مجھے یہاں طلب کیا گیا ہے۔“
”میں نہیں سمجھا جناب۔“

”یہ کا نہذات روز ناچی کی شکل میں ہیں اور ان پر گیارہ اگست سے پہلے کی تاریخیں ہیں۔“
”نہیں....!“ شاہد کے لہجے میں حیرت تھی۔
”جی ہاں.... بہت پہلے کی تاریخیں یعنی یہی موت سے پہلے کی تاریخیں۔“
”میرے خدا.... شاہد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔“
”جی ہاں.... گیارہ اگست تو آخری موت سے بہت بعد کی تاریخ ہے۔“

”آپ کو یقین ہے۔“

”جی ہاں.... اپنی تفیش کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔“

”چلنے ٹھیک ہے۔“ فریدی سرہلا کر بولا۔ ”اب ہم کیس کے متعلق گفتگو میں ختم کر

ہیں۔ کچھ دوسرا باتیں سمجھئے۔“

”دوسرا باتیں۔“

”ہاں! ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول جائیں کہ ہمارا تعلق محکمہ سراج رسانی سے ہے یا دونوں ایک، دوسرے سے بے تکلف نہیں ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا جناب“ شاید یہ بیک بوکھلایا ہوا سانظر آنے لگا۔

”ادہ.... کچھ نہیں۔ کبھی کبھی معمولات سے دل آکتا جاتا ہے۔“

شہید نے کیپن حید کی طرف دیکھا جو آرام کری میں پڑا ہوا منہ پر اخبار رکھے غالباً سورہ احمدیا حید صاحب کچھ علیل ہیں۔“ اُس نے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔“ فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ پھر خود اسی نے ادھر ادھر کی باتیں دیں اور ذرا ہی سی دیر میں شہید کھل گیا۔ اب وہ نصیر آباد کے نائنٹ کلب کو کاتد کرہ لے بیٹھا تھا۔

”آدمی کے لئے کتنی الجھنیں اور جھنجھٹ ہیں۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”میں تو کہتا ہوں اگر نصیر میں نائنٹ کلب نہ ہوتے تو میں بے موت گیا ہوتا۔“

”لیکن میں کہتا ہوں۔“ حید اخبار چھینک کر سید حامیؒ گیا اور تھوڑے توقف کے رہ بولا۔ ”اگر میں نہ ہوتا تو ساری دنیا کے نائنٹ کلب ویران ہو جاتے۔“

”اس میں کیا شک ہے۔“ شہید مسکرا کر بولا۔

”مگر نصیر آباد کے نائنٹ کلب۔“ حید ما یوسانہ انداز میں سرہلا کر بولا۔ ”دو کوڑی کے نہیں ہیں۔“

”آپ دارالحکومت سے آئے ہیں۔ ظاہر ہے وہاں کے معیار اور بیان کے معیار میں ز آسمان کا فرق ہو گا۔“

”حالانکہ زمین و آسمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صد بہاں بعد گلبے نے ثابت کیا زمین گول ہے ہو سکتا ہے مزید صد بہاں گذر نے پر آسمان بھی گول ہو جائے۔“

”ہم نصیر آباد کے نائنٹ کلب کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔“ فریدی نے شہید کو ٹوکا اور یہ کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچا چا جائے گا۔

حید نے پھر اخبار سے چورہ ڈھاک کیا۔ فریدی اور شہید کے درمیان نائنٹ کلب کے فائدہ اور نہادت پر گمراہ بھیشیں ہوتی رہیں۔

پھر کچھ دیر بعد شاہد اٹھ کر چلا گیا۔

اور حید نے چورے پر سے اخبار ہٹا کر ایک طویل انگرائی لی۔ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا پھر لا۔ ”آج میں نے پہلے بیہل آپ کو وقت برہاد کرتے دیکھا ہے۔“

”نہیں تو....!“ فریدی مسکرا یا۔ ”میں نے وقت نہیں برباد کیا۔“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیس کے متعلق گفتگو کرتے کرتے ادھر ادھر کی باتوں پر اتر آتا قسم کی عقل مندی ہے۔“

فریدی پھر مسکرا یا اور آہستہ سے بولا۔ ”تم بھی ادھر ادھر کی باتیں کرو۔ میں اس کیس کا نام انسنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”آ..... ہم..... تو میں ادھر ادھر کی باتیں کروں۔ اچھا سنئے تو ادھر کی باتیں یہ ہیں کہ ہم گی بھر کھیلیاں مارتے رہ جائیں گے اور ادھر کی باتوں کا کیا پوچھنا۔“

یعنے اٹلتے میکدے اور ہونت پیانوں کے لب

ٹخنوں پر بھتی جا ٹھیس ہنستا ہےتا ہے بے سب
لہنگوں کی بہروں کے تلے مکھن سے پاؤں رقص میں

پگنڈنڈیوں کے اسٹر ف گاگر کی چھاؤں رقص میں
اور بہت سی باتیں.... بقول قاسم الام قسم حید بھائی! اگر نرس سین نہ ہوتی تو میں پیدا ہونے

اٹھا کر دیتا۔“

”غایاں....!“ فریدی مسکرا یا۔ ”اب اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ادھر ادھر کی باتوں میں

لہیشہ نہ گا ہو جاتا ہے۔ یعنی تمہاری روح اور فرشتے ادھر ادھر کی باتوں میں لازمی طور پر ظاہر جائیں گے.... تم.... ادھر ادھر کی باتوں میں غیر شوری طور پر اپنے کردار کی جھلکیاں ملائے چاؤ گے۔ میں دراصل اس وقت یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شہید کس قسم کا آدمی ہے۔“

”ان کاغذات سے جو آپ نے مجھے دیئے تھے۔“
”مگر ان میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ ان میں اپنی روزانہ کی مشغولیات
کے متعلق لکھتا ہے۔“

”کیا حقیقتاً آپ کو ان میں کچھ نہیں نظر آیا۔“
”نہیں ان میں تو کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ یقین تھا۔ میری دانست میں وہ کسی رومان پر سمت
ی کی ڈائری کے اور اسی ہیں، جو تھیز کی رومان پر در فضاء متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں، لیکن وہ
پکڑا یا آدمی نہیں تھا۔“

”لیکن آپ کو احساس تھا کہ شاہد نے وہ رپورٹ نیک نتیجے سے نہیں پیش کی۔“
”ہاں مجھے اس رپورٹ کے متعلق شہادت تھا۔“
”کیوں؟“

”میں شاہد کی طرف سے کبھی مطمئن نہیں رہا۔“
”کیا کبھی اس کے خلاف تحقیقات بھی کرانی تھی۔“

”نہیں اس کے خلاف کبھی ثبوت نہیں مل سکے لیکن یہ ضرور دیکھا گیا ہے کہ وہ خود سے اگر
امکنے میں باٹھ لگاتا ہے تو سو فیصد اپنے ہی قائدے کو مد نظر رکھ کر.... ورنہ عام حالات میں
ماں کی آنکھوں کے سامنے جراحت ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ اس وقت تک کسی معاملے میں دغل
بل دیبا جب تک کہ جھے کی طرف سے ہدایت نہ ملے۔“

”خیر.... ہم رات کو آٹھ بجے مل رہے ہیں۔ فون پر گفتگو کو طول نہیں دیا جاسکتا۔“ فریدی
نے کہا اور رسیور کھو دیا۔

دوسری طرف دیر آج کی ڈاک رکھ گیا اور حیدر اسے دیکھ رہا تھا۔ دفاترہ پالگوں کے سے
واڑ میں آواز میں اتار چڑھاؤ پیدا کئے بغیر ایک جگہ پڑھنے لگا۔
”ڈسِرِ بابا.... ڈسِرِ انکل.... میں یہاں تھا نہیں رہ سکتی۔ بہت شدت سے بور ہو رہی ہوں۔
ذالم نے فیصلہ کیا ہے کہ اتوار کو نصیر آباد پہنچ جاؤں نیلم۔“

فریدی سگار کا گوشہ توڑ رہا تھا اس نے حیدر کی طرف دھیان نہیں دیا۔
”میں کہتا ہوں آخر سے ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔“ حیدر میز پر باٹھ مار کر بولا۔

”اوہ.... مگر کیوں؟“ حیدر یک بیک سخنیدہ ہو گیا۔
”میں اسے قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔“
حیدر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بھی اور فریدی نے ہاتھ پڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔
”ہیلو.... کرٹل۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
”کون صاحب۔“
”قاروئی۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ ”میا آپ نے کاغذات دیکھ لئے۔“
”جی ہاں۔“
”کیا خیال ہے۔“
”فی الحال کوئی خیال نہیں ہے۔ ویسے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ شاہد پر اعتماد کر
ہیں یا نہیں۔“

”کیوں....!“
”کیونکہ وہ مجھے فراؤ معلوم ہوتا ہے۔“
”اوہ....!“
”اور مجھے یقین ہے کہ نگار کے مخزنے نے آپ کے علم میں لائے بغیر کامنہ شروع کیا ہوگا۔
”سمال ہے.... آخر آپ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے۔“
”کوئی خاص بات نہیں ہے اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو آپ اس کے مرنے کے بعد اس کی
تفصیل شاہد کے سپرد نہ کرتے۔ حالانکہ آپ کو ان اموات کے متعلق شاہد کو تفصیل جاری
وینا چاہیے تھا۔ مگر آپ نے ان کی تفصیل بھی مرنے والے کے سپرد کی تھی۔“
”وہ تو پہلے ہی سے اس فکر میں تھا اسی لئے....!“
”نہیں جناہ۔“ فریدی بولا۔ ”وہ ان اموات کی فکر میں نہیں تھا۔“
”پھر....!“

”یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے۔“
”کرٹل....!“ قاروئی کی آواز کپکار ہی تھی۔ ”آپ واقعی حرث انگیز صلاحیتوں کے
بیں، مگر آپ نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا کہ وہ ان اموات کی فکر میں نہیں تھا۔“

سے اٹھ کر گیا تھا۔
کسی نے اس پر خبر سے حملہ کیا تھا اور ہاتھ اتنا بچاتا تھا کہ کسی نے شاہد کی آخری جنگ بھی ن سی تھی یا پھر قائل کو اطمینان تھا کہ کوئی داخل انداز نہ ہو سکے گا۔ دونوں ہی صورتیں حیرت بڑھیں۔ لاش اتفاقاً قادریافت ہوئی تھی اگر وہ پیشاب خانہ استعمال نہ کیا جاتا تو لاش وہیں پڑی تی اور کسی کو علم بھی نہ ہوتا کہ ریجست جیسے بھرے پرے ہوئیں میں بھی دن دہائے قتل کی دات ہو سکتی ہے۔

ڈیڑھ بجے حمید جلا کر اٹھا اور باہر جانے کے لئے کپڑے پہنے لگ۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت یہی کمرے میں داخل ہوا۔
”کیوں! تم کہاں چلے۔“

”ایک روپورٹ درج کرنے جا رہا تھا۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”ایک آزری کرنی چرخات کا کھانا بھول گیا ہے، لہذا جمال کہیں بھی ملے، اُسے رات کا کھانا ضرور کھلایا جائے کیونکہ اُتری ریکیپشن و پہر سے بھوکا ہے۔“

”تم نے کیوں نہیں کھایا کھانا۔“

”کھانے کی بات نہیں ہے یہ بکواس تو اس حقیقت کی طرف اشارہ تھی کہ میرا دماغ ماذف کیا ہے۔“

”کیوں....؟“

”میں کرکٹ فریدی کے اسٹینٹ کے بجائے کسی شریف آدمی کی یہہ معلوم ہوتا ہوں، جو رات آپرولے گھر میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔“

”بکار باشیں نہ کرو۔“ فریدی نے کوٹ امدادتے ہوئے کہا۔ ”تم اس وقت کہیں نہ جاسکو گے۔“

”کیوں؟ میں کمزور میں بند ہو کر بیٹھنے نہیں آیا۔ آخر آپ مجھے بہیں ٹھہرنے کو کیوں کہہ لختے۔“

”میا تمہیں بے کار بیٹھنا پڑا تھا۔“

”نہیں.... کھیاں مارتا کام بھی ہے اور شغل بھی۔“
”فاروقی کی طرف سے تمہیں کوئی پیغام نہیں ملا۔“

”اتقی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ کسی یتیم خانے کے سپرد کر دی جاتی۔“ فریدی نے جواب دیا
”آپ جانتے ہیں کہ آپ کے اس روایہ کے خلاف کیا چہ میگویاں ہو رہی ہیں۔“
”مجھے اتنی فرستہ ہی نہیں ملتی کہ چہ میگویاں پر غور کر سکوں۔“

”آپ بد نام ہو رہے ہیں۔“

”لیکن میرا وزن ایک اوپس بھی کم نہیں ہوا۔“

”ارے تو کیا وہ یہاں آکر بھی بور کرے گی۔“ حمید جلا کر بولا۔

”جبوری ہے کیونکہ وہ مجھے انکل کہتی ہے اور تمہیں بایا۔“ فریدی مسکر لیا۔

”میرے خدا...!“ حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”یعنی یہ آپ کا آخری فصل ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے ہی ساتھ رہے گی۔“

”کم از کم اس وقت تو یقینی طور پر زہر ہے گی جب تک کہ اس کیلئے کوئی اچھا شوہرن مل جائے۔“

”تب تو کوئی بات نہیں ہے۔“ حمید مختنڈی سانس لے کر بولا۔ ”میں ایک ماہ کی چھٹی لے کر اُس کے لئے کوئی اچھا شوہر مل جاؤ گا۔“

اچانک ایک ویٹر بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

”صاحب۔“ وہ تیری طرح ہانپتا ہوا بولا۔ ”نہیں.... کسی نے قتل کر دیا جو... ابھی آپ کے پاس آئے تھے۔“

”کیا.... کون۔“

”وہ جو ابھی یہاں سے گئے تھے۔“

”شاہد....!“ فریدی کی آواز میں تحریر تھا۔

شاہد کا راز

حمدید نے گھری کی طرف دیکھا۔ بارہ نج پچے تھے۔ لیکن فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ اسی وقت سے غائب تھا جب شاہد کی لاش ریجست کے ایک پیشاب خانے سے انھوں نے گئی تھی۔ حمید نے بھی لاش دیکھی تھی اور اسے یقین نہیں آیا تھا کہ یہ وہی شاہد ہے جو کچھ دیر پہلے ان کے

”نہیں....!“ حید نے ناخو شکوار لجھے میں کہا اور بیٹھ گیا۔

فریدی نے کوٹ بیگر پر ڈالتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا اور چہرے پر تشویش کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔ حید اسے بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”
نے تو خود ہی فاروقی سے ملنے کا وعدہ کیا تھا پھر پیغام کیا۔“

”تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ وہ فاروقی نہیں تھا جس سے فون پر گفتگو ہوئی تھی۔“
”نہیں....!“

”ہاں.... فاروقی نے اس سے لاعلی ظاہر کی ہے۔“

”مگر پھر اس نامعلوم آدمی کو اس کا علم کیسے ہوا کہ آپ کو کچھ کاغذات فاروقی سے ملے ہیں
”شہد کے قتل کے بعد یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے قتل میں جس کا
ہاتھ ہے اسے شہد ہتی سے کاغذات کے بارے میں معلوم ہوا ہو گا اور شہد کا قتل بھی اسی لئے
میں آیا کہ میں نے اس پر شبہ ظاہر کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ فون دراصل اس لئے کیا گیا تھا کہ
کاغذات کے متعلق میری رائے معلوم کی جاسکے، لیکن میں شہد پر شبہ ظاہر کر بیٹھا لہذا ظاہر ہے
”تو یہ شہد مجرموں سے ملا ہوا تھا۔“

”یعنی طور پر.... ورنہ قتل کیوں کیا جاتا۔ خیر بہر حال اب اسے ثابت کرنے کے لئے
جنماں کی نہیں کرنی پڑتے گی کہ شہد کس قسم کا فراہد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔“

”وزرا نہ ہریے.... یہ بھی ممکن ہے کہ شہد کو کسی غیر متعلق آدمی نے قتل کیا ہو۔ فو
گفتگو کرنے والے کو صرف کاغذات کے متعلق آپ کا نظریہ معلوم کرنے کی فکر رہی ہو۔“

”تمہارا خیال درست بھی ہو سکتا ہے لیکن یہاں تو صرف اس سے بحث ہے کہ ان اموں
کے بارے میں شہد کی روپورٹ صحیح تھی یا غلط۔ اگر صحیح تھی تو خیر کوئی بات نہیں، لیکن اگر غلط
تو اس کا مقصد کیا تھا۔“

”لیکن یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ روپورٹ غلط ہی تھی۔“
”قتل کے بعد کی تفہیش کا ماحصل یہی ہے۔ میں نے ان گواہوں سے پوچھ گچھ کی تھی؟
تنکرہ شہد کی روپورٹ میں تھا۔“

”کیسے گواہ۔“

”وہ گواہ جن کے بیان کے مطابق مرنے والوں کا تعلق نگار تھیز سے ثابت ہوتا ہے۔ میں
ان گواہوں پر یہ ظاہر کر دیا تھا کہ شاہد قتل کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ ان اموات کے سلسلے میں
بیش کر رہا تھا۔ یقین کرو کہ ان سکھوں نے چھوٹتے ہی یہی کہا تھا کہ چلو جان پچی۔“
”کیا مطلب....!“

”وہ بنائے ہوئے گواہ تھے۔ انہیں مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اس فرضی شہادت پر قائم رہیں کہ
ن آدمی کو فلاں وقت نگار تھیز سے نکلتے دیکھا گیا تھا۔“

”مگر اس لمبی چڑی فہرست میں ایک نام ایسا بھی ہے جو نگار تھیز سے واپسی ہی پر مرا تھا۔“
”کون....!“

”کیپٹن سام کر گیک نگار سے واپسی پر وہ سیدھا مون لٹ ناٹ کلب گیا تھا۔ وہاں اس نے
ب دیڑ کو شراب کا آرڈر دیا اور جب دیڑ شراب لایا تو اس نے دیکھا کہ کیپٹن سام کر گیک مر پڑا
ہے۔ ہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مرنے والوں کی لٹ میں صرف سام کر گیک ہی کا پوست
ٹم ہو سکتا تھا کیونکہ شاہد کی تفہیش کی گاڑی اسی کی موت کے بعد سے چلی تھی۔“

”تو پھر جس نے فون کیا تھا۔“

”اُسے فی الحال اس معاملے سے الگ ہی رکھو۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں صرف یہ دیکھنا چاہتا
ہوں کہ شاہد نے یہ کیس کیوں بنایا تھا۔“

”مگر کیا آپ فاروقی کی آداز فون پر نہیں پہچان سکتے تھے۔“

”میا تم نے کل یہ نہیں محسوس کیا تھا کہ فاروقی کی آداز کام کی وجہ سے بھاری ہو رہی تھی۔
ل کرنے والے نے اسی سے فائدہ اٹھایا اور خالص قسم کی زکایی آداز میں مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔
یہ بھی بعض اوقات فون پر مختلف قسم کی آدازوں میں تمیز نہیں کی جاسکتی۔“

”مگر سننے تو.... وہ اسکے جو مخترے کے روپ میں نگار تھیز سے متعلق تھا اس کے روز ناچے
کے کاغذات میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔“

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ”اس
کے باوجود بھی کسی نے ان کا گذشتہ کے متعلق میری رائے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”ملکن ہے کا گذشتہ اس کی نظر وہ سے گذرے ہی نہ ہوں۔“

فریدی نے پھر بھی جملہ دہرا لیا۔
”میں نہیں سمجھ سکا۔“ فاروقی نے بے بھی سے کہا۔
”نگار میں متعلق اموات کی روپورٹ شاہد ہی نے پیش کی تھی۔“
”جی ہاں۔“

”بھر آپ نے اس کی تفہیش اسی کے سپرد کیوں نہیں کی تھی۔“
”اس نے خود ہی باقاعدہ طور پر یہ کیس لینے سے انکار کر دیا تھا۔“
”کیوں؟“

”محنت کی خرابی کا بہانہ کیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ میڈیکل گرواؤنڈ پر دو ماہ کی چھٹی لے گا اور ان ٹھہریے..... یہ حقیقت ہے کہ وہ انپکٹر پہلے ہی سے نگار میں کام لکر رہا تھا اور اس کی اطلاع بھی شاہد ہی نے دی تھی۔ ویسے وہ انپکٹر رخصت پر تھا اور آفس کو اس کی اطلاع نہیں تھی کہ وہ یا کر رہا ہے، بہر حال میں نے اُسے طلب کیا۔ پہلے تو اُس نے کہا کہ اس کی رخصت کا مقصد یہی فنا کر دے اسی تجویز حاصل کرے، لیکن جب شاہد کی روپورٹ اس کے علم میں لائی گئی تو اُس نے نہ کہا کہ وہ بھی اسی چکر میں تھا۔ کیوں نہ یہ کیس باضابطہ طور پر اس کے سپرد کر دیا جائے لہذا بھی کیا گیا۔“

”ہوں.....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”لیکن..... آخر.... شاہد کو کس نے قتل کر دیا..... کیوں قتل کر دیا۔“ فاروقی بڑھ کر بڑھ لیا۔
”قتل سے کچھ دیر پہلے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے فون پر اس نامعلوم آدمی سے کہا تھا شاہد ناقابل اعتماد اور پکا فراڈ ہے۔“
”یہ آپ نے کیوں کہا تھا۔“ فاروقی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”میں نے اس لئے کہا تھا کہ یہی حقیقت تھی۔“ فریدی نے کہا اور فاروقی کو بتانے لگا کہ کس طرح فرضی گواہوں کی مدد سے شاہد نے روپورٹ تیار کی تھی۔

”میرے خدا.....!“ فاروقی اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“

”اوہ میری نظر وہ میں وہ انپکٹر صاحب بھی مشتبہ ہیں، جو نگار میں ایک مخرب کی حیثیت

”اگر یہ بات تھی تو اُسے کاغذات کا علم کیسے ہوا۔“
”فرض کر لیجئے شاہد ہی اس کی معلومات کا ذریعہ ہو۔“
”ایسی صورت میں اُسے یہ کام شاہد ہی پر چھوڑ دیا جائے تھا۔ یعنی وہ شاہد ہی کے ذریعہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ ان کاغذات میں کیا تھا۔ نہیں حید صاحب! اگر شاہد ہی سے ان کاغذات کا تذکرہ کیا ہوتا... ٹھہرداشایہ کوئی آرہا ہے۔“
”وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ قدموں کی آہٹ دروازے کے پاس رک گئی تھی۔ دوسرا لمحہ میں کسی نے دستک دی۔“

”آبااؤ...!“ فریدی نے کہا۔ دروازہ کھلا اور نصیر آباد برائی کا سپرینٹنڈنٹ فاروقی (کم میں داخل ہوں۔

”اوہ.... آپ....!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔
”ترحیف رکھئے.... ترحیف رکھئے۔“ فاروقی مفتربانہ انداز میں ہاتھ ہلاکر بولا اور خود کے گوشے پر نکل گیا۔

”یہ آپ نے اس وقت فون پر گفتگو کے متعلق کیا پوچھا تھا۔“ اس نے فریدی کو گھور ہونے لگا۔

”کسی نے آپ کے زکام سے ناجائز فاکدہ اٹھایا تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
”ویکھئے اس وقت میں بہت پریشان ہوں، مجھ سے خوش مزاجی کی توقع نہ رکھئے۔“
”میں خود بھی حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ خوش مزاجی ظاہر کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا مجھے کسی نے بھرائی ہوئی سی آواز میں آپ کے نام سے گفتگو کی تھی لہذا میں دھوکا کھا گیا۔ اس نے کاغذات کے بارے میں میری رائے معلوم کرنی چاہی تھی۔“
”اوہ....!“

”کیا شاہد کی موت کے اسباب آسمانی سے معلوم ہو سکیں گے۔“ فریدی نے موضوع بدل۔
”خدا جانے مجھے بھی حیرت ہے۔“

”میا آپ شاہد پر اعتماد کرتے تھے۔“
”میا مطلب....!“ فاروقی چونکہ پڑا۔

سے کام کرہے ہیں۔

”اس کے خلاف کیا چارج ہے۔“

”فی الحال میں اس کی وضاحت نہ کر سکوں گا۔ اس وقت کا انتظار تکمیل جب میرا شیری یقین سے بدل جائے۔“

”نصری آباد برائی کی تاریخ میں یہ پہلے واقعات ہیں۔“ فاروقی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”اس انپکٹر کی ڈائری کے اوراق کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“

”پچھے بھی نہیں۔“ فاروقی بولا۔ ”میری دانست میں وہ بالکل لغو اور محکمے کے لئے لایعنی ہیں۔“

”میا شاہد کو ان کا غذات کا علم تھا۔“

”نہیں۔ میں نے اسی وقت تہیہ کر لیا تھا کہ مرکز کو آپ کے لئے لکھا جائے۔ لہذا میں نے کیس شاہد کے سپرد کر دیا تھا، لیکن اس انپکٹر سے متعلق جتنی بھی چیزیں تھیں وہ خصوصیت۔“

”آپ کے لئے رکھ لی گئی تھیں اور ان کا تمذکرہ کسی سے بھی نہیں کیا گیا تھا۔“

فریدی کچھ سوچ رہا تھا.... اور حمید بھی کام کرے سے جاپا تھا۔

مینٹل پسیں،

صح خونگوار تھی۔ لوگی نے بستر سے امتحنے وقت یہی محسوس کیا تھا۔ حالانکہ بچھلی رات اور کثرت سے شراب پی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی اسے صح خونگوار معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر عقبی کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آنکھوں کی سطح سے تکرایا اور اسے اس محسوس ہوا جیسے وہ ٹھنڈک اس کی روح میں اترتی چلی گئی ہو۔

بچھلی رات کے تجربات اس کے ذہن پر اپنے دھندلے سے نتوش چھوڑ گئے تھے اور وہ اس وقت اس پر اسرا جنی کی شکل یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس نے کافی رات گئے تک اسے اپنی انوکھی باتوں میں الجھائے رکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ یقیناً کوئی فلکت تھا اور اس سے ال طرح تعارف حاصل کر کے غالباً قریب ہونا چاہتا تھا۔

اس نے میز کی طرف ہاتھ بڑھا کر سگریٹ کے ڈبے سے ایک سگریٹ نکلا اور اس

ہوتوں میں دبا کر شاید سلکانا بھول گئی۔ وہ مسلسل اُسی نوجوان کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ اس نے ہر طرح خود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ کوئی فراؤ تھا اور اس طرح اُسے اپنے جال میں چاہنے کر اُس کی دولت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی نظر گول میز کی طرف بھی اٹھ جاتی جس پر اب بھی نوٹوں کی گذیاں پڑی ہوئی تھیں۔

سگریٹ کو ہوتوں سے نکال کر اُس نے میز پر ڈال دیا اور الماری کھول کر شیری کی بوش ٹھالی کیونکہ اُسے اپنے حلقوں میں پھند اسما محسوس ہو رہا تھا۔ چوتھائی ٹھالی شیری حلقوں میں اٹھ لینے کے بعد اس نے سگریٹ سلکایا۔

باہر لان پر سورج کی پہلی کرن گلابی رنگ کی چپکاری ہماری تھی اور رکھوائی کے اسی شیئن اس انداز میں زبانیں نکالے ہاپ رہے تھے جیسے انہیں کی محنت نے سورج کو طلوع ہونے میں مدد دی ہو۔

سگریٹ کے دو تین کش لینے کے بعد اس نے اپنے باہر اچھال دیا اور صبح کی چائے کے لئے کھٹنی بھائی۔ چائے کا انتظار وہ کھڑکی ہی پر کھڑی ہو کر کرنا چاہتی تھی۔

دفعہ اس کی نظر چھانک کی طرف اٹھ گئی۔ ایک آدمی باہر سے چھانک کھولنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ اس کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ وہ دودھ والا معلوم ہوتا تھا اور نہ اٹھے روٹی والا۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ وہ نوکروں میں نے کسی کاملاً قاتلی ہو کیونکہ اس کے جسم پر بہترین رہاں کا سوٹ موجود تھا اور گلے میں ٹائی بھی تھی۔ موچھیں کھنی اور سیاہ تھیں۔

چوکیدار نے چھانک کھول دیا۔ لوگی اُسے چوکیدار سے گفتگو کرتے دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ چوکیدار کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر لوگی نے اُسے روشن پر چل کر پورچ کی طرف آتے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ اسی سے ملنا چاہتا ہے.... مگر اتنے سویرے.... لوگی کے ہونٹ سکڑ گئے۔ وہ ابھی اس وقت کسی سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔

ٹانڈہ مہ چائے کی کشتمی لائی اور میز پر رکھ کر چل گئی۔

چائے اٹھ لیں کر لوگی دوسرا سگریٹ سلکانے لگی، لیکن ٹھیک اُسی وقت باہر سے بھاری ٹھوموں کی آواز آئی۔ پھر دروازے کا پردہ ہٹا اور بڑی موچھوں والا اجنبی اس کے سامنے تھا۔

لوگی سگریٹ بچینک کر کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

”آپ سمجھتی ہیں نا... بس یہی کافی ہے۔ دیے اب مجھے بھی علم ہے کہ پوست مارٹم کی پورٹ میں کثرت شراب نوشی ہی حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ ثابت کی گئی تھی۔“
”تو تم نے پچھلی رات ہی سے کام شروع کر دیا ہے۔“

”ہاں مادام...!“
”تم حق مجھ عجیب ہو۔ عجیب ترین۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے پریشان کرنے والا ڈیڑھی کی موت کے ذمہ دار ہیں۔“

”کیا یہ ممکن نہیں ہے۔“
”ممکن ہے۔“

”پھر ایسی صورت میں جب کہ مجھے کام کرتا ہے میں ان لوگوں پر اپنی اصلی خلکل کیوں ظاہر کروں۔“

”ٹھیک ہے مگر میں تمہیں آواز سے بھی نہیں پہچان سکی تھی اور اب تمہاری آواز اس آواز سے مختلف ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہی آواز تمہاری اصلی آواز ہے کیونکہ پچھلی رات یہی آواز تھی۔“
”آپ آوازوں کے چکر میں نہ پڑیے۔ ضرورت پڑنے پر میں گدھے کتے کی آواز میں بھی گفتگو کر سکتا ہوں۔ خیر لیکھئے... یہ میٹنل پیس والا بلب اور ہندسے مجھے بالکل ناپسند ہیں۔ انہیں کسی طرح چھپانے کی کوشش کیجئے۔“
”کیوں...!“

”بس یو نہیں... اب تو خواب گاہ عومنا کھلی ہی رہتی ہو گی۔“

”نہیں... میں یہاں سے جاتے وقت سے مغلول کرنا نہیں بھولتی۔“

”لیکن ملازم تو اندر آتے ہی ہوں گے۔“

”ہاں... وہ تو آتے ہی ہیں۔“

”اگر ان کی موجودگی میں کبھی بلب جل اٹھا اور ڈائیل پر ہندے متحرک نظر آنے لگے تو یہ داستان تمام پھیل جائے گی۔“

”پھیل جائے۔“ لوگی نے لاپرواٹی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔
”نہیں اسے اتنا غیر اہم نہ سمجھئے۔ ہو سکتا ہے کیپشن سام کر گیک اس کمرے کو اسی لئے مغلول

”کس گدھے نے تمہیں یہاں آنے دیا ہے۔“ وہ حلق کے مل چکی۔

”گدھا کوئی نہیں ملا، ورنہ میں اسی پر بیٹھ کر آیا ہو تاکہ آپ کا چوکیدار اونچا سنتا ہے۔ اس کے کانوں مک مٹھے لے جانے کے سلسلے میں ایک گدھے کی اوپجائی کافی ہوتی۔“

”گٹ آؤٹ.... یور لیکل....“ لوگی دانت پیس کر چھپتی۔ ”ورنہ دھکے دے کر نکال دیے جاؤ گے۔“

”یہ میرا اپنا مقدر ہے، اس کے لئے بھی آپ کو قوشیں تھے ہوئی چاہئے۔“
لوگی نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”ٹھہریے...!“ بھنٹی نے بھاری آواز میں کہا۔ ”تو کروں کو بلا نے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے پچھلی رات مجھے بھیث پر ایسویٹ سیکریٹری ملازم رکھا تھا۔ اس لئے میں نے اس کی جہارت کی، ورنہ بھلاکوئی شریف یادی کہیں اس طرح جاتا ہے۔“

”اوہ...!“ لوگی بے سده ہو کر کرسی میں گر گئی۔ وہ بھنٹی پھٹی آنکھوں سے آنے والے کو دیکھ رہی تھی۔

”تم... تم...!“ وہ مسکرانی۔ ”مگر تم... کیا یہ میک اپ...!“
”لیں مادام...!“ بھنٹی نے قدرے جھک کر کہا۔

”تم حق مجھ کریک ہو مسٹر کریک۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔“

”قطعی ضرورت تھی مادام... اس طرح میں نہایت اطمینان سے کام کر سکوں گا۔“

”شو... کیا تم نے جاسوسی ناول بکثرت پڑھے ہیں۔“ لوگی نے نہ اسامنہ بننا کر کہا۔
”ہاں... مادام... آپ کا خیال درست ہے لیکن آپ حالات کی نوعیت پر غور کئے بغیر میرا مذاق نہیں اڑا سکتیں۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں ہر لحاظ سے بہتر کر رہا ہوں۔ آپ اس سے لامع ہیں کہ آپ کن خطرات میں گھری ہوئی ہیں۔ کیا آپ بھول گئیں کہ کیپشن سام کر گیک کا موت پر اسرار حالات میں ہوئی تھی۔“

”مگر پولیس کے لئے تو وہ صرف ہارٹ فلیو رکا کیس تھا۔ میں اُسے نہ اسرار ہی سمجھتی ہوں کیونکہ ڈیڑھی کبھی اتنی زیادہ نہیں پیتے تھے کہ پینے کی وجہ سے ان کے قلب کی حرکت بند ہو جاتی۔“

رکھتے رہے ہوں کہ ان چیزوں پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔“
”ہو سکتا ہے کوئی اور وجہ رہی ہو۔“

”کوئی اور وجہ نظر آئی تھی آپ کو۔“ سیکریٹری نے پوچھا۔
”نن.... نہیں۔“ وہ غور سے سیکریٹری کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”سام کر گیک اس کرنے کو مقفل کر گئے تھے اور پھر ان کی موت ایک ناٹ کلب میں واقع ہوئی تھی۔ اگر یہاں کوئی اور چیز بھی الیک ہوتی ہے جسے چھپانے کے لئے وہ اس کرنے کو بند رکھتے رہے ہوں تو وہ چیز آپ کو ضرور ملنی چاہئے تھی کیونکہ انہیں اس چیز کو یہاں سے ہٹانے کی مہلت نہ ملی ہو گی۔“

”یہ بھی ممکن ہے۔“

”آپ مجھے بور کر رہی ہیں مادام...!“ سیکریٹری آنکھیں چھاڑ کر بولا۔
”کیوں؟“

”آپ ایک بحث کا آغاز کر کے میرے پھیپھڑوں کا دم نکال لیتی ہیں اور پھر اتنی معصومیت سے اس کے امکان کا اعتراف کر لیتی ہیں جیسے.... جیسے.... یعنی کہ جیسے.... ہم اس وقت کوئی اچھی سی تشییہ نہیں سوچ رہی ہے خیر نالے۔ ہاں تو میں اس وقت یہ عرض کرنے آیا تھا کہ مجھے کیپن کر گیک کے قریبی دوستوں کی فہرست چاہئے۔“

”اس سے کیا ہو گا۔“

”اس سے یہ ہو گا محترمہ!“ سیکریٹری اپنی پیشانی رکھتا ہوا بولا۔ ”یہ ہو گا.... آ..... کہ میری جان پہچان والوں میں چند نئے آدمیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔“

”مسٹر کریک تم کھل کر مجھے گفتگو نہیں کر رہے ہو۔“

”آپ کھل کر سن ہی نہیں رہی ہی۔ دیکھئے آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“
”مکیا تم ناشتہ کر چکے ہو۔“

”نہیں میں ناشتہ بھی غیر ضروری چیزوں کا عادی نہیں ہوں۔“

”کیا مطلب....!“

”مطلوب یہ کہ میں چو میں گھنے میں صرف ایک بار اپنے معدے کو تکلیف دیتا ہوں۔“

”اگر مجھے تمہاری ضرورت نہ ہوتی تو میں تمہیں چڑیا گھر کے کسی کٹھرے میں رکھوادیت۔“
”میرے لئے یہ بھی ممکن ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں کسی چڑیا گھر کے کٹھرے میں نہیں رہا۔“

”ایسا ہو چکا ہے محترم۔ ایک زمانہ تھا کہ پولیس میری تلاش میں تھی۔ ہاں شاید میں آپ کو یہ بتا بھول گیا ہوں کہ میں بھی کسی زمانہ میں قانون ٹکنی کیا کر تاھما، مضبوط سے مضبوط تجویاں توڑ دیتا میرے باہم ہاتھ کا کھیل تھا۔ میں نے کئی بنکوں میں چوریاں کی تھیں اور پولیس میرے پیچھے تھی۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ پولیس نے میرے مکان کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے۔ اس اطلاع سے میرے ہاتھ پر ڈر ڈھیلے ہو گئے۔ لیکن پھر فور آئی ایک تدبیر سوچ گئی۔ مجھے یاد آیا کہ پچھلے دن ایک گوریلا چڑیا گھر سے فرار ہو گیا تھا جس کی تلاش اس وقت تک جاری تھی۔ میں نے جھٹ پٹا پنے کپڑے اتار ڈالے اور گوریلے کی کھال اپنے جسم پر منڈھا۔“

”غپ.... جھوٹ.... کواس۔“ لوئی بڑبوائی۔
”یقین یکجھے۔“

”تمہیں گوریلے کی کھال کہاں سے لی تھی۔“

”اوہ.... گوریلے کی کھال.... وہ تو میرے پاس پہلے ہی سے تھی۔ اب میں کیا عرض کروں آپ سے کہ میں اس زمانے میں کیا آدمی تھا اور گوریلے کی کھال پہن کر میں نے کس قسم کے کارنے انجام دیتے تھے۔ کسی وقت اٹیمناں سے تاؤں گا۔ خیر قسم مختصر یہ کہ میں کھال پہن کر پڑوں کی چھپت پر جا پڑھا۔ بس پھر کیا تھا لوگ مجھے پکڑنے کے لئے دوڑ پڑے۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا۔ آہا کاش آپ مجھے اس وقت دیکھتیں۔ میں سو فیصد بی بن مانس معلوم ہو رہا تھا۔ اسی کی طرح غرنا اور سیماں بجانا اور تاٹکیں خمیدہ کر کے چلنا۔“

”دفعتا سیکریٹری نے بن مانس کے غرانے اور سیماں بجانے کی نقل شروع کر دی۔
”اگرے... بس... اگرے بس“ لوئی آنکھیں بند کر کے کانوں میں انگلیاں خنوشی ہوئی ہوئی۔

”آہا.... تو پھر مجھے لے جا کر کٹھرے میں بند کر دیا گیا۔“

”کتنے دنوں تک بند رہے تھے.... مگر نکلے کیسے ہو گے۔“

”محافظ کے پاس سے قفل کی کنجی پار کر دی تھی۔ رات کو نہایت اٹیمناں سے قفل کھولا اور

باہر نکل آیا۔

”اس میں کتنی سچائی ہے، مسٹر کریک۔“

”آپ کے یقین نہ کرنے سے میرا کیا بگڑے گا۔“ سیکریٹری نے ناخوٹگوار لجھے میں کہا۔

”نہیں مجھے یقین دلا دو رہے میں تمہاری موچھیں اکھاڑ دوں گی۔“

سیکریٹری نے اسامنہ بنائے دوسرا طرف دیکھتا رہا۔ اتنے میں وہی ملاز مہ پھر آئی جو چائے کی ٹرے رکھ گئی تھی۔ اس نے کسی کاملا قاتی کا رڈ پیش کیا۔

”کرتل اے کے.... فریدی!“ لوی نے بلند آواز سے پڑھ کر پیشانی پر شکنین ڈال لیں اور پھر بڑھ رہا۔ ”مگر میں اس آدمی کو نہیں جانتی۔“

”کرتل اے کے فریدی... ام“ سیکریٹری بھک کر کارڈ پڑھتا ہوا بولا۔ ”ارے باب رے... کیا آپ اے نہیں جانتیں۔ میرے خدا یہاں کیسے پک پڑا۔“

”کیوں یہ کون ہے؟“

”وہ سر کاری سراغ رسال جو شیطان سے زیادہ مشہور ہے۔“

”ارے.... یہ.... وہ فریدی ہے۔“ لوی نے کپکاپی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مگر یہاں کیسے۔“

”ممکن ہے کیپشن کی موت کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہو۔“

”تب تو میں اس سے ضرور ملوں گی۔ چلو تم بھی چلو۔“

”میں.... نن.... نہیں۔ اگر اس نے پہچان لیا تو میرا مستقبل بر باد ہو جائے گا۔“

”کیوں...؟“

”میں ایک روپوش مجرم ہوں محترمہ اور جرام سے توبہ کر چکا ہوں، لیکن مجھے علم ہے کہ ابھی تک میرا فائل بند نہیں ہوا۔“

”کیا میں اس سے بتا دوں کہ کوئی نامعلوم آدمی مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔“

”ہرگز نہیں.... یہ تو آپ کی زبان سے نکلنے ہی نہ پائے ورنہ آپ بڑی مشکلات میں پڑ جائیں گی۔“

”کیوں؟“

”خدا کے لئے اس وقت مجھے سے بحث نہ کیجئے۔ جائیے.... اے جلد از جلد نانے کی کوشش

کیجئے گا۔ ہاں ایک بات اور.... اگر وہ کیپشن کے کاغذات وغیرہ دیکھنا چاہے تو دکھا دیجئے گا۔ مگر اس کا نگذارس خواب گاہ میں نہ ہونے پائے جہاں پر بلب اور ہندسوں کا ذائقہ موجود ہے۔“

شاید لوی نے پھر ”کیوں“ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے تھے، لیکن اس نے اس بار سوال نہیں کیا بلکہ چپ چاپ انھی کڑی زینگ گاؤں پہننا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ پھر میں منٹ بعد وہ واپس آگئی۔ سیکریٹری اُسے گھوڑے جاہا تھا۔

”اوه مسٹر کریک.... وہ تو عجیب ترین تھا۔ تم سے بھی عجیب۔ میں سمجھی تھی کہ وہ کوئی ڈر اوٹا آؤ ہو گا اور میں اس کے سامنے ہونٹ بھی نہ ہلا سکوں گی مگر وہ تو انہائی رحم دل اور مخصوص آدمی معلوم ہوتا ہے۔ گنگلوکا انداز کتنا شریفانہ تھا۔“

”کاش تم اُس وقت بھی دیکھتیں، جب وہ کسی درندے کی طرح سرنش مجرموں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔“

”یقین نہیں آتا....“ لوی سر بلکر بولی۔ ”ارے وہ تو فرشتہ ہے، فرشتہ....!“

”اگر وہ فرشتہ ہے تو موت یا عذاب ہی کافرشتہ ہو سکتا ہے۔ خیر ہٹائیے.... ہاں تو وہ کیوں آیا تھا۔“

”تمہارا خیال صحیح نکلا۔ اس کا خیال ہے کہ ڈیڑی کی موت معمولی حالات میں نہیں ہوئی مگر اس نے پوچھا تھا کہ ڈیڑی کے ہیری سے کیسے تعلقات تھے۔ کیا کبھی ان دونوں نے کوئی بڑنی بھی کیا تھا؟ کیا کبھی ان دونوں میں بھگڑا ہوا تھا۔“

”اس کے علاوہ۔“

”اور کچھ بھی نہیں.... نہ تو اُس نے کاغذات وغیرہ کی خواہش ظاہر کی تھی اور نہ ڈیڑی کا سامان دیکھنا چاہا تھا۔ وہ اس بات پر افسوس ظاہر کر رہا تھا کہ میں دنیا میں تمہارہ گئی ہوں۔“

”ماوم! میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔“

”کیا...؟“

”آپ کی جائیداد کا کچھ حصہ خطرے میں بھی پڑ سکتا ہے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”مطلوب یہ کہ اگر کوئی شخص اس بات کی کوشش کرے کہ جائیداد کا کچھ حصہ اُسے قانونی

ہیرے کی انگوٹھیاں

شام کو آخر کار نیم پہنچ ہی گئی۔ حمید سمجھا تھا، شاید اُس نے اُسے چڑھانے کے لئے نصیر آباد پہنچنے کی دھمکی دی تھی۔ مگر جب وہ پہنچ ہی گئی تو مجبوراً اُسے خندہ پیشانی سے اُسے برداشت کرنا پڑا۔ وہ دراصل اٹھتے پہنچنے تاک میں دم کئے رہتی تھی، بور کرنے کے لئے فریدی ہی کیا کم تھا۔ مگر اب دوسرے کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اُسے اس مسئلہ پر بہت زج کرتی تھی کہ وہ روزانہ نئی نئی لاکیوں کی تلاش میں رہتا ہے۔

نیہاں پہنچنے ہی سب سے پہلے اس نے یہی پوچھا تھا۔

”کیوں بابا..... بہت اداں نظر آرہے ہو۔ کیا کوئی گدھی نہیں ملی۔“

”جان بابا....!“ حمید دونوں آنکھیں بھینچ کر اور مٹھنڈی سانس لے کر بولا تھا۔ ”تم بابا کا چچا چھوڑ دو، ورنہ اس ببابا سے بھی محروم ہو جاؤ گی۔ یہ بابا انکو کا پھٹا اب تک کئی بار خود کشی کا رادہ کر کے ملتی کر چکا ہے مگر اب یہ آخری ارادہ ہو گا۔“

”میں تمہیں آدمی بنانا چاہتی ہوں۔“

”بس بابا ہی رہنے دو۔ آدمی بننے کی تاب نہ لاسکوں گا۔“ حمید نے پہلے تو مٹھنڈے دل سے کھا پھر تاؤ آگیا اور جلا کر بولا۔ ”ارے تم بھیکیدار ہو سارے زمانے کی۔ مجھ سے اس مسئلے پر لفڑگونہ کیا کرو۔ اب تو میں خود کو دنیا کی ہر جوان لڑکی کا بابا تصور کرنے لگا ہوں۔ خدا تمہیں علارت کرے۔“

”میں تمہیں انکل کی طرح کا آدمی دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”اگر انکل آدمی ہے تو میں آدمیت کے مستقبل سے مایوس ہوں۔“

”تم جانتے ہی نہیں کہ آدمیت کس چڑیا کا نام ہے۔“

”میں چڑی مار نہیں ہوں۔“ حمید نے یہزاری سے کہا۔

”انکل کہاں ہیں۔“

”میں تمہارے انکل کی دم میں نہیں بندھا رہتا۔“

”بابا..... موڈا تنخرا ب کیوں ہے۔“

طور پر مل جائے تو کیا وہ کامیاب ہو سکے گا۔“

”ہرگز نہیں..... میں ڈیڑی کی وارث ہوں۔ ایسا کوئی آدمی نہیں ہے، جو مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔“

”جب آپ جائیداد کی طرف سے مطمین ہیں تو پھر آپ نے اس کی روپورث پولیس کو کیوں نہیں دی۔“

”میں خواہ منواہ کسی قسم کی جھنجھٹ میں نہیں پڑتا چاہتی۔ پولیس اس کا پتہ نہیں لگائے گی آئے دن مجھے ہی پریشان کرتی رہے گی۔“

”مگر آپ نے پچھلی رات یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ آپ کے ڈیڑی کی ناجائز طور پر پیدا کی ہوئی دولت کا کچھ حصہ آپ کے ہاتھ سے نکل بھی سکتا ہے۔“

”پچھلی رات میں نشے میں تھی۔ اگر میں نے کہا بھی تھا تو غلط کہا تھا۔“

”غیر.....!“ سیکریٹری نے ایک طویل سانس لی۔ وہ خاموش ہو کر اس میٹش پیس کی طرف دیکھ رہا تھا، جس پر سرخ رنگ کا بلبل نصب تھا۔ اچاک میٹش پیس سے عجیب طرح کی آواز نکلی۔ وہ اس میٹش پیس کے لئے تو عجیب ہی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کوئی ناٹپ رائٹر ناٹپ کر رہا ہو۔ سیکریٹری آگے بڑھا۔ آواز اب تک آرہی تھی۔ لوگی کے چہرے پر بھی حرمت کے آنا نظر آرہے تھے۔

سیکریٹری تھوڑی دیر تک میٹش پیس کا جائزہ لیتا رہا پھر اس پر رکھی ہوئی چیزیں انداز انداز کی پنجے رکھنے لگا۔ اب آواز آئی بند ہو گئی تھی۔ دفتار لوگی نے میٹش پیس کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھا، درمیان میں تقریباً ایک فٹ چوڑی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔ سیکریٹری اس پر جھکا ہوا تھا۔

”اوہ..... ٹیلی پر ٹر.....!“ وہ مختصر بانہ انداز میں بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے میں اس نے خاکے اندر رہا تھا ڈال کر کاغذ کی ایک لمبی سی پٹی نکالی جس پر ناٹپ کے حروف میں تحریر تھا۔

”تشویش غلط تھی۔ سر موفرق نہیں ہے۔ تمن ہزار دو سو ستر عدو نکالے ہوئے ہیں۔“

لوگی اور سیکریٹری کبھی اس تحریر کو دیکھتے تھے اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے تھے۔

"بیٹھ جاؤ... " حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "میں تمہیں بتاؤں گا کہ کس طرح میری مٹی پرید
ہو رہی ہے۔"

"ہوا کیا...!"

"باتا ہوں۔ مگر بتانے سے پہلے تمہیں آگاہ کر دوں کہ تمہاری مٹی بھی اسی طرح پرید
ہو گی۔ اسے لکھ لو۔ میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ شریف عورتوں کی

طرح زندگی بسرا کرو تو اس فن سے دور رہو، جو تمہارا انکل اور میرا قادر سکھا رہا ہے۔ میں
نہیں بھج سکتا کہ تم کس قسم کی بڑی ہو۔ تمہیں اپنے مستقبل کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں ہے۔"

"یہ مستقبل ہی کے لئے تو سب کچھ کر رہی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری پرورش کس ماحول
میں ہوئی ہے۔ میں کسی شریف آدمی کی بیوی ہن کر زندگی نہیں گزار سکتی کیونکہ شریف سے

شریف آدمی بھی بیوی پر اپنی برتری ضرور جاتا ہے اور میں کسی کی بھی برتری کی قائل نہیں۔
جرائم سے مجھے بھی نفرت رہی ہے اس لئے میں یہی بہتر سمجھتی ہوں کہ اپنے بیرون پر کھڑی ہونے

کی کوشش کروں۔"

"درے تو اپنے بیرون پر کھڑی ہو کر بھینیں بھی چڑا سکتی ہو۔ سراغ رسانی کا مشورہ کر
گدھے نے دیا ہے تمہیں۔"

"نہیں.... یہ پیشہ مجھے بے حد پسند ہے۔ انکل کہہ رہے تھے کہ میں اس کے لئے بہت
موڑوں ہوں۔"

"انکل نے تو پچھلے سال ایک قول سے بھی یہی کہا تھا اور دوسرے ہی دن وہ قول اس حال
میں دیکھا گیا کہ اس کا سر نیچے تھا اور نائکیں اوپر... اہے وا.... نیلم خدا کے لئے ہوش میں آؤ
مجھے دیکھو.... کیا میں تمہیں پاگل معلوم ہوتا ہوں۔"

"صرف اسی وقت جب اس قسم کی باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"ہام.... اچھا.... اور انکل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"انکل سپرمن ہیں۔"

"ہاں.... چلو.... یہ دیکھو.... کیا لکھا ہے۔"

حمید نے کانڈ کا ایک نکرانیم کی طرف بڑھا دیا جس پر پنسل سے تحریر تھا۔

"آج تو یہ تھوار کا دن تھا۔ ہم سب خوش تھے اور مر جانہ ہمارے درمیان رقص کر رہی تھی۔
بس یہی دل چاہتا تھا کہ نئے میں ڈوبتے چلے جاؤ۔"

نیلم نے بلند آواز سے اُسے پڑھا اور جواب طلب نظر وں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔
"میں یا سمجھیں؟" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں سمجھی.... یہ کیا بکواس ہے۔"

"تمہارے پر سپرمن انکل کی ہدایت ہے کہ میں ان کی واپسی تک اسی کرے میں بیٹھ کر اس
عبارت پر غور کر تار ہوں۔"

"ہاں بے بی۔ میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، خدا نے بڑا فضل کیا کہ تم بھی آگئیں۔ اب ہم
دونوں مل کر اس عبارت پر غور کریں گے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ تم مر جانہ کی طرح رقص شروع
کر دو اور میں رم کا ایک پیسہ منگوا کر اس میں چھلانگ لگادوں۔"
"لیکا یہ حقیقت ہے۔"

"بے بی ہوش میں آؤ ورنہ بابا باب تھپڑ رسید کروے گا۔"

"تب تو مجھے یقین ہے کہ اس عبارت میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہو گی۔"

"بے بی۔" حمید غریبا۔ "اگر تم نے آدمی گھنٹے کے اندر اندر اس میں کوئی خاص بات نہ
ٹلاش کی تو.... میں تو میں.... صبر کروں گا۔"

آخر میں اس کی آواز مردہ ہو گئی اور نہ حال سا ہو کر آرام کری میں گر گیا۔

"آخر معاملہ کیا ہے کیس کیا ہے۔ تم کچھ بتاتے ہی نہیں، خود خواہ اتنی دیرے بور کر رہے ہو۔"

"یہ کانڈ کا نکلا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ورجنون صفات ہیں جن پر ایسی ہی تحریریں مجھ
مجھے آدمی کو دن رات خود کشی پر مجبور کرتی رہتی ہیں۔ تمہارا انکل گذرا رہ خود بھی انہیں سمجھنے کی
کوشش کرتا ہے اور مجھے بھی بور کرتا ہے۔"

"جب تو میرا عقین اور پختہ ہو گیا ہے کہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔"

"اچھا تو سنو... کیا خاص بات ہے۔ آج صحیح سے مطلع ابر آلود رہا ہے۔ لیٰ نے شوخ
نگ کی لپ اسکل استعمال کی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ چو ہے چاکر آئی ہو۔ میں کہتا
ہوں لیٰ تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔ وہ کہتی ہے.... اوس ہوں تم مجھے بے دوقوف بنا رہے

ہو۔ میں کہتا ہوں، لئی مجھ پر رحم کرو اور وہ مجھے اپنا سینڈل سوگھانے لگتی ہے، کاش دہ مجھے کجوں سکتی۔ کاش دہ مجھے سمجھ سکتی۔ کاش دہ مجھے شیخ کا محزرہ سمجھ کر مجھ سے بے اعتنائی نہ کرتی وغیرہ وغیرہ بے بی۔ تمہارا انکل یہی سب کچھ پڑھتا ہے، کبھی اُس کی آنکھیں چکنے لگتی ہیں اور کبھی وہ بھیڑیے کی طرح غراتا ہے.... بچالو.... بے بی.... خدا کے لئے مجھے بچالو۔“

حید نے آنکھیں بند کر کے اس طرح دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیے تھے جیسے بچھ کی حملہ کرتے ہوئے بھیڑیے سے رحم کی بجیکت مانگ رہا ہو۔

اتنے میں فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

”آہا.... نیم تم آگئیں؟“ اس نے کہا۔

”جی ہا۔“

”بھی.... میں شدت سے تمہاری ضرورت محسوس کر رہا تھا۔“

”اوہ.... شکریہ.... انکل.... ذیر۔“

فریدی نے فلت ہیٹ میز پر ڈال دی اور کوٹ اتارنے لگا۔ نیم نے بڑھ کر کوٹ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ ”بایا بے چارہ پا گل ہو گیا ہے۔“

”کب نہیں تھا۔“ فریدی نے کہا۔

نیم کوٹ ہنگر پر لٹکا کر حید کو دیکھنے لگی، جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔

”کیوں؟“ فریدی نے حید سے غصیل آواز میں پوچھا۔ ”اُس تحریر سے کیا مطلب اخذ کیا۔“

”مطلب....!“ حید سر اٹھا کر شہنشہ دی سانس لیتا ہوا بولتا۔ ”آپ مر جانے کو بلواد جمعتے۔“ یہاں تاچنا شروع کردے اور مجھے دس بارہ بوتلیں وہکی کی منگواد تجھے۔ اگر مطلب نہ اخذ کر لوں تو گولی مار دیجئے گا۔“

”یہ سب کیا ہے انکل....!“ نیم نے حیرت ظاہر کی۔

”یہ کچھ نہیں.... تم بھی کوشش کرو۔“

”باس....!“ حید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اب تم کوشش کرو اور میں دوز کر آدھ سیر نکھیا لے آؤ۔“

”نہیں تم باہر نہیں جاسکتے۔ ہرگز نہیں۔“ فریدی نے سخت لمحہ میں کہا۔

”کیوں؟“

”ہیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔“

”تو میں اب اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکتا۔“

”نہیں.... تم میری گود میں مرو گے اور میں اس لڑکی کو نہ ابھلا کہہ رہا ہوں گا جس کی ل تھیں موت نصیب ہوئی ہوگی۔“

”بعض لڑکوں کے ابا میاں بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔“ نیم دیدے پھاڑ کر بولی۔ ”کیوں ل....؟“

حید نہ اسامنہ بنائے ہوئے پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ فریدی نے فون کار سیور اٹھا کر روپر ٹلب کیا۔

”وکھنے تو انکل میں جب سے آئی ہوں اسی طرح بیٹھی ہوئی ہوں۔ نہ بابا نے لباس تبدیل نے کو کہا اور نہ چائے منگوائی۔“

”میں نے اسی لئے دیش کو کاکل کیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

حید نے پاپ نہیں سلاگیا بلکہ اسے ایک طرف پھیک کر کھڑا ہو گیا۔ تیور بڑے خراب تھے، معلوم ہوا تھا جیسے فریدی پر حملہ کر بیٹھنے گا۔ مگر اس کے بجائے اس نے اپنا سردیوار سے ٹکرایا۔ ”ارے.... ہائیں.... بابا....!“ نیم اس کی طرف جھپٹی۔

”ہٹ جاؤ بے بی۔ آج میں تصفیہ کرنا چاہتا ہوں۔“ حید نے کہا اور دوبارہ دیوار پر سرمار نے اپنے رہا تھا کہ نیم نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے کپڑی۔

ٹھیک اسی وقت کسی نے باہر دروازے پر دستک دی۔

نیم نے حید کی گردن چھوڑ دی اور حید نہ اسامنہ بنائے ہوئے میز کے گوشے سے نکل گیا۔ ”آ جاؤ....!“ فریدی نے دروازے کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

ویٹر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ یہ ایک تونمند آدمی تھا اور اس کے بازوؤں کی مچھیاں آسٹینیوں پر بھی ابھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ موچھیں سمجھنی اور اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ فریدی اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ کافی کی ٹرے چھوٹی میز پر رکھ کر مڑا تو فریدی نے کہا ”وزارگار کا ذبہ مجھے اٹھا دیا۔“

ویٹر نے بڑی میز سے سگار کا ذبہ اٹھا کر بڑے ادب سے پیش کیا۔ فریدی کی نظر اس کے

ہاتھوں پر تھی۔

”شکریہ.....!“ فریدی نے آہتہ سے کہا اور ذہب ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔ ”تم یہاں کے سب سے زیادہ مالدار ویٹر ہو..... کیوں؟“

اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

”اوہ.... کیوں جناب۔“ ویٹر سید حاکمڑا ہوتا ہوا بولا۔

”تمہارے باسیں ہاتھ کی دو نوں انگوٹھیوں کے لگینے اصلی ہیں۔“

”آرہ.... او....!“ ویٹر نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ پھر فوراً ہی سنبلالیاوار اکڑ کر بولا۔ ”جی ہاں.... کیا ہیرے کی انگوٹھیاں صرف مالداروں ہی کا حصہ ہیں۔“

اس کا لبجھ غصہ دلانے والا تھا۔

”اوگدھے کے بچے! میں تمہاری موچیں اکھاڑلوں گا۔“ حمید گزر گیا۔

”میں تمہیں اس کا مشورہ ضرور دوں گا۔“ فریدی کا لبجھ حد درجہ سرد تھا۔

حمدید نے ایک مجرم جھری سی لی اور پھر اس نے فریدی کو بڑی پھرتی سے روپور نکالتے دیکھا۔ ”نہیں تم اپنا ہاتھ جیب کی طرف نہیں لے جاؤ گے۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔

ویٹر نے اپنے دو نوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

حمدید نے نیلم کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھی اور اسے اس بیلی کی چمک یاد آگئی جس نے تازہ شکار کیا ہو۔

”حمدید اس کی مصنوعی موچیں سمجھنے لو۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب۔“ ویٹر تھوک نگل کر بولا۔

حمدید نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر ہاتھ صاف کر دیا۔ موچیں مصنوعی ہی تھیں۔ آرہ نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”لا حول ولا قوۃ.... کاش یہ موچیں اصلی ہوتی ہیں تب میں بتاتا کہ جام کا احسان نہ لینے کا کیا طریقہ ہے۔“

”لیکا جیب میں روپور کھنا بھی ریخت کے ویٹروں کے لئے ضروری ہے۔“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حمید آگے بڑھ کر اس کی چیزیں ٹوٹ رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کی جیب میں روپور موجود تھا۔

”یا تم اس کا لائنس پیش کر سکو گے۔“

ویٹر اب بھی خاموش رہا۔

”میں تمہیں اس جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔“

ویٹر اور حمید سے لپٹ پڑا۔ حمید کے لئے یہ غیر متوقع تھا۔ اس لئے اسے سنھلنے کا موقع نہ ل سکا۔ اس کے ہاتھ سے ویٹر کا ریو اور گرچا تھا۔

”اب شوق سے گولی مار دو۔“ ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ فریدی کے روپور کا رخ حمید کے سینے کی طرف تھا۔ نیلم ابھی تک ویٹر کے پیچھے خاموش کھڑی تھی اور ویٹر بھی اس کی طرف سے غافل تھا۔ اچاک نیلم نے اپنی انگلیاں اس کی گردن میں پوسٹ کر دیں۔ ویٹر جس نے حمید کی رودن پر پیچھی لگا رکھی تھی بوكھلا گیا۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے ہوئے ہی تھے کہ حمید اس کی گرفت سے نکل گیا اور پھر تو اس کی شامت ہی آگئی۔ حمید نے اسے گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔ ذرا ہی کی دیر میں ”بے دم ہو کر گر پڑا۔“

حمدید کھڑا اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا اور نیلم نے اتنا برا اسامنہ بنا رکھا تھا جیسے اس کے اتنی جلدی بے ہوش ہو جانے پر اسے بے حد ہایو کی ہوئی ہو۔

کچھ دیر تک کمرے پر سکوت مسلط رہا پھر حمید جیب سے رومال نکال کر اپنے چہرے کو صاف کرتا ہوا فریدی سے بولا۔

”آج میں آپ کو ایک نئی راہ پر دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا؟“

”کیا مطلب...!“

ظاہر ہے کہ یہ آدمی ہم لوگوں کی ٹگرائی کر رہا تھا۔ آپ نے آج تک کسی ایسے آدمی پر ہاتھ

نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ ایسے آدمیوں کو پہچان لینے کے بعد ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔“

”ہاں.... اور پھر ان کے ذریعے سے اصل مجرم تک پیچنے میں آسانی ہوتی تھی، لیکن حمید صاحب یہ معاملہ مختلف ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ آدمی اصل مجرم تک میری رہنمائی نہ کر سکتے گا۔“

”یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔“

”وہ کاغذات جنہیں تم فضول سمجھتے ہو، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔“

”کس طرح۔“

”وہ کاغذات تھیز کے آرٹشوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔ اسی لئے ان کی آپ کی نظروں میں اتنی اہمیت ہے، وہ کاغذات جو دلچسپی کے لئے مر والے کے حلقہ احباب میں علاویہ پڑھے جاتے تھے کسی بہت بڑے راز کے حوال تھے۔“ حمید کاہ طفریہ تھا۔

”ہاں انہیں درجنوں آدمی پڑھتے اور سنتے تھے کیونکہ تحریر میں بلا کی ادبی جاہشی موجود ہے انداز طربیہ اور رومانی ہے، کہیں کہیں تو ظالم نے نشر میں شاعری کر کے رکھ دی ہے مگر کاغذات میں ایسے بیغامات موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا اُس شخص سے واقعہ نہیں تھا جس کے لئے اُس نے وہ بیغامات ترتیب دیے تھے، اسی لئے وہ کاغذات علاویہ پڑھاتے تھے اور اسی جگہ رکھے رہتے تھے جہاں سے ہر ایک انہیں انٹھا کر پڑھ سکتا تھا اگر لکھنے والا شخص سے واقعہ ہوتا تو یہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ آدمی۔“ فریدی ہوش دیش کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ ”میں پچھلی رات سے اس کے پیچے ہوں اور یہ غالباً ان کاغذات کے لئے ہماری نگرانی کرتا رہا ہے، جو ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ رات میں نے کوٹھری کی علاشی لی تھی جس میں اس کا سامان رکھا ہوا ہے۔ مجھے ناکای نہیں ہوئی۔ وہاں سے نے دو تین ایسے ہی اور اق اور بھی برآمد کئے ہیں۔ یہ بھی پہلی ہی سے لکھے گئے ہیں اور طرز تھے میں ان کاغذات سے مختلف نہیں ہیں، جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہاں تو حمید صاحب! میراذ ہے کہ جس گروہ کے لوگ بیغام رسانی کے لئے ایسے طریقہ اختیار کرتے ہوں انہیں اس کے متعلق کیا معلوم ہو گا، جو ان پر حکومت کرتا ہے، لہذا یہ آدمی اس تک ہماری رہنمائی نہ کر گا۔ پھر کیوں نہ میں اسے اپنے کام میں لاوں۔“

”کیا مطلب...!“

”مطلب ابھی نہ پوچھو۔ فی الحال اس پر کسی بڑھتے آدمی کا میک اپ کر دو۔ یہ انہی ہوش ہے۔“

”مگر اس کے سر کے بال سیاہ ہیں۔“

”آنکھیں کھول کر دیکھو۔ یہ بال قطعی مصنوعی ہیں۔ یہ بھی نگار تھیز کے آرٹشوں میں“

ہے۔ سر کے بال میک اپ ہی کے لئے عموماً صاف ہی رکھتا ہے۔“

”مگر انکل آپ یہ کیوں کر رہے ہیں۔“ میم نے پوچھا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔

اسے مارو

لوسی ہیری کے قمار خانے میں خاموش یعنی تھی۔ آج اس نے جوانہیں کھیلا تھا۔ بس تفریج ہا اور ہر آنکل تھی۔ وہ شاید اور ہر کارخ بھی نہ کرتی مگر اس کے پر اسرار سیکریٹری نے گفتگو کے دوران میں کہیں یہ کہہ دیا تھا کہ وہ آج رات کا کچھ حصہ ہیری کے قمار خانے میں بھی گزار دے گا۔ لہذا لوسی کے اور آنکلنے کی حرک دراصل یہی چیز ہوئی تھی۔ وہ اس کے متعلق سوچتی اور دریائے حرث میں غوطے کھاتی رہ جاتی۔ اسے اپنی خواب گاہ کا مینٹل پیس یاد آ رہا تھا جسے وہ عرصہ سے دیکھتی آئی تھی، مگر اس حرث انگیز بلب کی موجودگی میں بھی وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی، لیکن اس پر اسرار نوجوان نے کتنی آسانی سے اس کا ایک نیاز اسکی دریافت کر لیا تھا۔ مگر وہ یہی پر ٹھر اور وہ پیغام! مگر وہ پیغام کس کے لئے تھا۔ کیا ذیہی کے لئے مگر ذیہی کر لیا تھا۔ مگر وہ یہی پر ٹھر اور وہ پیغام! مگر وہ پیغام کیسا۔ وہ سوچتی اور دیکھتی رہی۔ پھر تو.... دیکھا جانتی ہے کہ وہ کتنے دن پہلے مز رکھے ہیں۔ پھر وہ پیغام کیسا۔ وہ سوچتی اور دیکھتی رہی۔ اس الجھن سے پیچھا چھڑانے کے لئے ہیری پر تاؤ کھانا شروع کر دیا جو کچھ تھی دیر پہلے اُسے نہ ابھلا کہہ گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ یہاں جو اکھیلے گی تو وہ اسے انھوا کر سڑک پر پھیک کوادے گا۔ وہاں پیٹھنے اور پینے پلانے پر اُسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لوسی نے اس کے سامنے شراب منگوائی تھی لیکن اس نے اس کے لئے کچھ نہیں کہا تھا۔

لوسی غصے میں تپتی ہی چلی گئی اور اُسے بچھا خاصہ نشہ ہو گیا اور پھر جب سیکریٹری سے ملاقات ہوئی تو وہ نشہ ہی میں تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھا اور پلکیں جھکا کر مسکرائی۔ سیکریٹری اس وقت بھی اسی میک اپ میں تھا جس میں آج صبح اس سے ملاقات ہوئی تھی۔

”تم آگئے خان بہادر۔“ وہ جھومتی ہوئی بولی۔

”مادام پلیز... بھلا میں ان موچھوں میں خان بہادر کیسے معلوم ہوتا ہوں۔“

”معلوم ہوتے ہو... بیٹھ جاؤ اور میری بات سنو۔ اگر تم نے اس پر عمل نہ کیا تو میں تمہیں“

ڈس... مس کر دوں گی... بالکل ڈس مس...!

”پچھے کہہ کر بھی تو دیکھے مادام... مگر معاف کجھے گا آپ اس وقت نہ میں ہیں۔“

”میں ہر وقت نتھے میں رہتی ہوں، اس لئے معاف نہیں کر دیں گی۔ مارو آج ہیری کو ما وہ الوکا پٹھا میری توہین کرتا ہے۔“

”آپ اسے کسی لفافے میں بند کر کے میزے خواہ کر دیجئے۔ میں گھر لے جا کر اس، گھونٹ دوں گا۔“

”بزدل.... سکری کے بچے.... تم... ڈس مس.... گٹ آٹ۔“

”اچھا نہیں... میں ایک پٹھا پرانا جو تاڑھونڈلاوں اور اسی طرح چھپ کر کہیں سے اس پھیک ماروں جیتے اٹھے۔“

”اٹھے کی اسی کی تمیں... جوتے کی اسی کی تمیں۔ تم سب کے سامنے اسے لالکار کر مارو سکری شری نے ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ ”اچھا.... ٹھہریے.... میں ایک مر جاتا انتظام کر لوں۔“

”کیوں مر جان کیا کرو گے۔“

”جب اس کے آدمی میری چلتی بنا دیں تو آپ نہایت احتیاط سے اسے مر جان میں رکھ گا۔ آئندہ بھی کام آئے۔“

”او... بزدل....!“ لوی دانت پیس کر بولی۔

”ٹھہریے.... دیکھے... اسے کیا ہو گیا ہے۔“

”ہیری کو....!“

ہیری اپنے آفس سے نکل کر ہال میں آیا تھا اور آفس کے دروازے کے قریب ہی چاروں طرف گھرتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ویسے اس کے چہرے پر پریشانی کے صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

”جاو...!“ لوی دانت پیس کر آہتا سے بولی۔ ”مارو اسے... مارو... ورنہ میں مار بیٹھوں گی۔ یہیں سب کے سامنے اسے ذمیل کرو۔“

”ٹھہریے.... دیکھے... وہ اسی طرف آ رہا ہے۔“ سکری شری نے مضطرباً نداز میں کہا۔
ہیری ان کی میز کے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔ لوی نے بھی اسے محوس کر لیا۔ وہ سکری شری کو گھر رہا تھا۔

”یہ کون ہے بے بی۔ اس نے سرد بیجھ میں پوچھا۔

”یہ....!“ لوی دانت پیس کر بولی۔ ”میرا سکری شری ہے۔ میں اس سے کہہ رہی تھی....!“
”جی ہاں جتاب.... میں نے عرض کیا۔“ سکری شری جلدی سے بول پڑا۔ ”تشریف رکھنے تا....!“

”او بدمیز....!“ لوی غرائی۔ ”تم خاموش رہو۔ مجھے گفتگو کرنے دو۔“

”یہ بہت زیادہ نہیں میں ہیں جتاب۔“ سکری شری پھر بولا۔

”اٹو کے پڑھے.... تم خاموش نہیں رہو گے۔ مارو.... میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ مارو۔“

”بے بی! اس طرح شور مت چاہو اور نہ مجبور آجھے تم کو گھر بھجوانا پڑے گا۔“

”ارے تمہاری حقیقت کیا ہے۔“ لوی تن کر کھڑی ہو گئی۔ ”میں تمہیں اپنے سکری شری سے بٹاؤں گی۔ وہ آج تم پر اٹھے کی بجائے پٹھا پڑتا۔“

”مادام.... مادام.... خدا کے لئے خاموش رہنے۔ آپ اتنے بڑے آدمی کی توہین کر رہی ہیں۔“ سکری شری تقریباً دو کر بولی۔

”مادام کے پچھے مارو۔“

”لے جاؤ! اسے فوراً یہاں سی لے جاؤ۔“ ہیری نے سکری شری کو چھنجھوڑ کر کہا۔

”میرے سکری شری کو کیوں چھنجھوڑتا ہے اٹو کے پڑھے۔“ لوی چیخی۔

دفعتاً ہیری نے الٹا ہاتھ اسکے منہ پر رسید کر دیا اور کہی سیست دوسری طرف الٹ گئی۔

”یہ آپ نے کیا کیا۔“ سکری شری لوی کی طرف چھپتا ہوا بولا۔ اب اسے بھی غصہ آگیا تھا۔
لوی خود ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی اور اس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

”تم اندھے ہو۔“ سکری شری غرایا۔ ”کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ مادام نتھے میں ہیں۔“

”نشے کے پچھا باب تم دونوں چپ چاپ کھمک جاؤ، ورنہ یہاں سے زندہ نہ جا سکو گے۔“

”ہیری...! اب میں تمہیں ضرور ماروں گا۔“

اس کے لئے یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس طرح بہک گئی تھی۔ اسے ہیری کا تھپڑیاں آیا اور وہ آگ ہو گئی۔

کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ گلیوں کے جال میں الجھتی ہی جاری ہے جس گلی میں بھی اس موقع پر مڑتی کہ وہ اسے سڑک تک لے جائیں اس کا اختتام کسی دوسری گلی پر ہوتا، اسے پھر دوائیں یا باکیں مٹنا پڑتا۔ اسے کبھی شہر کی گلیوں میں بھکنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ خائن بھی تھی اور الجھن میں بھی بتلا ہو گئی تھی۔

مگر اسے فتح کرنے کا نکل آنے پر اتنا طینان تھا کہ اس نے اپنے پیچے قدموں کی آواز بھی نہیں سنی تھی حالانکہ کوئی اس کا تعاقب اُسی وقت سے کرتا رہا تھا جب وہ سلاخوں کے جال کے نیچے سے نکل کر گلی میں آئی تھی۔

اچانک ایک بار اس کا ذہن ان آوازوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو قدموں کی آوازیں شاید بہت دیرے سے سن رہی ہے۔

غیر ارادی طور پر اس نے مزکر دیکھا اور ٹھنک گئی۔ وہ اتنی بھی دلیر نہیں تھی کہ اس آدمی کو دیکھ کر وہ چوک نہ پڑتی۔ کیونکہ وہ ان گلیوں اور شکست مکانات کا باشندہ نہیں معلوم ہوتا تھا اور یہ نسلی کی لائیں کی وہندی روشنی میں بھی اُس کا سیاہ سوٹ صاف نظر آ رہا تھا۔

لوسی ٹھنکی ہی تھی کہ آنے والے کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی اور پھر وہ اس کے قریب آ کر رک ہی گیا۔ اُسی نے پیشانی پر جھکا ہوا لفت اور اٹھایا اور لوسی ایک تجیر زدہ سی آواز کے ساتھ دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

یہ کرٹل فریدی تھا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی لیکن آنکھیں چونکہ پھر فلت بیٹھ کے گوشے کی چھاؤں میں آگئی تھیں اس لئے لوسی اندازہ نہ کر پائی کہ اس مسکراہٹ کا مقصد کیا تھا۔ وہ مسکراہٹ اس کی بے بی پر سرست کا اظہار تھی یا اس مسکراہٹ میں نظر تھا۔ بہر حال کچھ بھی ہو زیادہ دیر تک اس مسئلے پر غور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

”چلتی رہنے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہد ”میرا خیال ہے کہ آہب ان گلیوں سے ناواقف ہیں۔“

”میں..... جج..... جی ہاں....!“ لوسی ہکلائی۔

”میرے لئے بھی یہ گلیاں نئی ہیں، مگر میرا خیال ہے کہ اگر ہم باکیں جانب والی گلی میں چلتے

”کیا...!“ ہیری حلق پھاڑ کر دہاڑ

”میں تمہیں ناروں گا.... تم نے ماام کی توہین کی ہے۔“

ہیری اس پر چھپت پڑا، لیکن سیکریٹری نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر چلتی گاڑی ہیری اچھل کر منہ کے مل دور جا پڑا۔ پھر سیکریٹری نے اسے اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس کی پشت پر کھڑا تھا۔ دو تین بار وہ اس پر اچھلا اور پھر دروازے کی طرف چلا گئی۔ ساتھ ہی اس کے ریوال سے ایک شعلہ بھی نکلا۔ گولی ہاں کے ایک بلب پر پڑی اور تاریک ہو گیا۔

شور و غل کا کیا پوچھنا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے یا تو زمین پھٹ گئی ہو یا آسمان ٹوٹ پڑا۔ اندھیرے میں لوگ ایک دوسرے سے ٹکر ا کر جیج رہے تھے۔

ان غیر موقع تھم کے ذہنی جھکوں کی ہیاء پر لوسی کا نشہ بالکل ہی زائل ہو چکا تھا۔ اس سوچا اگر ہیری کے آدمیوں نے دروازے بند کر دیئے تو شامت ہی آ جائے گی۔ وہ جانتی تھی اس موقع پر ہیری کو کیٹن کر گیکے سے اپنی دوستی ہرگز نہ یاد آئے گی۔ وہ اس قسم کا آدمی تھا جلاہٹ میں اپنے باب کو بھی قتل کر سکتا تھا۔

”اے.... وہ کیتا لوسی سمجھیں ہے۔“ اس نے اندھیرے میں ہیری کی غراہٹ سی اور ٹھنڈا اپسینہ اس کے جسم سے پھوٹ نکلا۔ لیکن اس موقع پر بھی اُس نے حاضر دماغی ہی کاٹا۔ دیکھ اُسے یاد آیا کہ باکیں جانب سرے پر دیوار سے لگا ہوا عمارت کا عقبی چانک ہے، جسے لوسی سلاخوں کے جال نے دیوار پر کچھ بھی نہیں نظر آئی تھا۔ وہ بہت تیزی سے مسدود کر دیا گیا ہے لیکن جال زمین سے تقریباً نو یادس انجوں اونچا ہے۔

وہ سلاخوں کے جال سے دیوار پر کچھ بھی نہیں نظر آئی تھا۔ تک کہیں نارچ کی روشنی بھی نہیں نظر آئی تھی۔

کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

گلی بھی تاریک پڑی تھی لیکن اس نے سڑک کا رخ کرنے کی بجائے گلیوں ہی مٹا مناسب سمجھا۔ اُسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر اس نے وہاں اتنی زیادہ پی کیوں تھی۔ اگر پیا ذہن کو قابو میں رکھتی۔

رہیں تو شاید سڑک تک پہنچ جائیں۔ ”
”میں اتفاقاً دھر سے گزرا تھا۔ آپ کو اس طرح باہر آتے دیکھا تو خواہ تجوہ حقیقت ملے
کرنے کو دل چاہا۔“

”میری ذات سے وہاں فساد ہو گیا تھا۔ میں نشے میں تھی۔ میں نے ہیری کو نُر ابھلا کھلہ،
بھیجی زیادتی پر آمادہ ہو گیا۔ اس لئے میرے سکرپٹری نے اس کی پانی کر دی۔ وہ تھا تھا اس لئے،
اس کے بعد وہاں نہیں رکا۔“

لوسی نے کرٹل کو بتایا کہ کس طرح وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہو گا اور کس طرح خر
اس نے اپنی جان بچائی تھی۔

”مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ لیکن لوسی نے اس کے لمحے کے طنزیہ اندا
کو سمجھنے میں دریں نہیں لگائی۔

وہ کچھ دور تک خاموشی سے چلتے رہے پھر لوسی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”آپ میر۔
ذیئی کی موت کے متعلق تفتیش کر رہے ہیں۔“

”جی ہاں....!“

”مگر ان کا ہارٹ فلیور ہوا تھا۔“

”ٹھیک ہے ہارٹ فلیور کی بہتری وجہات ہو سکتی ہیں۔ بہترے زہر ایسے ہیں جن ا
شاخت نا ممکن ہے اور ان کا رد عمل بھی ہارٹ فلیور ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔“

”ہاں جناب۔ میں جانتی ہوں۔ ذیئی بھی اتنی زیادہ نہیں پہنچتے تھے کہ شراب کی مقدار دل
بُر اثر ڈال سکے۔“

”میں سام کر گیں سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔“

”آپ کیوں نہ جانیں گے۔“ لوسی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

”کیا کر گیں نے حال میں کوئی شرکت کا بیزنس کیا تھا۔ میں آپ سے یہ سوال دوسرا کیا
کر رہا ہوں۔“

”میں ہر بار یہی عرض کروں گی کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ وہ مجھ سے کبھی اپنے کاروبار
متعلق گفتگو نہیں کرتے تھے۔“

”ہوں کیپٹن کر گیں ایک اچھا نجیسٹر بھی تھا۔۔۔ کیوں؟“
”افسوس کہ وہ بہت کچھ تھے، لیکن انہوں نے مجھے کچھ بھی نہ دیا۔“
”کیوں.... اُس کی وارث تھا آپ ہی ہیں۔“
”جی ہاں، مجھے خجالت اور شرمندگی ورنہ میں ملی ہے۔“
”خیر چھوڑیے... ہاں تو... ہیری سے بگاڑ پیدا کرنے کا تجھے تو جانتی ہی ہوں گی۔“
”میں جانتی ہوں کہ آج کی رات میرے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔“
”ایسا بھی کیا۔“ فریدی نرم لمحہ میں بولا۔ ”اب آپ کو تھا چھوڑنا موت کے منہ میں
درجنے کے متراوف ہو گا۔“
”میں نہیں سمجھی۔“

”مطلوب یہ ہے کہ آپ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا۔ آپ مجھے ایک رپورٹ ہیری کے
فکر کھو دے دیجئے۔ پھر میں سب کچھ سمجھ لوں گا۔“
لوسی کچھ نہ بولی پھر تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”میری کاروباری رہ گئی ہے۔“
”اس کی فکر بھی مت سمجھے۔ وہ بھی آپ تک پہنچ جائے گی۔“
”میں ایک بُرے آدمی کی لڑکی ہوں۔ آخر آپ اتنی مہربانی سے کیوں پیش آ رہے ہیں۔“
”بُرے آدمی کی لڑکی ہونا بُرًا نہیں ہے، لیکن اگر بُرے آدمی کی لڑکی بھی بُری بننے کی
شکرے تو وہ اس بُرے آدمی سے بھی زیادہ بُری سمجھی جائے گی۔“
”اور میں حقیقت بُری بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔“
”یہ آپ جانئے.... مجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ میں اس مسئلہ پر آپ کو کوئی رائے
ے کروں۔“

سب کچھ غائب

لوسی کچھ نہیں بولی۔ اب وہ پھر شراب کی ضرورت محسوس کر رہی تھی، نہ جانے کیوں
بلکہ سے گفتگو کرتے وقت اُس کی زبان لڑکھڑانے لگتی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ وہ سکی کا ایک

بغل ہوئے۔ نشست کے کمرے میں فریدی کو بٹھا کر لوئی اپنی خواب گاہ میں آئی۔ یہاں
بڑی موجود تھا۔

”اوہ.... تم پہنچ گئے..... مگر تمہاری موچھیں۔“

”وہ دیہیں رہ گئیں۔“ سیکریٹری نے لاپرداں سے جواب دیا۔

”مگر یہ کیا گدھا پن ہے۔ تم میری خواب گاہ میں کیوں چلے آتے ہو۔“

”خواب گاہ میں اس لئے آتا ہوں مادام کہ ممکن ہے کوئی نئی چیز ہاتھ آئے، اب دیکھئے تاکہ آپ وہ بلب اور ہندسوں کی پلیٹ ہی دیکھا کرتی تھیں اور میں نے ایک ٹیلی پر نظر بھی دریافت ہوا۔ سکتا ہے کہ اسی طرح میں وہاں بھی جا پہنچوں جہاں سے یہ بلب روشن ہوتا ہے۔“
”مگر کرتی فریدی کا خیال ہے کہ تم فراڈ ہو۔“

”کیا مطلب....!“ سیکریٹری یہیک چونک پڑا۔ ”وہ میرے متعلق کیا جانے۔“

”میں نے بتایا تھا۔“

”یہ آپ نے اچھا نہیں کیا مادام۔ خراب آپ مجھے فراؤں میں کردیجئے تاکہ میں آپ اتحاد کسی قسم کا فراڈ نہ کرسکوں۔“

”مگر میں نے تو نہیں کہا کہ تم فراڈ ہو۔“ لوئی مسکرائی۔

”آپ بھی کہنے لگیں گی۔“

جو کی کچھ نہ ہوئی۔ اس نے میز پر سے رائٹنگ پڑا اور فاؤنڈین پن اٹھائے۔

”کرتی فریدی اسٹڈی میں موجود ہے۔“ اس نے کہا۔ ”میں اسے ہیری کے خلاف ایک لادینے جاری ہوں۔“

”یہ اس وقت کہاں سے پک پڑا۔“ سیکریٹری بوکھلا کر بولا۔

لوئی نے اسے اس کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ ”میں سوچتی ہوں کیوں نہ اس بلب اور ٹرک کے متعلق بتا دوں۔“

”آپ مجھ سے زیادہ ٹھکنہ دیں۔“ سیکریٹری نے اپنے شانوں کو جنتش دے کر لاپرداں سے جھیساً آپ کا دل چاہے۔“

”تم بھی چلو۔... میں تمہیں اس سے ملا دوں گی۔“ اتنا شریف آدمی آج تک میری نظروں

بڑا گل اس کمزوری پر قابو پانے میں مدد دے سکتا ہے۔

”ظاہر ہے کہ رپورٹ کے لئے مجھے آپ کے گھر تک چلتا پڑے گا۔“

”جج.... جی ہاں.... مگر آپ اتنی تکلیف کریں گے۔“

”ہاں.... یہ میرے فرائض میں داخل ہے۔“

لوئی پھر خاموش ہو گئی۔ پہلے تو اسے ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے فریدی بات بات پر اس پر طرف کر رہا ہو لیکن پھر اسے اپنی غلط فہمی پر افسوس ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذہن میں بیٹھے ہوئے چور ہی نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کیا ہوا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک سڑک پر پہنچ گئے اور لوئی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ اپنی کوٹھی سے زیادہ دور نہیں ہے۔

”ہاں.... آپ نے اپنے کسی سیکریٹری کا تذکرہ کیا تھا۔“ فریدی بولا۔ ”وہ کہاں ہے۔“

”پتہ نہیں.... میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ نکل گیا یا وہیں پھنس گیا۔“

”یقیناً بڑے دل گردے کا آدمی ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ ہیری کے قدر خانے میں کسی قسم کا ہنگامہ برپا کرنا آسان کام نہیں ہے۔“

”وہ ایک پُر اسرار آدمی ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”وہ عجیب و غریب حالات میں مجھ سے ملا تھا۔“ لوئی نے کہا اور سیکریٹری کی داستان چھڑ دی۔ وہ کس طرح اس سے ہیری کے قدار خانے ہی میں ملا تھا اور کس طرح اس نے وہاں ہنگامہ برپا کر کے ایک بڑی رقم اڑا لی تھی۔

جب وہ خاموش ہوئی تو فریدی نے کہا ”مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اس پر کیسے اعتداد کر لیا۔“

”وہ سارے روپے اب بھی میرے ہی پاس موجود ہیں اور وہ برابر تقاضہ کر تاہر ہتا ہے کہ بچہ روپے ہیری کو واپس بھجوادیے جائیں۔“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوتی۔ اکثر فراڈ قسم کے لوگ اس سے بھی زیادہ بڑی قربانیاں ٹھان کرتے ہیں۔“

”اب جو کچھ بھی ہو۔ پتہ نہیں کیوں میرے دل نے کہا تھا کہ اس پر اعتداد کرلو۔“ وہ کوئی

ہاس کا قلم تیزی سے کاغذ پر چل رہا تھا کبھی بھی وہ ایک چکنی کے لئے رک بھی جاتی تھی۔ اور بعد اس نے رائینگ پید فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی اُسے پڑھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے رائینگ پید اپنے زانوں پر رکھتے ہوئے ایک سانس لی اور پھر بولا۔ ”کیا یہ حقیقت ہے کہ کوئی گناہ آدمی آپ کو فون پر کوئی چھوڑ دینے دیتا رہا ہے۔“

”می..... نج..... دیکھئے“ لوئی پھر ہکلائی، لیکن اس بار اس نے پورا گلاس حلق میں اٹھا لیا کہ طور پر اُسے نہ رے منہ ضرور بنانے پڑے، لیکن تھوڑی دیر بعد وہ محسوس لگی اور کہ اب وہ بے چکنی کر فریدی سے گفتگو کر سکے گی۔

”کیا کوئی گناہ آدمی حقیقتاً آپ کو ہمکیاں دیتا رہا ہے۔“

”میں ہاں....!“

”لیکن آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔“

”میں بھول گئی تھی۔“

”کیا آپ کو شہر ہے کہ وہ گناہ آدمی ہیری ہی ہو گا۔“

”قطیعی نہیں.... ہیری کو کیا پڑی ہے۔ یہ تو میں نے اپنی رپورٹ میں زور پیدا کرنے کے دیا ہے۔“

”ہیری سے کریگ کے کیسے تعلقات تھے۔“

”میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ویسے ہیری کہتا ہے کہ ڈیڈی اس کے دوست تھے۔ اسی لئے وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ اس کے قمار خانے میں جائیں۔“

”میں ہاں۔“

”بھی ان دونوں نے شرکت میں کوئی بزنس کیا تھا۔“

”میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ڈیڈی مجھ سے اپنے بزنس کی باتیں نہیں کرتے تھے۔“

”اچھی بات ہے، میں دیکھوں گا لیکن.... آخر کوئی آپ سے عمارت کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔“

”میں.... نہیں سمجھ سکتی۔“ وہ پھر ہکلانے لگی اور اس نے دوسرا گلاس لبریز کیا۔

فریدی غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”سے نہیں نہیں گزرا۔“

”میں قطعی نہیں ملتا چاہتا۔ روزا یے سیکلوں شریف آدمی میری نظروں سے گزرتے رہتے ہیں۔“

”جب تو میں یہی سمجھوں گی کہ تم مجھ فراہ ہو۔“

”مجھے فوراً اس مس سمجھے.... میں جا رہا ہوں۔“

”وُس مس کے بغیر بھی تم جا سکتے ہو۔“ لوئی نے غصیلے لمحے میں کہا اور ہیر پیٹھی ہوئی خواب گاہ سے نکل آئی۔

خواب گاہ میں جاتے وقت وہ ایک ملازم سے کہتی گئی تھی کہ اسٹڈی میں وہ سکی اور سوڈا پر دیے جائیں۔ اسٹڈی میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ بوٹ اور گلاس جوں کے توں رکھے ہوئے ہیں۔

”اڑے آپ یونہی میٹھے ہوئے ہیں، جناب!“ لوئی نے حیرت سے کہا۔ ”یہ خانہ بے تکلف ہے۔“

”مگر میں شراب نہیں پیتا۔“

”نہیں....!“ اس بار لوئی کے لمحے میں حقیقتاً حیرت تھی۔

”میں ہاں.... میں نہیں پیتا۔“

”اڑے تفریجاً تو کبھی کبھی پیتے ہی ہوں گے۔“

”کبھی نہیں.... اگر آپ رپورٹ لکھنے میں جلدی کریں تو بہتر ہے۔“

”اوہ.... اچھا.... مگر مجھے معاف سمجھنے کا میں شراب کے بغیر ایک سطر بھی نہ لکھ سکوں گی۔“

”آپ پی سکتی ہیں۔“

”مٹکریے۔“

لوئی نے گلاس میں وہ سکی اٹھا لی، سائیفن سے سوڈا لیا اور دو تین چکلیاں لینے کے بعد تم سنجا لاتی ہوئی بولی۔

”کیا لکھ دوں۔“

”جو آپ کا دل چاہے اگر میں کہیں ضرورت سمجھوں گا تو آپ کو رائے دے دوں گا۔“

لوئی لکھنے بیٹھ گئی۔ فریدی غور سے اس کے چہرے کا تار چڑھا دیکھ رہا تھا اور لوئی لکھنے ما

”آپ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ لوگی دوسرا گلزار خالی کر چکی تھی۔

”نہیں تو.... میں کچھ بھی نہیں چھپا رہی ہوں۔“

”اچھا کیا.... آپ مجھے اس عمارت کو دیکھنے کی اجازت دیں گی۔“

”کیوں؟“

”بس یونہی.... ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی آپ کے والدین کی موت پر کچھ پڑ سکے۔“

”میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔“ لوگی نے کہا۔ ”اُنے یاد آگیا تھا کہ سبک شروع ہی سے اس کی مخالفت کرتا رہا ہے۔ اگر سیکریٹری کا خیال نہ ہوتا تو وہ فریدی کو اجازت دے دیتی۔“

”دیکھنے اس کی ایک دوسری صورت بھی ہے کہ میں عدالت سے تلاشی کا وارثہ کرلوں۔“

”آپ یہ کریں گے۔“

”محبوب آ..... ورنہ میں خواہ جو اہ دوسروں کو پریشان کرنے کا عادی نہیں ہوں۔“

”میں نے آپ سے کب کہا تھا کہ میری مدد دیکھجئے۔“

”میں افراد کی نہیں بلکہ قانون کی مدد کرنے کے لئے اس عہدے پر فائز کیا گیا ہوں۔“

”قانون کو میری کوئی کوئی سمجھنے کیا دچکی ہو سکتی ہے۔“

”وہی جو کسی نامعلوم آدمی کو ہو سکتی ہے۔“

”کسی نے بھی مجھے دھمکی نہیں دی تھی۔ میں اس وقت نئے میں ہوں۔“

”آپ نئے میں ہرگز نہیں ہیں۔ آپ کو نئے کے معاملے میں خود پر قابو حاصل ہے۔“

”کچھ بھی ہو.... میں آپ کو کوئی کی تلاشی ہرگز نہیں لینے دوں گی۔“

”خیر نالئے۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا اور قدرتے توقف کے ساتھ بولا۔ ”چلے“

فون کر کے یہاں کے لئے کم از کم تین مسلح کا نشیل کو بلوای ہوں۔“

”شکریہ۔“

فون وہیں اسٹڈی میں تھا۔ فریدی نے کوتوالی کے نمبر ڈائل کئے اور فوری طور پر تین مسلح نیشل طلب کر لئے۔ پھر وہ اس وقت تک وہیں بیٹھا رہا۔ جب تک کہ تین مسلح کا نشیل وہاں ل پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہ بڑے شریفانہ انداز میں رخصت ہو گیا۔ لوگی اپنی خواب گاہ میں واپس آئی تھی کہ اس کے حلقو سے ایک گھٹی گھٹی سی چیز نکلی۔ کہہ سامنے والی دیوار سے مینٹل پیس غائب تھا اور دیوار بالکل سپاٹ پڑی تھی وہ بوکھلا کر چاروں ب دیکھنے لگی۔ شاید اسے شبہ ہوا تھا کہ وہ کسی دوسرے کمرے میں آگئی ہے مگر وہ سو فیصد ہی وہی تھا جس کے مینٹل پیس کے ایک گوشے پر سرخ رنگ کا بلب نظر آیا کرتا تھا۔ مگر مینٹل پیس؟ ناکہاں؟ اُنے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھی اور دیوار پار ہو رہے یعنی گئی۔ کہیں ہاں کا سانشان بھی نہیں دکھائی دیا جیسے اس دیوار پر کبھی مینٹل پیس رہا ہے۔ وہ کچھ ایسے خوفزدہ انداز میں کمرے سے نکل کر بھاگی جیسے چیز وہاں کوئی بھوت نظر آگیا ہو۔

حیرت

وہ اسی طرح دوڑتی ہوئی زینوں تک آئی مگر پھر رک گئی۔ اس کا چہرہ پیسے کی نغمی نغمی بوندوں، ڈکھا ہوا تھا اور سانس ٹھنڈوں سے اس طرح خارج ہو رہی تھی، جیسے نختے معمول سے کچھ اٹھ ہو گئے ہوں۔ دل کی دھڑکن سر میں ٹھوکریں مادر رہی تھی۔ اس نے اپنے خنک ہوئے حلقو نیچے تھوک اتنا را چاہا لیکن کامیاب نہ ہوئی۔

پھر آہستہ آہستہ وہ خود پر قابو پاتی گئی۔ رومال سے چہرے کا پیسہ خنک کیا۔ بلا ذریت سے سگریٹ پکٹ نہال کر ایک سگریٹ سلاکیا اور جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

اُسے فریدی کا جملہ یاد آیا۔ اس نے کہا تھا کہ سام کر گیک ایک اچھا نجیگیر بھی تھا تو کیا یہ ممکن تھا ہے کہ ڈیڑی نے اس عمارت پر اپنی مہارت صرف کی ہو۔ مگر کیوں؟ مقصود؟ لیکن آج سے ہم اُسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ ڈیڑی نجیگیر بھی تھے، آخر اس عمارت سے کون سارا زوابست ہر ڈیڑی اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن خواب گاہ کی دیوار میں پوشیدہ میل پر تنر پر اب بھی پیغامات دھول ہوتے ہیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ پیغامات ڈیڑی کے لئے نہ ہوں، مگر کیا پیغام بھیجئے

والے کو ان کی موت کا علم نہیں ہے، مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ ذیڈی تو بہت مشہور آدمی تھے۔ ان کی موت کی خبر سارے ملک کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ لہذا وہ پیغام یا تو کسی دوسرے ملک سے موصول ہوا تھا۔۔۔ یا پھر۔۔۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں ہو سکتی۔ یقیناً، پیغام کسی دوسرے ملک سے آیا تھا مگر اس کا مطلب کیا تھا۔ پیغام یہی تو تھا کہ تشویش غلط تھی؟ کہ چیزیں سر موافق نہیں ہے۔ تمن ہزار دو سو عدد کوں کی بلائیں ہیں، جو نکالی گئی ہیں۔

لوسی سوچتی رہی اور سگریٹ کے کش پر کش لیتی رہی۔ وہ خیالات میں اس طرح کھوئی ہوا تھی کہ اسی جگہ جم کر رہا گئی۔ وفتحا اس نے خواب گاہ کے دروازے پر سے ہٹکے دھوکیں کر مرغولے سے نکلتے دیکھے۔ ایک بار پھر اس کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ مگر پھر اس طرح ساکر ہو گیا جیسے ڈوبتے کوکنارہ مل گیا ہو کوئکہ خواب گاہ سے سکریٹری برآمد ہوا تھا اور اس کے ہونزور میں سگریٹ دبا ہوا تھا۔

لوسی اپنا اپری ہونٹ بھینچ کر اسے گھورنے لگی۔

"اوہ.... مادام....!" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"تم کہاں تھے؟" لوسی نے سرد لبجھ میں پوچھا۔

"چھپلی کھڑکی سے نیچے گیا تھا۔"

"مجھے آمد و رفت کا یہ طریقہ بالکل پسند نہیں ہے۔"

آپ دیکھ رہی ہیں محترمہ کہ میں اپنی موچھیں ہیری کے قمار خانے میں چھوڑ آیا ہوں،" لہجے نوکروں سے چھپ کر بیہاں آتا چاہا۔ میں اپنی اصلی شغل میں اب آپ کے علاوہ اور کسی سامنے نہیں آنا چاہتا۔

لوسی چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر بولی "چلو۔۔۔ کرے میں... وابس چلو۔"

"چلنے مادام....!" وہ مودہ بانہ انداز میں ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیتا ہوا بولا۔

لوسی آگے بڑھی اور وہ اس کے چھپے کرے میں داخل ہوا۔

لوسی تیر کی طرح میٹھیں پیس کی طرف گئی۔ میٹھیں پیس دیوار ہی پر موجود تھا۔ وہ سکریٹری طرف مڑی۔

"تم جھوٹے ہو۔" اس کی آواز کا نپ رہی تھی۔

"میں یقین نہیں کر سکتا۔"

"میں اپنے لئے یہ جملہ پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"اگر تم نے ذرہ برابر بھی جھوٹ بولا تو تیری طرح خربزوں گی۔ بتاؤ تم کہاں تھے۔"

"میں نیچے تھا محترمہ....!"

"جب تم نیچے گئے تھے تو یہ میٹھیں پیس کہاں تھا۔"

"کیا....؟" سکریٹری آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ "میٹھیں پیس کہاں تھا" وہ اُسے اس طرح دیکھے مجھے لوسی کا دماغ چل گیا ہو۔

"ہاں میٹھیں پیس، میں ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آئی تھی تو یہ موجود نہیں تھا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ آپ نے اچھی طرح دیکھا تھا۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"سب تو محترمہ مجھے فوراً اس مس کر دیجیجے۔ میں اب اس عمارت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ فوہ کس جبال میں پھنس گیا۔ نہیں مجھ سے آپ کی ملازمت نہیں ہو سکے گی۔"

"تم فراڈ ہو۔"

"یہ آپ پہلے بھی کہہ چکی ہیں۔"

"تم وہی آدمی ہو جو مجھے اکثر فون پر کوئی بھی غالی کروئے کا مشورہ دیتا رہا ہے۔"

"یہ دوسری ہوئی.... میں توبے موت مر گیا محترمہ۔"

"بتاؤ.... تم کون ہو۔"

"میں آپ کا پارائیویٹ سکریٹری ہوں محترمہ۔"

"میں تمہیں ابھی پولیس کے پرداز کے دیتی ہوں۔"

"لیکن اس سے پہلے آپ کو مجھے ڈس مس کرنا پڑے گا اور جب میں آپ کا ملازم نہ رہوں گا

نپھر مجھے آپ کا گلا گھونٹ دینے سے کون روک سکے گا۔"

"میرا وقت بر باد نہ کرو۔" لوسی نے نشک لبھے میں کہا۔ "میں تمہیں صرف پانچ منٹ دیتی

اول، نیچے تین مسلخ کا نشیبل موجود ہیں جنہیں کر قتل فریدی میری حفاظت کے لئے چھوڑ کر گیا ہے۔"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔"

”ٹھہر دو... میں انہیں بیہن بلوائے لیتی ہوں۔“ لوئی نے گھنٹی کے بٹن کی طرف ہا
بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میری بھی تو سنئے۔“ سیکریٹری اس کے اور میز کے درمیان آتا ہوا بولا۔ ”آپ نے
نہیں کیا، جو کاشیبلوں کو بیہان بلوایا ہے... آپ پچھتا میں گی۔“

”تمہاری بلائے۔ ہٹا ایک طرف۔“ لوئی نے جلا کر کہا لیکن سیکریٹری جہاں تھا وہیں رہا
اس طرح اس نے اسے گھنٹی کا بٹن دبانے سے روک دیا۔

”آپ کاموڈ بہت زیادہ خراب معلوم ہوتا ہے کیا میں آپ کے لئے وہ کسی انہیلوں۔“

”نہیں.... بس تم سامنے سے ہٹ جاؤ۔ میں کاشیبل کو بیہان بلانا چاہتی ہوں۔“

”ضرور بلائے۔“ سیکریٹری نے لاپرواں سے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ مگر لوئی کا ہاتھ
اس کے باوجود بھی گھنٹی کے بٹن تک نہ پہنچ سکا۔

”چلے ادبا یے ناٹھ۔ میں اب آپ سے رحم کی بھیک نہ مانگوں گا۔“

لوئی نے ہاتھ کھینچ لیا۔

”ہاں... بولئے... پھر آپ کیا کہتی ہیں۔ مجھے ڈس مس کریں گی یا نہیں۔“

”نہیں!“ لوئی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”جہنم میں جاؤ۔“

”حقیقتاً جہنم ہی تھا... کتنی گرمی تھی۔ میرے خدا۔“

”بیہان....!“

”جہنم میں... اور جہنم اسی کمرے کے نیچے ہے میں نیچے گیا تھا جہنم... یقین بیجھے۔
سیکریٹری مسکرا رہا تھا۔

”کیا مطلب...!“

”اس کمرے کے نیچے... کیا آپ میرے ساتھ چلیں گی۔“

”بکواس مت کرو... ٹھیک ٹھیک بیٹاؤ کیا کر رہے ہو۔“

”آپ اور منہ کر کے کھڑی ہو جائیے۔“ سیکریٹری نے سمجھ دی گئے کہا۔

”یہ میشل چین ابھی پل بھر میں عاتب ہو جائے گا۔“

لوئی غیر ارادی طور پر دوسرا طرف مڑ گئی، ساتھ ہی اس نے ایک ہلاکا سا کھانا کا نا۔

”ویکھئے... اوہر دیکھئے...!“ سیکریٹری نے کہا۔

لوئی مضطربانہ انداز میں مڑی۔ میشل پیس نیچے عاتب تھا۔

”اور اب اپنی سہری کے نیچے جھانکئے۔“

سہری کے نیچے تقریباً چار فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی خلاء فرش پر نظر آنے لگی تھی۔ یہ

اہاریک نہیں تھی بلکہ اس میں ہلکی سی روشنی بھی موجود تھی۔

اہاریک نہیں تھی بلکہ اس میں نیچے جارہا ہوں۔ آپ کا دل چاہے تو آپ بھی آئیے۔ بڑی صاف ستری

رہے۔ مگر گرمی خدا کی پناہ...“ سیکریٹری نے کہا اور سہری کے نیچے ریک گیا۔ لوئی

دردازے کی طرف جھیٹی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد اس نے عقبی کھڑکی بھی بند کی اور سہری

کے نیچے ریک گئی۔

خلاء اب اچھی طرح روشن ہو گئی تھی اور لوئی کو زینے صاف نظر آرہے تھے، جونہ معلوم

نی گھر ایسی میں پلے گئے تھے۔

”سیکریٹری...!“ اس نے آواز دی۔

”آجائیے... آجائیے۔“ نیچے سے ایسی ہی آواز آئی جیسے کوئی کنوئیں میں بول رہا ہو۔

لوئی زینوں پر آتی گئی۔ پھر بائیس سیٹر ہیاں بٹے کرنے کے بعد اس کے پیر فرش سے لگے۔

اہاریک کافی کشادہ تھہ خانے میں تھی اور سیکریٹری اس کے قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔

”کیا میں نے جھوٹ کہا تھا مادام...!“

”گرم نے یہ راستہ کیسے بنایا۔“

”یہ اس وقت بناوں گا جب آپ مجھے چلی تزوہ دیں گی۔“

لوئی کچھ نہ بولی۔ وہ تھیر آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا

جیسا تھہ خانے کی دیواریں ہارڈ بورڈ سے بنائی گئی ہوں۔

فرش صاف سترا تھا۔ دیواروں پر مکڑیوں کے جالے نہیں تھے اور نہ بیہان ایسی بدبو ہی

کسوں ہو رہی تھی جیسے عموماً تھہ خانوں میں گونجا کرتی ہے۔

اس طبقہ میں ایک میز پڑی ہوئی تھی اور دو کرسیاں تھیں۔ میز خالی تھی۔

وغلاتیکریٹری کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور پھر وہ بولا۔ ”یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ

جہاں برقی لیپ موجود ہو، وہاں پکھے کی غیر موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔
”کیا مطلب....!“

”یہاں پکھا بھی موجود ہے۔ وہ دیکھتے دیوار میں ایک گول سا سوراخ نظر آرہا ہے۔ اس اندر پکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میز پر بڑی اچھی ہوازتی ہو گی۔“

سوراخ کا قطر ذیلہ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہو گا۔ سیکریٹری نے اس کے قریب پکھے آخر کار اس کا سوچ تلاش کر ہی لیا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پکھا تیزی سے گردش کرتا ہوا سوراخ سے تقریباً ایک باشت آگیا۔ حقیقتاً میز پر بہت تیز ہوا تھی۔ لوسی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”بیٹھو....!“ وہ دوسروی کرسی کی طرف اشارہ کر کے مسکرانی۔

”شکریہ۔“ سیکریٹری بھی بیٹھ گیا۔

”اب بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سزا دوں۔“

”کہیں میری شادی کراوے جائے۔“ سیکریٹری نے مشتعل آواز میں کہا۔ ”اس سے زیادہ بھائیز امرے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔“

لوسی ہنسنے لگی۔ وہ اب بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔“ اس نے کہا۔

”میرے خیال سے یہاں تک تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں پیس کے سرخ بلب اور تحریر ہندسوں کا معہد ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔“

”تم مجھے بھی بتاؤ کہ اس دن میں پر نظر پر جو پیغام آیا تھا۔... اس کا کیا مطلب تھا۔“

”مطلوب کچھ میں آئے یا نہ آئے۔“ سیکریٹری کچھ سوچتا ہوا بولा۔ ”لیکن وہ پیغام تھا، کے لئے۔ کیا پیغام بھینے والے کو کیپن کر گیکی اسی اطلاع نہ ملی ہو گی۔“

”میں بھی اسی الجھن میں ہوں۔“ لوسی نے کہا۔

”ابھی کچھ دری پہلے جب آپ اسٹڈی میں گئی تھیں ایک پیغام اور موصول ہوا۔“

سیکریٹری نے کہا اور جیب سے ایک چٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی، جس پر تحریر تھا۔ ”رام صاف ہے، بائیس پونڈ۔“

”میرے خدا یہ سب کیا کرتے رہے ہیں ذیلی۔“

”کاش میں ان سے ملا ہوتا۔“ سیکریٹری نے ٹھنڈے سانپ لی۔

”مل کر کیا کرتے۔“

”ان کی شادی کرتا۔“

”یعنی تم بھی نبے آدمی ہو جاتے۔“

”تو میں اچھا کب ہوں۔“

”میں تمہیں برا نہیں سمجھتی۔“ لوسی نے مسکرا کر کہا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”اڑے باپ رے۔“ سیکریٹری نے اس طرح اپنا ہاتھ کھینچا جیسے پھونے ڈک مار دیا ہو۔

”گدھے....!“

”تجھی ہاں... جی ہاں....!“

”تم پہلے مرد ہو جئے میں پسند کرنے لگی ہوں۔“ لوسی آہستہ سے یوں۔

”تجھے شرم آتی ہے۔“ سیکریٹری نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”فوراؤس من کیجھے مجھے.... فور۔“

”میں تمہیں مارڈاں گی۔ میرا مصلحت نہ اڑاؤ۔“ لوسی کو عصہ آگیا۔

”تجھے مارڈا لئے، لیکن خدار اپنڈتہ بیکھ۔ میرے باپ کو جوانی میں ایک لڑکی نے پسند کیا تھا،

لہذا وہ زندگی بھر جو نک کی طرح اس سے چھٹی رہی۔ باپ نے کنوئیں میں چلانگ لگائی، وہ بھی اسی

کے ساتھ کو دگئی۔ دونوں نکالے گئے وہ زندہ تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ مجھے پسند

کر رہی ہیں۔ اب پہلی ہی تنخوا پر مجھے ایک کنوں کھداونا پڑے گا۔“

”شٹ اپ....!“

روا نگی

”او نیلم کی بچی۔“ آخر کار حمید دانت پیس کر دہاڑا۔

”غلط.... بابا کی بچی۔“ نیلم نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ وہ ان کاغذات میں ابھی ہوئی

تمی، جو اسے فریدی سے ملے تھے۔ یہ وہی پنسل سے لکھے ہوئے کاغذات تھے جو نگار تحریر کے سخنے کے سامان سے برآمد ہوئے تھے۔ اب نیلم ان پر اپنی ذہنی قوت صرف کر رہی تھی اور مید کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہو جائے گی۔

”او نیلم، تیری شامت آئی ہے کیا۔“
”اب تک ہر قسم کے بابا شامت ہی بن کر نازل ہوئے ہیں مجھ پر.... لہذا اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔“

”اس دیٹر کا کیا بنا تھا جس کا میک اپ کرنے کے بعد میں نے فوراً ہی بہاں سے اپنا منہ کالا لیا تھا۔“

”اوہ.... بابا.... ڈیسرست.... میں کیا بتاؤں کہ وہ ہوش میں آنے پر کتنا تمحیر ہوا تھا۔ انکل نے اُسے اٹھا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا اور وہ اپنی شکل دیکھ کر بھونچ کارہ گیا۔ میں حق کہتی ہوں یہاں لگ رہا تھا جیسے وہ گونگا ہو گیا ہو۔ پھر انکل اس کے پہلو میں کھڑے ہو کر بولے، میری داہنی جیب میں پستول ہے اور اس کی نال تمہاری بائیں پسلی سے چھہ رہی ہے۔ تمہیں اسی طرح میرے ساتھ چلانا پڑے گا اگر تم نے ذرہ برابر بھی ادھر ادھر ہٹنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ ٹریکر دبادوں گا۔ اگر میں تمہیں شارعِ عام پر بھی گولی مار دوں تو مجھے کوئی نوکنے والا نہیں ہو گا۔ دیے میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے کہ تمہارے ہھکڑیاں بیکار ہیاں سے نہیں لے جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہھکڑی لگا کر لے جانا تمہاری موت ہی کا پیغام ثابت ہو گا۔ بس بابا.... وہ چپ چاپ انکل کے ساتھ چلنے لگا تھا۔ مگر انکل نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ اُسے کہاں اور کیوں لے گئے تھے۔“

”میں سمجھ گیا۔“ مید سر ہلا کر بولا۔

”کیا سمجھ گئے۔“

”دورہ پڑا ہے۔“

”کیسا دورہ۔“

”سال میں کم از کم ایک بار ضرور پڑتا ہے۔“

”بابا.... بتاؤ گے ڈھنگ سے یا میں کوئی اور طریقہ اختیار کروں۔“

”پچھلے سال۔“ حمید شہنشی سانس لے کر بولا۔ ”وہ اسی طرح ایک مزدور کو پکڑ لائے تھے۔ پہلے تو مار کر اس کا بھر کس نکال دیا۔ پھر زبردست اُسے غسل دوا کر ایک بہترین سا سوت پہنوا یا اور کسی بوڑھے آدمی کا میک اپ کرنے لگے۔ مزدور بیچارہ حیرت کی زیادتی کی وجہ سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ جب اسے ایک بوڑھے کی شکل میں تبدیل کر چکے تو بڑے پیارے بولے۔ ”بھائی جان“ ورودہ بے چارہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ آپ نے پھر فرمایا خاموش رہو۔ تم میرے بڑے بھائی ہو۔ یاد کرو تم ہمالیہ کی تراہی میں ریچپوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ وہ بے چارہ سر پیٹ کر بولا سر کار پیرا نام جنم ہے۔ میرے باپ نے بھی کبھی ریچپوں کا شکار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا بکواس بند کرو۔ نہ میرے بڑے بھائی ہو اور تمہارا نام انور جمال فریدی ہے۔ وہ پچھاڑیں کھانے لگا اور اپنے مقدر کو دستے لگا اور کہنے لگا کہ آج صحی مسلک کی ماں کا منہ دیکھا تھا۔ وہ حرافہ ایسی ہی منحوس ہے۔ اس پر اپ نے دو چار چانے جھاڑ کر فرمایا گستاخ ہماری بھاونج محترمہ کی توہین کرتا ہے۔ اس پر تو وہ بے پار پاگل ہی ہو گیا۔ پہلے تو کچھ دیر تک حلق چھاڑ چھاڑ کر دھاڑتارہ پھر بے ہوش ہو کر گرفڑا۔“

”تم جھوٹے ہو بابا۔“ نیلم پہنچنے لگی۔ ”انکل کے منہ پر ایسی ہی باتیں کرو تو بتاؤ۔“

”اوہ! تم جھوٹ سمجھتی ہو؟“

”پہلے اپنی خیر مناؤ بابا۔ تم ادھر ادھر ہٹا گتے پھر رہے ہو۔ انکل کا خیال ہے کہ وہ اب تمہیں ہٹا گتی میں نہیں رکھس گے، وہ کہہ رہے تھے کہ مجھے مجھکے میں جگ دلوائیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ میں جوانی میں بوڑھی بیٹی کا داروغ بھی سہہ لوں گا۔“ حمید نے شہنشی سانس لے کر اس لجھ میں کہا۔

”انکل کا خیال ہے کہ تم کام چور، بزدل اور نکٹے ہوتے جا رہے ہو۔“

”انکل دی گریٹ کا خیال بالکل درست ہے، اب میں فارور ڈنگ اور کلیر ٹنگ کا کاروبار کروں۔“ آم ہنکار ڈھنگ۔ مجھے اس ملازمت سے کیا فائدہ ہوا ہے۔ میرے پاس میری تجھی گاہڑی بھی نہیں ہے۔“

”مگر انکل تمہیں کس بات سے روکتے ہیں بابا۔ میرا خیال ہے کہ ان کی ساری چیزیں تمہاری ہیں۔“

”ٹھیک ہے لیکن مجھے بور کیوں کرتے ہیں۔“

”وہ کیا بور کرتے ہیں۔“

”کیا یہ بوریت نہیں ہے۔ حمید نے ان کاغذات کی طرف اشارہ کیا جو نیلم کے سامنے میر پر

عمارت میں داخل ہونے لگے تھے تو ان کے چہروں پر نقاہیں نظر آئی تھیں۔“
”اندھیرے میں تم نے نقاہیں کیسے دیکھ لی تھیں۔“
”اس عمارت کی کھڑکیوں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔“
”عمارت میں روشنی پہلے ہی سے تھی؟“ فریدی نے پوچھا۔
”میرا خیال ہے کہ پہلے ہی سے تھی اور وہاں کوئی موجود تھا۔“
”بہری تھا ان میں۔“
”جی ہاں۔“

”سم کب تک وہاں بخوبی تھی۔“
”ان کے واپس آتے ہی میں نے پھر تعاقب شروع کر دیا تھا اور قمار خانے تک آئی تھی۔“
”وہ کتنی دیر اندر رہے تھے۔“
”ڈیڑھ گھنٹے تک۔“
”واپسی پر ان کی تعداد کیا تھی۔“
”وہی آٹھ۔“

”ان میں سے کوئی رہائشی عمارت کی طرف بھی گیا تھا۔“
”می نہیں.... کوئی بھی نہیں۔“
”تمہیں یقین ہے۔“

”تجیہاں، مجھے یقین ہے۔ میں ابھی جگہ پر کھڑی تھی، جہاں سے ایک بلی پر بھی نظر کہ سکتی تھی۔“
”مٹھا... نیلم تم بہت اچھی جارہی ہو۔ مگر اس عمارت کے متعلق تم نے اور کیا معلوم کیا۔“
”اور تو کچھ بھی نہیں۔“

”وہ عمارت سام کر گی نے کرانے پر دے رکھی تھی۔ تم نے دراصل اس عمارت کے پچھلے حصے کو دیکھا ہے۔ وہ یقیناً اوپنی جہاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن یہ مت سمجھنا کہ وہ جہاڑیاں اس عمارت کو چھپانے ہی کے لئے لگائی گئی ہوں گی۔“
”چھر....؟“

”سنو... تمہیں چاہئے تھا کہ آج جا کر اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کر میں۔ کیا

بکھرے ہوئے تھے۔“
”ان میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہے بابا۔ میرا دل کہتا ہے۔“
”اگر مجھ سے کہے تمہارا دل تو میں اس کے تھپڑ رسید کر دوں۔ یہی غنیمت ہے کہ وہ صرف تم سے کہتا ہے۔“
”نیلم مسکرا کر پھر کاغذات کی طرف متوجہ ہو گئی۔“
”اچھا نہاؤ کیا پڑھ رہی ہوں“ حمید نے کہا۔

”سنو... میں بہت اداں ہوں۔ بہت اداں ہوں۔ صبح سے ہوا میں بھاری پن سامنے گھوسنے ہو رہا ہے۔ یہ ادا کی میرے رگ و پپے میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔ پہنچنیں یہ موسم کا اثر ہے اسے رات والے واقعات کی پر چھایاں۔ میری روح پر پڑھ رہی ہیں۔ رات اس نے میرا دل توڑ دیا۔ کتنی بڑی بات تھی۔ اس کا کیا گوٹا تارگ مری اتنی سی باتیں لیتی۔“
”بس! بس! بند کرو۔“ حمید غصیلی آواز میں بولا۔ ”اسی لئے تم ان کاغذات میں کھوئی رہتی ہو۔ لعنت ہے تم پر۔ ارسے اس کبواس میں کیا رکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عشقی تحریریں انسان کے کس جذبے کی تسلیکن کرتی ہیں۔ مجھے تو ہمیشہ ان پر غصہ آتا ہے۔“
”وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ٹھیک اُسی وقت فریدی کرے میں داخل ہوں۔ اُس کے جسم پر شب خوابی کا لباس تھا مگر اس کی آنکھوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ سو کر اٹھا ہے۔

”نیلم برپورٹ.....؟“ اس نے نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ حمید کی جانب توجہ سکنے نہ دی۔ ”لیں انکل پلیز؛ پہلی رات میں نے ان کا تعاقب سام کر گیکے مکان تک کیا تھا، مکان کی پشت پر مغرب کی جانب ایک چھوٹی سی عمارت اور بھی ہے لیکن اس کے گرد کافی اوپنی گھنی جہاڑیاں ہیں اور پادی المفتر میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کوئی کیونکہ اس کی چھت ان جہاڑیوں سے بھی پیچی ہے، لیکن وہ ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس کا رقمہ کم از کم اسی مریخ اُر ضرور ہو گا۔ بہر حال وہ لوگ اسی عمارت میں گئے تھے۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ میں اندر جا کر دیکھوں، لیکن آپ کی ہدایات کے مطابق مجھے خود کو قابو میں رکھنا پڑا۔“

”ان کی تعداد کیا تھی۔“
”آٹھ تھے، جب کار میں بیٹھے تھے تو ان کے چہرے پر نقاہیں نہیں تھیں لیکن جب وہ اس

اس چیز نے بھی تمہارے جذبہ تجسس کو نہیں ابھارا کہ ان لوگوں نے عمارت میں داخل ہوئے سے پہلے اپنے چہرے نقابوں میں چھپائے تھے۔

”مجھے اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی فکر تھی مگر چونکہ آپ نے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہیں دی تھی اس لئے....!“

”اوہ....اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم حال آئندہ خیال رکھنا تم میں خود مختاری بھی ہوئی چاہئے۔ اس کے بغیر تم اس فن سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکوگی۔“

”بہت بہتر....میں آئندہ خیال رکھوں گی۔“

”اس عمارت کا صدر دروازہ سڑک کی طرف ہے اور ایک سائن یورڈ موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مرمت طلب موڑ سائیکلوں کا کارخانہ ہے۔“

”اوہ....لیکن وہاں چند ایسے لوگ جو نقاب پوش تھے عقبی دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔“

”ہاں....بس آج رات کو آخری کھیل ہو گا بے بی۔ تیار رہتا۔“ فریدی نے کہا اور حمید کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے چلا گیا۔

”کیوں بابا....اکل تم سے ناراض ہیں۔“

”ہاں....ناراض ہی ہوں گے تو میں ان کا کیا بگاڑ لوں گا۔ تم اس کی فکر میں نہ پڑو بے بی۔ میرا خیال ہے....میرا خیال ہے....خیر ہٹاؤ۔“

”کہو....کہو....کیا کہتا چاہتے ہو۔“

”پچھے بھی نہیں امیں یہ کہہ رہا ہوں کہ آخری کھیل واقعی دلچسپ ہو گا۔“

”کیا مطلب....؟“ نیلم اسے گھوڑی ہوئی بولی۔

”آخری کھیل مطلب یہ ہے کہ دو چار لاٹیں ضرور گریں گی اور قادر ہارڈ اسٹون کی بیاس بجھ جائے گی۔ یہ حضرت مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کرنے ہے میں، خیر....!“

”بابا....تم غصے میں معلوم ہوتے ہو۔“

”یہی تو مصیبت ہے کہ مجھے غصہ نہیں آتا ورنہ اپنے پیٹ میں چھرا مار کر آتیں پاہر نکال لوں۔“

نیلم ہنسنے لگی اور کچھ دیر بعد حمید پھر باہر نکل گیا۔

نیلم شام تک ان کاغذات میں سر کھپاتی رہی لیکن کچھ بھی پلنہ پڑا۔ لیکن وہ فریدی پر اندا

وہند اعتماد رکھتی تھی، اس لئے یہ نہ سوچ سکی کہ وہ تحریریں کوئی پوشیدہ مفہوم نہیں رکھتیں۔ تقریباً نوبجے رات کو فریدی نے اپنے کمرے سے فون پر اسے مخاطب کیا۔

”کیوں بے بی تم کتنی دیر میں تیار ہو جاؤ گی۔“

”بہت جلد انکل، مجھے کیا کرنا ہو گا۔“

”ایسے لباس میں چلو، جو تمہیں تیز دوڑنے سے باز نہ رکھ سکے۔“

”اوہ....!“

”ہاں....یہ مہم تمہاری پسند کے مطابق ہو گی۔“

”اور بابا....!“

”وہ ہے کہاں۔“

”پتہ نہیں۔“

”پھر اسے جہنم میں جھوٹکو۔ وہ آج کل کام کرنے کے موڑ میں نہیں ہے شاید۔ مجھے موڈی آدمی پسند نہیں ہیں۔ لیکن اس کی بعض خوبیاں.... خیر تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“

دوسری طرف سے سلسلہ مقطع ہو گیا اور نیلم بہاں تبدیل کرنے لگی۔ اس نے جیکٹ اور پتلون کا انتخاب کیا تھا۔

روانگی کے وقت وہ دو پانچ کا براؤنی پستول رکھنا نہیں بھوٹی تھی۔ ایک لیکن اُن دونوں کو چھکم پارک تک لے آئی۔ وہ اتر کر پارک میں چلے آئے۔ لیکن کار آئی اور ایکجا چاچا تھا۔

”کیا ہمیں یہیں تک آتا تھا۔“ نیلم نے حیرت سے کہا۔

”نہیں....بہاں میں ایک پیغام کا انتظار کروں گا۔“ فریدی نے جواب دیا۔

وہ ایک دیر ان گوشے میں پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے ایک چھوٹا سا سفری ٹرانسپرٹ نکالا جس کے متعلق وہ اسے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اس کا دائرہ عمل کم از کم دس میل ہے اور اس میں ٹارچ کی معمولی بیٹھوں استعمال ہوتی ہیں۔

”امر سنگھ....امر سنگھ۔“ اس نے اپنے ایک اسٹینٹ کا نام لیا اور پھر بولا۔

”تم اس وقت کہاں ہو....ٹھیک....اوہ....کسی کو قتل کر دیا....تمہیں یقین ہے.... گر.... تمہیں کیسے معلوم ہوا.... اندازہ.... خیر.... تم جہاں ہو دیں ٹھہرو۔ میں آرہا

ہوں.... اور۔“

وہ خاموش ہو گیا۔

”کیا قصہ ہے۔“ نیلم نے آہتہ سے پوچھا۔

”وہ لوگ اس وقت پھر اُسی عمارت میں داخل ہوئے ہیں۔ امر سنگھ کا بھی خیال ہے کہ وہاں

کوئی پہلے ہی سے موجود تھا، جسے شاید انہوں نے قتل کر دیا ہے۔“

”اوہ....!“

”اٹھو! ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔“

راستہ

بھی انہوں نے عمارت سے کافی فاصلے پر چھوڑی تھی اور اب پیدل ہی چل رہے تھے۔

فریدی نے سڑک بھی چھوڑ دی۔ نیلم نے محسوس کیا کہ وہ اسی طرف جا رہا ہے جہاں سے پچھلی رات وہ ان آٹھوں آدمیوں کی گمراہی کرتی رہی تھی۔

جہاڑیوں کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ یک یہک نیلم چونک پڑی اور پھر اسے ہنسی آئی

کیونکہ چیل کی سی آواز نکالنے والا فریدی نہیں تھا۔ مگر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ چیل کی آواز کی نقل تھی۔ بالکل ایسا یہ معلوم ہوا تھا جیسے کسی چیل نے سوتے سوتے چونک کر ہلکی سی آواز نکالی ہو اور پھر فور آئی اس کا مقصد بھی ظاہر ہو گیا۔ امر سنگھ ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

”کیوں....؟“ فریدی آہتہ سے بولا۔

”کوئی باہر نہیں نکلا۔“

”کتنے ہیں۔“

”آٹھ....!“

”ہیری....!“

”جی ہاں.... وہ بھی ان میں مگر اب کھڑکی کے شیشوں میں روشنی نہیں دکھائی دیتی۔“

”آو....!“ فریدی نے آہتہ سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ عمارت سنان پڑی تھی اور تقریباً

ڈیڑھ یادو فرلانگ کے فاصلے پر رہائشی عمارت کے قریب رکھوالي کے لیشین چونک رہے تھے۔ فریدی عقیقی کھڑکی تک پہنچ گیا تھا اس نے اس کے شیشوں پر ہاتھ پھیرا۔ اور پری شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس نے اندر ہاتھ ڈال کر بے آہنگی چھپنی گرانی اور کھڑکی کے دونوں پت کھول دیئے۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اندر تھا۔ پھر نیلم اور امر سنگھ نے بھی یکے بعد دیگرے اس کی تقلید کی۔ اندر جھیٹکروں کی جھائیں جھائیں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔

فریدی نے محدود روشنی والی تنفسی سی تاریخ روشن کی اور روشنی کا دائرہ سب سے پہلے ایک آدمی پر پڑا جو بے حس و حرکت فرش پر لیٹا ہوا تھا۔

وہ سڑک تھا۔ زخم خیبر ہی کا تھا۔ آنسیں باہر آگئی تھیں اور فرش پر خون پھیلا ہوا تھا۔

فریدی کچھ دیر تک لاش کو دیکھتا رہا پھر دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔ یہ پوری عمارت صرف دو کروں پر مشتمل تھی۔ سڑک کی جانب کا کرہ پچھلے کرے سے برا تھا اور یہاں دو تین ٹوٹی پھوٹی موڑ سائیکلیں موجود تھیں۔ کئی جگہ اوزاروں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی قسم کی چیزیں اور ادھر اور ہر بڑی سے بکھری پڑی تھیں۔

”میرا دعویٰ ہے جتاب۔“ امر سنگھ آہتہ سے بولا۔ ”ایک پرندہ بھی یہاں سے نکل کر نہیں گیا۔“

”مجھے یقین ہے کہ تم غلط نہیں کہہ رہے ہو۔“ فریدی نے کہا۔ اچانک نیلم اچل کر پچھے ہٹ گئی ورنہ وہ تینوں موڑ سائیکلیں اسی پر گری ہو تیں۔ لیکن وہ خود بھی نہ سنبھل سکی اور لڑکھاتی ہوئی اوزاروں کے ڈھیر پر جا گئی۔ گری ہوئی موڑ سائیکل کو کچھ سے ایک نقاب پوش برآمد ہوا تھا، جس کے دابنے ہاتھ میں ریو الور تھا اور باسیں میں تاریخ۔ تاریخ کی روشنی فریدی اور امر سنگھ پر پڑ رہی تھی۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“ وہ سانپ کی طرح ہمچکا رہا۔

نیلم کو یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ فریدی نے اپنے دونوں ہاتھ بے چوں وچرالا ٹھاندی نے تھے۔ اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

نقاب پوش آہتہ آہتہ تاریخ والا ہاتھ دیوار کی طرف بڑھا رہا تھا۔ نیلم نے نہایت اطمینان

سے اپناراؤنی نکلا اور نقاب پوش پر فائز کردی۔ نقاب پوش کے ہاتھ سے تاریخ چھوٹ پڑی اور ساتھی ہی نیلم نے فریدی کی آواز سنی جس نے اسی کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ ”یہ کیا کر رہی ہو... نہیں۔“ تاریخ بچھ گئی تھی اور اب نیلم اوزاروں کے بکھر نے اور چیزوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سن رہی تھی۔

”امر سنگھ سے سنبھالو...!“ فریدی کی آواز اندر ہیرتے میں گونجی۔

اور اب وہ تاریخ نیلم کے ہاتھ آگئی تھی جو نقاب پوش کے ہاتھ سے گری تھی۔ دوسرا سی لمحے میں کمرہ روشن ہو گیا۔

فریدی نے نقاب پوش کو بوج رکھا تھا۔ شاید نیلم کا دار خالی گیا تھا اور فریدی کو اسے قابو میں کرنے کے لئے جدو جہد کرنی پڑی تھی۔

امر سنگھ نے نقاب پوش کو کھینچ کر اٹھانا چاہا لیکن وہ اس کی گرفت ڈھلی ہوتے ہی پھر گر پڑا۔ وہ دراصل بیویوں ہو چکا تھا۔ فریدی نے تاریخ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کہا۔ ”میرا خیال صحیح تھا۔ گوئی نہیں گئی۔ مگر نیلم اس طرح فائزہ جھوک مارا کرو۔“

”پھر کیا کرتی.... اگر وہ آپ پر فائز کر دیتا تو۔“

”میں غافل نہیں تھا.... خیر.... ہاں امر تم کھڑکی کے پاس ٹھہر دو۔ میرا خیال ہے کہ ۶ یہاں تھماں جک نہیں مار رہا تھا۔“

امر سنگھ کچھ کہے بغیر دوسرا سے کرنے کی طرف چلا گیا۔

فریدی اب اس دیوار کا جائزہ لے رہا تھا جس کی طرف کچھ دیر پہلے نقاب پوش نے اس انداز میں ہاتھ بڑھایا تھا جیسے کسی چیز کو ٹوٹوں رہا ہو۔

”آہا....!“ وہ بڑیلیا۔ ”یہ تو گھنٹی کا میٹن معلوم ہوتا ہے۔“

”لیکن یہاں کہیں بجلی کے نار نہیں دکھائی دیتے۔“ نیلم نے کہا۔

”وائزگن دیواروں کے اندر ہو گی ورنہ پھر.... یہ؟“ فریدی نے چھت کی طرف اشارہ کر کے اسے بلب دکھاتے ہوئے کہا۔

”تو وہ اسی میٹن کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ یہی بات ہو گی۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”مگر سوچے سمجھے بغیر اس میٹن

”وازماں بھی درست نہ ہو گا۔ اُوہ... ٹھہر دو۔“

وہ بے ہوش نقاب پوش پر جھک پڑا۔ اس کے چہرے سے نقاب اتاری۔ وہ ایک خوش خلی نوجوان تھا۔

”امر کو بیلواد۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا اور نیلم دوسرا سے کرنے میں چل گئی۔

امر سنگھ کی مدد سے فریدی نے بے ہوش آدمی کے ہاتھ پیارے باندھے اور حلق میں رومال ٹھونس کر ترپالوں کے ڈھیر کے پیچھے ڈال دیا۔

پھر وہ نقاب فریدی کے چہرے پر نظر آنے لگا۔ نقاب ایسی تھی کہ اس کا پورا چہرہ چھپ گیا تھا۔ چونکہ بے ہوش آدمی بھی کامل ہی سوت میں تھا اس لئے لباس کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ فریدی کے جسم پر سیاہ سوت ہی تھا۔

نیلم جیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ فریدی نے روپ اور کارخ نیلم اور امر سنگھ کی طرف کرتے ہوئے آہتہ سے کہا۔ ”تم دونوں اپنے ہاتھ اٹھاوو۔“

اُن دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے، لیکن دونوں ہی کچھ غیر مطمئن سے نظر آرہے تھے۔ فریدی نے دیوار سے لگے ہوئے میٹن پر انگلی رکھ دی اور وہ اس کے دباو سے پیچھے کھک گیا پھر وہ اسے برادر باتا ہی گیا اور نیلم سوچتی رہی کہ دقت برہاد کیا جا رہا ہے۔

وفتناً ایک ملکے سے شور کے ساتھ اسی دیوار میں ایک قد آدم اور تقریباً تین فٹ چوڑی خلاء پیدا ہو گئی۔ اس سے پہلے ہی فریدی نے کرنے کا بلب بھی روشن کر دیا تھا۔

دیوار سے پیدا ہو جانے والی خلاء سے دو آدمی برآمد ہوئے۔

”یہ کون ہیں؟“ اُن میں سے ایک نے نیلم اور امر سنگھ کو گھوڑتے ہوئے پوچھا اور فریدی پر کھانپیوں کا درواہ پڑ گیا۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ پیچھی کھڑکی سے آئے تھے اور یہاں کچھ تلاش کر رہے تھے۔“

”اوہ.... تم کون ہو دسو تو۔“ نیلم اور امر سنگھ سے پوچھا گیا۔

لیکن یہ دونوں خاموش ہی رہے۔

ان دونوں نے بھی روپ اور نیلم لئے اور ایک نے دیوار کی خلاء کی طرف اشارہ کر کے کہا چلوا۔ ”چلو...!“ فریدی بھی بھرائی ہوئی آواز میں غرا کر کھانے لگا۔

یہ دونوں خلاء کی طرف بڑھے اور فریدی ریوال والوں کو روک کر بولا "ان کی علامتی را لو، کہیں ان کے پاس ریوالوں نہ ہوں۔"
"ہاں ٹھہر دیں؟"

امر سنگھ اور نیلم رک گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے ان دونوں پر جست لگائی اور سب سے پہلے ان کے ریوالوں ہی پر ہاتھ مارنے وہ دونوں غافل تھے۔ ریوالوں کے ہاتھوں سے نکل کر دور چاگرے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ ان دونوں کے منہ سے آوازیں بھی نکل سکیں اور پھر ان کا بھی وہی حشر ہوا جو کچھ ذیر پہلے نقاب پوش کا ہو چکا تھا۔

پھر فریدی نے دیوار والی خلاء میں جھاٹک کر دیکھا اور اس طرح سر کو جنبش دی جیسے وہ مطمئن ہوا۔ امر سنگھ نے ان دونوں کو بھی پہلے نقاب پوش کے پاس پہنچا دیا۔ اور اب وہ اس خلاء میں داخل ہوئے، نیچے کافی گہرائی میں زینے چلے گئے تھے۔ لیکن اوپر سے اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا کہ ان کا اختتام کہاں ہوا ہوگا۔

جیسے ہی پہلے زینے سے آخری آدمی کے قدم ہے دیوار برابر ہو گئی۔ فریدی چوتھے زینے پر تھا۔ اس نے مژ کر دیکھا اور پھر نیچے اترنے لگا۔ بیہاں بلکی ہی روشنی تھی، جو نیچے ہی سے آرزو تھی۔ وہ زینے طے کرتے رہے اور پھر جیسے ہی ان کے قدم فرش سے لگے انہیں اپنے سامنے ایک طویل اور نیم تاریک سرگم نظر آئی۔

"انکل..... ہم کہاں جا رہے ہیں..... کیا کوئی دوسرا ہر میں پیدا ہو گیا ہے۔" نیلم نے کہا۔
"اب میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں ساتھ لے جانا مناسب ہے یا نہیں۔"

"میں تو ہر حال میں چلوں گی، انکل خواہ وہاں آگ ہی کی بارش کیوں نہ ہو رہی ہو۔"
"تم بہت ضدی ہو..... خیر..... چلو..... مگر خیال رہے کہ نہ وقت تک فائر کرنے سے

اتراز کرنا جب تک یقین نہ ہو جائے کہ اب تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔"

"میں تھیں کروں گی انکل۔" نیلم بولی اور وہ چلتے رہے۔ سرگم سسان پڑی تھی۔ کچھ دیر بعد

انہیں ایک دروازہ نظر آیا اور اسی دروازے پر سرگم کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ فریدی نے دروازے کو ہلکا سادھا کا دیا۔ گروہ دوسری طرف سے بند تھا اور دوسری طرف سے کسی متحرک مٹین کی آوازیں آرہی تھیں۔ اب فریدی نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دروازہ

نہیں تھا بلکہ پتھر کی سل ان کی راہ میں حائل تھی لیکن اُس پر کیا ہوا رنگ نہیں ایسا تھا کہ لکڑی کا بروازہ معلوم ہو رہا تھا۔ شاید وہ اس کے متعلق غلط فہمی میں بیٹھا رہتا لیکن اُس میں کسی جھری کی فلاں کے سلسلے میں اُسے حقیقت معلوم ہو گئی۔ اب سوال تھا کہ اس رکاوٹ کا دفعیہ کس طرح کیا جائے۔ اس نے اُسے ہلانے ڈلانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ نیلم اور امر سنگھ بھی اسی کے متعلق ہون رہے تھے۔

"یہ یقیناً دروازہ نہیں تھا۔" نیلم نے کہا۔ "اور اسے اور ہر سے کھولنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی بریجہ ضرور ہو گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بظیر غار دروازے اور اس کے قریب کی دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔ اپاٹک دروازہ خود ہی کھل گیا اور دوسری طرف نظر آنے والے آدمی کے طبق سے ایک تھیر آمیزی آواز نکلی۔

"خاموشی سے اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی نے کہا۔ اسکے پھرے پر اب بھی نقاب تھی۔ اس آدمی نے ہاتھ نہیں اٹھائے اس کے چہرے پر بھی نقاب تھی اور وہ نیلم اور امر سنگھ کو ٹھوڑا رکھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی دوبارہ غرباً لیکن نقاب پوش نے فریدی پر چھلانگ لگادی۔ فریدی ایک طرف ہٹا اور نقاب پوش امر سنگھ سے جاگلکرایا۔ خود اس کے لئے تیار تھا۔ اس نے دونوں ہی زمین پر ڈھیر ہو گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں امر نے اُسے اپنی ٹانگوں پر رکھ کر اچھاں دیا۔ وہ اس پر سے گذرتا ہوا دوسری طرف جا گرا۔ پھر اگر وہ بیکل کی سرعت سے اٹھ کر اُس پر نہ جا پڑا ہوتا تو اس نے ریوال اور نکال کر فائر کر دیا ہوتا۔ امر نے پہلے اس کے ہاتھ سے ریوال رچھنا اور پھر اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ امر سنگھ ایک دلیر اور کافی چالاک نوجوان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حریفوں پر کب اور کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔ معمولی حالات میں وہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی ٹابت ہوتا تھا۔ اس وقت بھی نہ تو اُسے خصہ ہی آیا تھا اور نہ وہ بھی نیت رکھتا تھا کہ گلا گھونٹ کر اُسے مار دی ڈالے۔ اس وقت تک اس نے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کی جب تک کہ نقاب پوش کے چواں جواب نہیں دے گئے۔ لیکن جب وہ اسے چھوڑ کر مڑا تو اس نے دیکھا کہ دروازے میں کئی آدمی کھڑے فریدی کو کینہ تو ز نظر وہی سے گھور رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے اور

فریدی ان سے کہہ رہا تھا۔ ”پچھے ہو... ائے چلے رہو۔ اگر کسی نے مڑک پچھے دیکھنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا چلو۔“

وہ ائے چلنے لگے تھے۔ فریدی نیلم اور امر سنگھ آگے بڑھتے رہے۔ مشین چلنے کی آواز اب بہت صاف سنائی دے رہی تھی۔ آخر کار وہ ایک کشاں کرے میں پہنچ گئے۔ یہاں دو آدمی رسیوں سے بلڈے ایک طرف پڑے ہوئے تھے اور دو آدمی شین پر کام کر رہے تھے۔“

”مگذ...!“ فریدی مسکرا لایا۔ ”تو یہ کاروبار ہوا ہے یہاں۔ شباباں... بہت اچھے امر... انہیں سمجھا لو۔“

”ٹھہر...!“ ہاتھ اٹھائے ہوئے نقاب پوش میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”تم کون ہو؟“

”تم مجھے نہ پہچانو تو بہتر ہے۔“ فریدی بولا۔ ”تھاں کافی ہے کہ میں نے ہیری کو پہچان لیا ہے۔ اسے پہچان لیا ہے جس پر انپر شاہد اور مخرب کے قتل کا الزام لگایا جا سکتا ہے، جو ٹکار کے اشیع کاغذ پیش کیا کرتا تھا۔“

”اوہ... پوس...!“ نقاب پوش غریباً۔

”ہاں... ہیری! آج رات تم نے کتنے نوٹ پچاپے ہیں... امر... چلو میری جیب سے ٹھکریاں نکال کر اس کے ہاتھوں میں لگادو۔“

”کون لگائے گا ٹھکریاں... تم دونوں... اور یہ عورت! پوہ۔“ نقاب پوش نے تھارت سے کہا اور اپنے ہاتھ پیچے گرا دیئے، تھیک اسی وقت لوہے کا ایک وزنی سا اوزار فریدی کے ہاتھوں پر آکر لگا اور اس کے ہاتھ سے روپ اور چھوٹ پڑا۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ سب ان تیوں پر آٹوئے۔

”نیلم... پیچھے ہٹ جاؤ۔“ نیلم نے فریدی کی آواز سنی۔

”نیلم دیوار سے جاگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیس نہ پستول نکال کر فائز کرنا شروع کر دے۔ مگر اس ہنگامے میں فائز کرنا مناسب نہیں تھا کہ فریدی یا امر سنگھ رخی ہو جاتے۔ لیکن اس نے پستولوں کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول کو مضمونی سے گرفت میں لے لیا۔ ہو سکتا تھا کہ اسے اپنا ہی خلافت کرنی پڑے۔“

اچانک اس کے ہاتھ سے ایک ہلکی سی جیج نکل گئی کیونکہ اسے اپنی پشت سے دیوار سر کی

علوم ہوئی تھی۔ وہ سنبھل نہ سکی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ فرش پر چلت پڑی ہوئی تھی۔

اس دیوار میں بھی ایک خلاء پیدا ہو گئی تھی اور وہ اسی خلاء سے گذرتی ہوئی دوسری طرف جاگری تھی۔ اس کے سر کی طرف ایک عورت اور ایک مرد کو کھڑے دیکھا۔ دونوں ہی یوریشن معلوم ہوتے تھے۔ مرد کی موچھیں سمجھنی اور براؤن رنگ کی تھیں۔

وہ نیلم پر جھکا ہوا حیرت سے آنکھیں چھڑائے اُسے دیکھ رہا تھا۔ دغنا نیلم کا برااؤن جیب سے باہر نکل آیا اور یوریشن عورت بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی۔ بڑی موچھوں والا بھی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ نیلم بڑی بھرتی سے اٹھی اور ان دونوں کو پستول کی زد میں لیتی ہوئی بولی۔ ”هم صرف تین ہیں، لیکن تم دیکھو گے کہ کس طرح تمہاری مٹی پلید ہوتی ہے۔“

”ہاں... ڈرامہ ہو رہا ہے مادام...“ بڑی موچھوں والے نے یوریشن عورت سے کہا۔ ”یہ لوگ کون ہیں۔“ عورت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”یہ لوگ، جوان تیوں پر یورش کر رہے ہیں مسٹر کریگ کے قائل ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ میں اس لڑکی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں، یہ کرٹل فریدی کے ساتھیوں میں سے ہے۔“

”سیکریٹری...!“ عورت تشویش کن لمحے میں بولی۔ ”تھے تو ہمیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔“

”یقیناً مادام... اپاٹن لڑکی تم اپنے پستول کا رخ اُدھر کر دو۔“

”تم مجھے بے وقوف نہیں بن سکتے۔“ نیلم غرائی۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔“

”ارے... فریدی گر۔“ دغنا نیلم اس کا سیکریٹری جیج اٹھا۔ نیلم بوکھلا کر مڑی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا پستول سیکریٹری کے ہاتھ میں تھا۔

”اب بتاؤ... بے وقوف لڑکی۔“ سیکریٹری ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور لوہی کر گیک اس کی پیچھے ٹھوکننے لگی۔

”چلو...!“ سیکریٹری نیلم کو دھکیتا ہوا اسی کرے میں لے آیا جہاں فریدی اور امر سنگھ مجرموں کی مرمت کر رہے تھے اور ان میں سے کسی کو بھی ابھی تک زیوالوں نکال لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

سیکریٹری نے اپناریو اور بھی نکال لیا۔ ایک فائز ہوا اور پھر صرف سیکریٹری ہی کی آواز سنی گئی جو کہہ رہا تھا۔ ”خبر... دار... تم سب الگ ہٹ جاؤ۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور مادام آپ براہ

کرم ان سکھوں کے چہروں سے نقاہیں ہٹا دیجئے۔“
وہ سب جہاں تھے وہیں رک گئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ بھی اٹھا دیے تھے۔ فریدی اور
امر سنگھ کے ہاتھ بھی نیچے نہیں تھے۔

ایک آدمی کا ہاتھ جیب کی طرف جانی رہا تھا کہ سیکریٹری کے ریو اور سے شعلہ نکلا اور وہ
آدمی کراہ کر دیں ذمہر ہو گیا۔

”ابھی میرے پاس دس فالتو رواؤں موجود ہیں۔“ سیکریٹری نے سرد لبھے میں کہا۔ ”اور
کار تو سوں کی بچت میرے مد نظر نہیں رہتی۔ ہاں مادام ان کی نقاہیں الگ کیجئے..... اوہ... مگر ان
میں کرنل فریدی نہیں۔“

”تمہیں دھوکا تو نہیں ہوں۔“ لوئی کر گیک نے پوچھا۔
”ہرگز نہیں.... اس لڑکی کا نام نیلم ہے اور.... وہ امر سنگھ ہے، امر سنگھ تم ہی ان سکھوں
کی نقاہیں الگ کر دو۔ جلدی کرو، ورنہ تمہیں تو میں آنکھ مار کر مارڈاں گا۔“

یکہ بیک نیلم چوک پڑی۔ وہ آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر سیکریٹری کو گھوڑہ ہی تھی۔
”چلووو.... جلدی.... امر سنگھ۔“

لوئی کر گیک نے بھی محسوس کیا کہ اب اس کے سیکریٹری کی آواز بالکل بدلتی ہے۔
امر سنگھ بڑی تیزی سے مجرموں کی نقاہیں اتار رہا تھا دفعتاً لوئی کر گیک چھپی۔ ”ارے یہ تم
ہو! مشری ہیری... کیپٹن سام کر گیک کے دوست۔“

”ہاں....!“ ہیری غریلی۔ ”اور میں تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھا دوں گا۔“
”ہیری.... کیا تم پھر پلانا چاہتے ہو۔“ سیکریٹری نے ہلاکا ساقہ تھا۔

ایک کے علاوہ اور سکھوں کی نقاہیں اترپکھی تھیں۔ سیکریٹری نے ایک طویل سانس لی اور
نقاب پوش کی طرف دیکھنے لگا۔ اب نقاب پوش نے خود ہی اپنی نقاب الگ کروی۔

”کرنل....!“ لوئی کر گیک اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔
”ہاں اور تم اس کاروبار سے واقت تھیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کس کاروبار سے۔“
”یہاں سوروپے کے نوٹ چھاپے جاتے رہے ہیں۔“

”میں نہیں جانتی تھی کہ قتل یقین کیجئے۔ میرے سیکریٹری سے پوچھ لیجئے۔ میں تو یہ بھی نہیں
جانتی تھی کہ اس عمارت کے نیچے تہہ خانے ہیں۔ یہ تہہ خانے بھی میرے سیکریٹری ہی نے
دیکھا کے تھے۔“

”سیکریٹری سے میں بعد میں سمجھوں گا۔ فی الحال تمہیں بھی یہیں سے قیدیوں کی طرح
میرے ساتھ چلانا پڑے گا۔“

ہیری کا قہقہہ تہہ خانے کی فضائیں گوئی اٹھا۔ اس وقت امر سنگھ اس کے ہتھیاریاں لگا رہا تھا۔
اس نے اس کے خلاف ذرہ برابر بھی جو جہد نہیں کی۔

”آپ مجھے مجرموں کی طرح کیوں لے جائیں گے۔“ لوئی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
”اگر آپ مجرموں کی طرح جائیں گی تو میں یہیں خود کشی کر لوں گا۔“ سیکریٹری نے نیلم
والا پستول اپنی باہمیں کپٹی سے لگاتے ہوئے کہا۔



”اوہ....!“ فریدی نے مجرموں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جن کے ہتھیاریاں لگائی جائیں
تھیں۔ ”نہیں.... میں تمہیں خودکشی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ امر سنگھ اس کے بھی ہتھیاریاں لگا دو۔“

”یہ کپتان صاحب ہیں جتاب.... میں نے پہچان لیا ہے۔“ امر سنگھ بولا۔

”کوئی صاحب بھی ہوں۔“ فریدی کا لہجہ بہت سرد تھا۔ ”یہ مجرموں ہی کی طرح کو تو انہیں تک
لے جائے جائیں گے کیونکہ میں انہیں صرف لوئی کر گیک کے سیکریٹری کی حیثیت سے جانتا
ہوں۔ ویسے اگر یہ اپنے متعلق ٹکھے کے پرمنڈنٹ کو اٹھیتاں ہو لے کے تو ان کی ہتھیاریاں کھال دی
جائیں گی۔“

وفتنہ سیکریٹری نے گرج کر کہا۔ ”ہینڈز اپ“ اور فریدی نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے۔ نیلم اور امر
سنگھ نے بھی تقدیم کی۔

”مادام واپس چلنے۔“ سیکریٹری نے کہا اور بچھلی دیوار کی خلاف کی طرف ہنٹے لگا۔ پھر دیکھتے ہی
ویکھتے وہ خلاء میں داخل ہوئے اور دیوار برابر ہو گئی۔ ہیری جرت سے آنکھیں چھاڑے دیوار کی
طرف دیکھ رہا تھا۔

”بالکل ہی گدھا نہیں ہے۔“ فریدی مکرایا۔

وہ کون تھے

دوسری بحث سام کر گیک کی کوئی پولیس والوں کے بھاری بھر کم جو توں کی آواز سے گونج رہی تھی۔ فریدی نے سارے تہبہ خانے کے راستے کھول کر رکھ دیئے تھے۔ لوئی کر گیک کوئی کی کپاڈ میں پولیس کے نسب کے ہوئے ایک خیہے میں مقیم تھی۔

سپرمنڈنڈ فاروقی بہت زیادہ مشغول نظر آ رہا تھا۔ وہاں دو محشریت بھی موجود تھے جو تہہ خانوں سے برآمد کی ہوئی اشیاء کی فہرست تیار کر رہے تھے، لیکن وہ سب ہی فریدی کی مفصل روپورٹ کے لئے بے میں تھے۔

اور فریدی باہر ٹھیٹ میں لوئی کر گیک سے لگنگو کر رہا تھا۔

”میں آپ سے زیادہ آپ کے اسٹھن کی معنوں ہوں کر قتل صاحب! انہوں نے کس طرح مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں ان پر اعتماد کروں، ورنہ دنیا کی کوئی قوت مجھے سے اس پر اسرار میٹنے پر کے متعلق کچھ نہ معلوم کر سکتی جس پر سرخ رنگ کا بلب لگا ہوا تھا۔“

”لیکن آپ نے مجھے اس کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا۔ کیا آپ پر قانون سے تعاون نہ کرنے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔“

””مجبور تھی جناب! آپ کے اسٹھن میں نے مجھے اس سے باز رکھا تھا۔ ورنہ میں نے تو تھی کر لیا تھا کہ آپ کو اپنے باپ کی پر اسرار خواب گاہ کے متعلق ضرور بتا دوں گی۔“

”خیر....! فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ آپ کو یقین ہے تاکہ آپ اپنے بیان میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ محسوس کریں گی۔“

”میرا بیان حقیقت پر مبنی ہے اس لئے اس میں کبھی تبدیلی نہ ہو سکے گی۔“

””مجھے خدا شہر ہے کہ آپ کو یہ عمارت چھوڑنی پڑے گی۔“

”میں سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہو۔ اپنی محنت سے روزی حاصل کر کے زندگی بیس کروں گی۔“

””نہیں... میرا خیال ہے کہ صرف یہ کوئی ساز و سامان سمیت ضبط ہو جائے گی۔“

””مجھے بے حد خوشی ہو گی۔“

فریدی پھر عمارت میں واپس آگی۔ سوپر فاروقی بہت بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

لنج کے بعد وہ سب اسٹھن میں جمع ہوئے اور فریدی نے انہیں تفصیل سے بتانا شروع کیا۔

”سام کر گیک نے بڑی چالاکی سے اپنا گروہ ترتیب دیا تھا۔ اس کے ساتھی اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ وہ ان سے الگ رہ کر بھی اس بزنس کو کٹزوں کر سکتا تھا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ یہاں جعلی نوٹ چھاپے جاتے تھے، جو یہاں سے ایک ہمسایہ ملک میں اسکل کروئے جاتے تھے اور وہاں سے ان کے غوض سوٹا اسکل ہوتا تھا۔ وہاں سے وہ نوٹ مشرق و سلطی میں جاتے تھے جہاں ان کی قیمت اصل سے ڈینڈھ گئی بڑھ جاتی تھی۔ سام کر گیک ان کے غوض سوٹا صوب کر لیتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ نوٹ یہاں نہیں چلائے جاتے تھے ورنہ سام کر گیک کا بزنس اتنے دنوں تک نہ پھولتا پھلتا رہتا۔ سام کر گیک کے آدمی جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے ذمہ مختلف کام ہیں۔“

”مجھے افسوس ہے کہ ملکہ سراغِ رسانی تک میں اس کے آدمی موجود تھے۔ نگار کا مسخرہ اسی کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ ملکہ سراغِ رسانی کا ایک آفیسر بھی تھا اور وہ حقیقتاً وہاں سام کر گیک ہی کے لئے کام کر رہا تھا۔ اب سننے.... مجرموں کے ایک دوسرے گروہ کو کسی طرح اس منفعت بخش بزنس کا علم ہو گیا اور اس نے کوئی شروع کر دی کہ کسی طرح اس پر وہ خود قابض ہو جائے۔ اس گروہ کا سربراہ ہیری تھا۔ اور بد قسمتی سے اس کے گروہ کا ایک آدمی بھی ملکہ سراغِ رسانی سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ میرا اشارہ لپکٹر شاپر کی طرف ہے۔ اے علم تھا کہ سرس کا مسخرہ جعلی نوٹوں کا بزنس کرنے والوں ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہر سام کر گیک کو بھی شاید علم ہو گیا تھا کہ ہیری اس کے بزنس پر نظر رکھتا ہے، لہذا اس نے اس کا قلع قلع کرنے کے لئے اپنے گروہ کا کچھ حصہ وقف کر دیا۔ یہ لوگ ان جگہوں پر پھیل گئے جہاں جہاں ہیری کی ریشن دوائیوں کا امکان ہو سکتا تھا۔ چنانچہ نگار تھیز بھی ایک ایسی ہی جگہ تھی۔ نگار تھیز کا منیجر سام کر گیک کا آدمی ہے اور وہ بھی اس بزنس میں شریک رہا ہے۔ تھیز کے مسخرے کا کام یہ تھا کہ وہ علانیہ اپنی روپورٹ کی ایسے آدمی کو دیتا تھا جسے وہ جانتا نہیں تھا۔ ہاں سام کر گیک کے گروہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے آدمی ایک دوسرے کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ مثلاً اگر کسی کو ایک کام سونپا گیا ہے تو وہ صرف اسی کو کرتا رہے گا لیکن اس کا علم نہیں ہو گا کہ اس کام کی اطلاع دوسروں تک پہنچانے والا کون ہو گا۔ مثال کے طور پر اسچ کے مسخرے ہی کوئے لجھے۔ وہ دن بھر کی روپورٹ رومانی روز ناچے کی شکل میں پیش کرتا تھا۔ جسے اس کے ساتھی بڑی دلچسپی

سے پڑھتے تھے اور انہی میں ایک آدمی اپنی بھی تھا جو اس تحریر سے مخصوص تم کے بیانات نوٹ کرتا تھا لیکن مسخرہ اس آدمی سے واقع نہیں تھا وہ اتنی محنت سے وہ روز نامچ کیوں مرتب کرتا۔ ظاہر ہے کہ وہ روز نامچے آسانی سے نہیں لکھے جاسکتے۔ ہاں اگر وہ اس آدمی سے واقع نہ تھا تو اتنے پا پڑھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ وہ خود ہی بالمشافہ اُسے اپنی روپورٹ دے سکتا تھا۔ ان روپورٹوں میں صرف فوجی ہی کے متعلق ساری باتیں ہوتی تھیں، بہر حال میں ان سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کچھ آدمی نگار کے فوجی کے پیچھے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہیری ہی کے آدمی رہے ہوں گے۔ دراصل سام کریگے نے یہ انتظام اس لئے کیا تھا کہ فوجی کی خفاظت کی جاسکے۔

فریدی سانس لینے کے لئے رکاوی تھا کہ فاروقی بول پڑا۔ ”خدا کے لئے اب توہتا بیجے کہ ان کاغذات میں روپورٹ میں کہاں ہیں۔“

”ٹھہریے۔“ فریدی مسکرا کر اپنا فائیل التباہ ہوا بولا۔ ”یہ لججھے... اس صفحے کی تحریر کو بلند آواز سے پڑھ جائے۔ پھر میں بتاؤں گا۔“

فاروقی نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ ایک عشقیہ کو اس تھی لکھنے والے نے کسی رات کا تازگہ کیا تھا جب اس کی محبوبہ نے اس کے ساتھ شراب پیتے اور رقص کرنے سے انکا کر دیا تھا۔

سننے والوں نے بہت بُرا سامنہ بنایا اور فریدی کو اس طرح گھوڑنے لگے جیسے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

”اب مجھ سے سننے۔“ فریدی نے کہا۔ ”پیغام یہ ہے۔ پہلی رات ٹوپی اور بلنکر فوجی کے دفتر میں گھٹے تھے اور اس کے سارے کاغذات الٹ پلٹ ڈالے تھے، لیکن شاید انہیں وہ چیز نہیں ملی جس کی تلاش تھی۔“

”اس میں یہ پیغام کہاں ہے؟“ فاروقی بیساختہ بولا۔

”ہے۔“ فریدی مسکرا لیا۔ ”یہ سارے صفات پُنل سے تحریر کئے گئے ہیں۔ ذرا غور کیجئے۔ بعض الفاظ کے اکثر حروف دبایا کر لکھے گئے ہیں یعنی تحریر کئے گئے ہیں۔ ذرا غور کیجئے۔ صرف روشن حروف کو عیختہ کر کے ایک جگہ اکٹھا کر دیجئے۔ یہی پیغام ہیں جائے گا جو میں نے ابھی عرض کیا ہے۔“

”میرے خدا....!“ فاروقی بے ساختہ اچھل پڑا۔ ”کتنی معمولی ہی بات تھی، لیکن میری سمجھ میں نہ آسکی۔“

”اس طرح اور بھتیرے پیغامات ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”اور ان سمجھی میں ہیری کے قدر خانے کی جانب اشارے لئے ہیں۔ بہر حال ان کاغذات کی اہمیت مجھ پر اسی وقت واضح ہوئی تھی جب شاہد قتل کر دیا گیا تھا اور کسی نے ان کاغذات کے بارے میں میری رائے معلوم کرنی چاہی تھی اور فون پر خود کو پرمند نہ فاروقی ظاہر کیا تھا۔ خیر شاہد تو اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ میں نے ان کے متعلق شہری تھا۔ بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ گھبرا کر نگار تھیز سے بھاگ کرہا ہو اور نگار تھیز کے خلاف جو کیس بنایا گیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ نگار کا فوجی سر ایسہ ہو جائے اور اس سے اسکی حرکتیں سرزد ہوں، جو اس مقام تک ہیری کے گردہ کی رہنمائی کر سکیں جہاں نوٹ چھاپنے کی مشین تھی یا جو برسن کا سر کر تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ انہیں دونوں سام کریگ مرتضی گیا اور ان کی موت حقیقتاً نگار ہی سے واپسی پر واقع ہوئی۔ شاہدنے وہیں سے ایک کیس بناؤ لا اور نہ میرا خیال ہے کہ ہیری کو بھی محض شہری تھا کہ سام کریگ اس برسن کا ہیڈ ہے یقین نہیں تھا اسے، ورنہ وہ اُسے کسی نہ کسی طرح قابو میں کرنے کی کوشش کرتا۔ اُسے دراصل شبہ ہوا تھا۔ سام کریگ کی موت کے بعد جب کسی مشتبہ آدمی کو اس نے سام کریگ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی کے پیچھے لگ کر وہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں نوٹ چھاپنے کی مشین لگی ہوئی تھی۔“

”لیکن یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سام کریگ کے آدمی یہ نہیں جانتے تھے کہ وہی ان کا سر برہ ہے؟“ کسی نے سوال کیا۔

”کیوں کہ سام کریگ کی موت کے بعد بھی اس کی خواب گاہ میں چھپے ہوئے میلی پر نظر پر اس کے لئے پیغامات آتے رہے تھے لیکن ٹھہریے میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ سارے ہی آدمی اس سے ناواقف تھے، زیادہ تر ناواقف تھے۔ مجھے ابھی تک پچاس آدمیوں میں سے صرف دو ایسے مل سکتے ہیں جو جانتے تھے کہ سام کریگ ہی ان کا ہیڈ ہے۔ ایک ہے نگار کا فوجی اور دوسرا ایک معمولی حیثیت کا آدمی۔ سام کریگ نے اس کو ٹھی کی کمپاؤنڈ میں ایک معمولی ہی عمارت بنوائی تھی جو صرف دو کروڑ پر مشتمل ہے۔ اُسے کریگ نے ایک آدمی کو گرانے پر دے دیا، جو موڑ سائیکلوں

کی مرمت کا کام کرتا تھا اور یہ دوسرا آدمی موڑ سائکل کی مرمت کے کارخانے میں ایک گھٹیاں
حشیت کا ملازم تھا، لیکن نوٹ اس کی نگرانی میں چھپتے تھے اور اس عمارت کی کنجی اس آدمی کے پاس
رہتی تھی اور یہ تو آپ دیکھے ہی چکے ہیں کہ اس عمارت سے تمہارے خانوں کا راستہ شروع ہوتا ہے۔
سام کر گیکہ ظاہر خود کو اس دہنے سے بالکل الگ تھلک رکھتا تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ ایک ایک
چیز پر اس کی نگاہ رہتی تھی۔ اپنی خواب گاہ میں بیٹھے بیٹھے ہی اُسے علم ہو جاتا تھا کہ نوٹ چھاپے کا
کام کب شروع کیا گی اور کتنے نوٹ چھاپے گئے۔ جیسے ہی نیچے مشین حرکت میں آتی خواب گاہ کے
میثل پیس والا سرخ بلب روشن ہو جاتا اور حرکت کرتے ہوئے ہندے چھپنے والے نوٹوں کی
تعداد بتاتے رہتے۔”

”مگر ہیری کے متعلق آپ کو یقین کیسے ہوا تھا کہ وہ دوسرے گروہ کا سر برآ ہے۔“ سو
فاروقی نے پوچھا۔

”وہ... وہ ویٹر جو آپ کی قید میں ہے... دراصل اس بے چارے نے اس کیس کے سلسلے
میں میرا بہت ہاتھ بٹایا ہے۔ وہ بھی سام کر گیکہ ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور میرے پیچے اس
لئے گا تھا کہ ان کا نفاذ کو واڑا۔“

فریدی نے ویٹر کے متعلق بتانا شروع کیا کہ کس طرح وہ اُسے پکڑ کر ریخت ہوئی سے ایک
کینے میں لے گیا تھا۔

”اوہ پھر....!“ اس نے کہا۔ ”یہ حقیقت ہے کہ وہ میرے اس رویہ پر اپناز ہنی تو ازن کو
بیٹھا تھا۔ ہر وہ چیز جو کسی آدمی کے لئے قطعی غیر متوقع ہوتی ہے اس کے اعصاب پر ایک خاص
بقم کا اثر ڈالتی ہے جس کے تحت وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی اصلاحیت سے بہت جاتا ہے۔ یعنی مثال
کے طور پر کوئی آدمی آپ کے خلاف بھرا بیٹھا ہے اور اسے تو قع ہے کہ آپ آتے ہی اس پر ہاتھ
چھوڑ دیں گے لیکن اس کے برخلاف آپ نہایت محبت کے ساتھ اُسے سگریٹ پیش کرتے ہیں
وہ فور آئی جذباتی کٹکش میں جتلتا ہو جاتا ہے۔ ابھی تک وہ آپ کے لئے غصہ اور نفرت لئے بیٹھا تھا
لیکن آپ کے رویے نے ان جذبات کے بر عکس ایک تیرا جذبہ اس کے ذہن پر مسلط کر دیا۔
ظاہر ہے کہ اس فوری جذباتی تغیر کا اثر ستم پر ضرور پڑے گا اور اس کے رویے میں ہیری
تبديلیاں ظاہر ہوں گی۔ مثلاً وہ ہکلائے گا۔ جھینپے گا اور کبھی اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے کی

جھلاتھ کا پر تو نظر آئے گا۔ وہ خود بھی اپنے اندر ان تبدیلیوں کو محسوس کرے گا لیکن جتنا بھی وہ
ان کے متعلق سوچے گا اتنا ہی نہ سوتا چلا جائے گا پھر اسے ذہنی کرب سے چچھا چھڑانے کی
صرف ایک ہی صورت نظر آئے گی۔ وہ یہ کہ وہ آپ سے ہم آہنگ ہو جائے۔ خود کو آپ کے
رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ یہی حال اس ویٹر کا بھی ہوا وہ سمجھا تھا کہ ہوش میں آنے پر وہ اپنے
ہاتھوں میں ہتھڑیاں دیکھے گا لیکن اس کے بجائے اس نے اپنا طیر ہی تبدیل پیا۔ اور پھر....
جب میں اُسے ایک دوسرے ریستوران میں لا کر اس کی خاطر مدارت کرنے لگا تو وہ بالکل ہی
زوس ہو گیا۔ بس پھر میں نے سیسہ پکھلتے دیکھ کر اُسے سانچے میں ڈھانا شروع کر دیا۔ میں نے اس
سے کہا کہ میں نے اس کی ٹھلک اس نے تبدیل کر دی ہے کہ وہ اپنے کسی آدمی کی گولی سے
محفوظ رہنے۔ اس پر اس نے بتایا کہ میرا خیال صحیح تھا۔ گروہ کا ہر فرد جانتا ہے کہ وہ جب بھی پولیس
کے ہاتھوں میں پڑا، بیان دینے سے پہلے ہی کسی نہ طرح مارڈالا جائے گا۔ اس کے بعد اس نے
سب کچھ اگل دیا، لیکن وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ گروہ کا ہیڈ سام کر گیکے ہے۔ لیکن ہیری اور اس
کے ارادوں سے واقع تھا۔ ہیری بھی جانتا تھا کہ گروہ والے عام طور پر اپنے سر برہ سے واقع نہیں ہیں
اس نے اگر بزنس پر آسانی سے اس کا بقصہ ہو جاتا تو گروہ والوں کو اس تبدیلی کا بھی علم نہ ہوتا۔“

بیکھے لوگ خاموشی سے فریدی کی تقریر سن رہے تھے جب وہ خاموش ہوا تو فاروقی نے
کہا۔ ”ان لوگوں نے بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر سونا اسمبلی کیا ہے تمہارے خانوں سے جو سونا برآمد ہوا ہے،
اس کی قیمت کم از کم ڈھانی کروڑ ضرور ہو گی۔“

”اگھی نہ جانے کتنی گرفتاریاں باقی ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن واضح رہے کہ وہ ویٹر جو آپ کی
قید میں ہے وعدہ معاف گواہ بنایا جائے گا۔“

”تو نہاد والے قتل کا ذمہ دار آپ کے ٹھہراتے ہیں۔“

”سو فیصد ہیری کو.... جب شاہد کو اس حق اصلاحیت کا علم ہو گیا تھا تو اس کے علاوہ اور کیا کہا
جا سکتا ہے۔ ہیری ہی کے کسی آدمی نے رانقل لوڈ کی ہو گی۔“

اس کے بعد پھر ضابطے کی کاروائیاں شروع ہو گئیں اور فریدی جس کا کام قریب قریب ختم
ہو چکا تھا ہوئیں واپس آگئے۔ لیکن حید سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ تو اس ڈر سے بھاگا
پھر رہا تھا کہ فریدی کہیں بختی سے باز پر س نہ کرے کہ اس نے اُسے اطلاع دیئے بغیر لوگی پر

ڈورے کیوں ڈالے تھے۔
نیلم موجود تھی، فریدی کو دیکھتے ہی وہ مسکرائی۔
”میرے خیال سے آپ بابا کو معاف کر دیجئے۔“ اس نے کہا۔
”وہ ہے کہا؟“
”پتہ نہیں..... مگر.....!“

”میں اب اچھی طرح اس کی خبر لوں گا۔ ٹھک آگئیا ہوں۔ اگر میں کسی کام پر لگاتا ہوں تو دم نکنے لگتا ہے اور خود مجھے اطلاع دیے بغیر کوئی میں چھلانگ لگادے گا۔ آگ میں کو دپڑے گا۔ اگر اس نے مجھے سام کر گیک کی خوب گاہ کے میثل پیس کے متعلق پہلے ہی بتا دیا ہوتا تو اس کیس میں اتنی دیر کیوں لگتی اور پھر یہ کیس ایسا تھا کہ اُسے اپنی تفہیش کی روپورث باشناط طور پر دینی چاہئے تھی۔ کیونکہ اس میں مجھے کے دو آفسر بھی ملوث تھے۔ میں یق کہتا ہوں کہ اگر پچھلی رات وہ ہاں سے کھکھی نہ کیا ہوتا تو مجھے س کے ہاتھوں میں بھی جھکڑیاں ڈالنی پڑتیں۔“

”اوہ..... تو اسی نے آپ نے کہا تھا کہ بالکل گدھانہیں ہے۔“

ختم شد

جاسوی دنیا نمبر 69

ٹھنڈی آگ

(مکمل ناول)

پیش رس

اس کتاب کا پیشرس کسی کے اس مقولے سے شروع کر رہا ہوں کہ
”دیر آید درست آید“
فی الحال جو کچھ بھی ہے حاضر ہے۔

میں ان تمام دوستوں کا بیحد مذکور ہوں جنہوں نے لاہور کے ایک
پبلشر کی اس غیر قانونی حرکت کے سلسلے میں مجھے خطوط لکھے ہیں کہ اس نے
میرا ناول ”طوفان کا اغوا“ بعض ناموں کی تبدیلی کے ساتھ پیش کر کے
شرافت کا نیاریکارڈ قائم کیا ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ اس نے یہ اقدام میری
اجازت حاصل کئے بغیر کیا تھا اور اس سلسلے میں ان تمام لوگوں کے خلاف
قانونی کارروائی کی جا رہی ہے۔ جنہوں نے غیر قانونی طور پر اس کتاب کی
طباعت اشاعت اور فروخت میں حصہ لیا ہے۔

خیر چوڑی یہ سب تو ہوتا ہی رہتا ہے..... اس بار آپ کیپن حمید
سے براہ راست گفتگو کر سکیں گے۔ کیوں کہ وہ خود ہی براہ راست آپ کو
مخاطب کر رہا ہے۔ اپنے مخصوص انداز میں اس نے کیسی پھل جھریاں
چھوڑی ہیں۔ اس کا اندازہ تو آپ کہانی پڑھ کر ہی لگا سکیں گے۔ کہانی بھی
حیرت زدہ کر دینے والی ہے۔ اس کہانی سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ
کریل فریدی اور کیپن حمید کس طرح مکجا ہوئے تھے۔ یہ واقعہ دلچسپ بھی
ہے اور بڑی حد تک درد آنگیز بھی۔ مگر حمید ہی اس ٹریجڈی کا پس منظر بھی
آپ پر واضح کر دے گا۔

ابن صنفی

میز پر لاش

یقین کیجئے یا نہ کیجئے کہ آج میں یعنی کیپن حمید آپ سے براہ راست مخاطب ہوں....
براہ راست مخاطب کرنے کی یوں ضرورت پیش آئی کہ تذکرہ نویسوں نے (میں ان کی نیت پر شبہ
نہیں کرتا) یا تو میرے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں کیا یا پھر آپ ہی نے ان کی تحریروں سے غلط
مطلوب اخذ کئے ہوں۔ دیے میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اکثر میری تفریحات کے تذکرے
مبالغہ آمیز ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ یہ تو سوچنے کہ زیب داستان کے لئے بھی تو کچھ نہ کچھ ہونا ہی
چاہئے۔ لہذا مجھے اپنے تذکرہ نویس صاحب سے اس سلسلے میں کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں تو
در اصل یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے متعلق کوئی غلط رائے نہ قائم کریں۔ دیے اگر آپ نے کر بھی
لی تو میرا کیا گا لیں گے.... جی ہاں۔

خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہید کے طور پر بھی تو کچھ ہونا
چاہئے۔ اب یوں ہی گفتگو کیسے شروع کر دی جائے۔ پھر کیا میں یہ لکھتا کہ اپنی یہ کہانی میں خود ہی
بیان کروں گا۔ جو کچھ کرنا ہے کر لیجئے؟ کیا میں آپ سے کمزور ہوں۔ آپ خود سوچنے اپنی کہانی اپنی
زبانی سے بیان کرنے میں کتنا لفظ آتا ہے اور کون نہیں چاہتا کہ دس آدمیوں میں بیٹھ کر اپنی
انیاں بیان کرے.... جس کے پاس اپنی کہانیاں نہیں ہوتیں وہ گھر تاہے ایسی کہانیاں جو کسی
مالی میں دوسروں کو مرجوب کر سکیں۔ مثلاً اگر آپ جوان ہیں تو اپنے عشق کی ایسی داستانیں
ماہیں گے کہ سننے والے اپنا دن کا چین اور راتوں کی نیند جرام کر بیٹھیں۔ اگر آپ بوڑھے ہیں تو
چنانیام تحصیلداری کے ایسے قسم نہیں گے کہ جیسے آپ سے براہ تحصیلدار آج تک پیدا ہی نہ

ہوا ہو۔ اگر آپ بچے ہیں تو اپنی بہادری کی ڈیگنیں اس طرح مدتے پھر سے جیسے آپ وہی ہیں
جسے یہ رغبہ اپنے گھونٹے میں اٹھا لے گیا تھا اور بعد کو آپ رتم کے پروادا کہلاتے تھے۔
بہر حال بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنی کہانی خود ہی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بہترے
حضرات یہ جانتا چاہتے ہیں کہ میں اور کرنل کب اور کن حالات میں سمجھا ہوئے تھے۔ چلنے پہلے ہی
کن لیچے۔ میں نے بی۔ اے کیا تھا اور امہارے میں پڑھ رہا تھا کہ تیسری جنگ شروع ہو گئی۔ میرے
باپ ایک بہت بڑے زمیندار اور تاج برطانیہ کے وفادار ترین لوگوں میں سے تھے انہوں نے
گاؤں سے رنگ روٹھ بھرتی کرنے شروع کئے۔ وہ فخر یہ لوگوں سے کہتے کہ وہ حکومت کے اتنے
وفدادار ہیں کہ اس کی مدد کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ایک بار کسی ہم چشم نے کہہ دیا کہ خان
صاحب تمہارا بھی توجہان بیٹا ہے اسے فوج میں بھرتی کراؤ۔ جب ہم کمیش گے کہ کتنے وفادار
ہو۔ چنانچہ آگیا جلال خان صاحب کو اور مجھے اسی دن حکم دیا کہ میں کمیش لے لوں۔ میں نے
فتمیں کھائیں کہ میں قطعی اس قابل نہیں ہوں۔۔۔۔۔ یقین نہ آئے تو استاد تھہرہ مراد آبادی سے
پوچھ لیجئے کہ میں نے حال میں شاعری شروع کی ہے اور استاد بن خاں سے ستار بجا ہا بھی سیکھ رہا
ہوں گر کون سنتا ہے فخان درویش۔

کمیش لینا پڑا۔۔۔۔۔ جب تک کسی محاذ جنگ پر نہیں جانا پڑا اول ہکھول کر عیش کئے۔ یقین بچھے
کہ کئی سال اور ہر اور کمپوں میں بسر ہوتی رہی، اور میں دعا میں مانگتا رہا کہ کسی طرح لڑائی ختم
ہو جائے اور میں میدان جنگ کی صورت دیکھے بغیر ہی عازی ساجد حمید بن جاؤں۔۔۔۔۔ مگر توبہ
کچھ۔۔۔ ایک دن ہکھلونے بنانے والا جاپان بھی جنگ میں کوڈ پڑا اور مشرق یورپ میں بھی محاذ جنگ
قائم ہو گیا۔

بہر حال مجھے تو اسی وقت یقین ہوا کہ ہکھلونے بنانے والا جاپان بھی جنگ میں کوڈ سکتا ہے
جبکہ میرے یونٹ کو مشرق کے کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ کیا جانے لگا۔
گروں میں بیٹھ کر جنگ کی خبریں سننا اور پڑھنا اور بات ہے لیکن آپ تصور بھی نہیں
کر سکتے کہ میدان جنگ کس چیزیا کا نام ہے۔ آپ کسی کی فتح اور شکست پر بغلیں تو جاسکتے ہیں لیکن
شکست کھانے والے تو الگ رہے خود فاقحین سے پوچھئے کہ ان پر کیا گذرنی ہے۔ کیا ان کے ہاتھ
اس قابل رہ گئے ہیں کہ وہ بغایتی ہی بجانے کے کام آسکیں۔

آپ یہ نہ سمجھے گا کہ اب میں میدان جنگ کا نقشہ سمجھ کر آپ کو بور کروں گا میں تو یہ بتا
چاہتا ہوں کہ میں ایسا کیوں ہوں۔ میں ہر وقت قیقبے لگاتا کیوں چاہتا ہوں۔ مجھے ہر وقت تفریح کی
لاش کیوں رہتی ہے۔ میں اکثر سجدہ گی کے موقع پر بھی غیر سجدہ کیوں نظر آتا ہوں؟ اور
یقینہ ذرا میری بچپنی زندگی میں جھائکنے کی کوشش کیجئے۔

میں جس نے شاعری شروع کی تھی۔۔۔۔۔ میں جو آڑنک خیالات رکھتا تھا۔ میں جس نے
تاریخ میں شروع کیا تھا۔ زبردستی جنگ کے میدان میں دھکیل دیا گیا۔ میں نے طالب علمی کی
زندگی میں کبھی بھولے سے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ فوجی بنوں گا۔ (یہ اور بات ہے کہ فلمی ہیرہ
بننے کے خواب میں نے بکثرت دیکھے ہوں) ہاں تو بالکل غیر متوقع طور پر اور دل پر جر کر کے میں
نے یہ لائن اختیار کی تھی۔ اگر نہ کرتا تو میرے والد خان اپنی دھمکی کے مطابق نہ زندگی بھر میری
فل دیکھتے اور نہ میری شادی بچھوں پور کے جاگیر دار کی لڑکی سے ہو سکتی جو مجھے بہت اچھی لگتی
ہی۔ وہ میری محل دیکھتے یا نہ دیکھتے اور میں کسی دوسرا سے جاگیر دار کی لڑکی سے شادی بھی کر سکتا
ہاں کوکہ ہر لڑکی لڑکی ہی ہوتی ہے لڑکا نہیں۔ رہا چھی لگنے کا سوال تو کچھ دنوں کے بعد ہر لڑکی
پھی لگنے لگتی ہے خواہ وہ کوتار کا پہنچا ہی کیوں نہ ہو۔ میں دراصل صرف ایک بات سے ڈرتا
ا۔۔۔۔۔ وہ صرف اتنی سی تھی کہ اگر جیب خرچ بند ہو گیا تو میں کیا کروں گا۔ والد خان پکھا ایسے ہی
دی تھے جو کہتے کر گزرتے تھے بلکہ پہلے کر گزرتے تھے پھر کہتے تھے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کشت و خون قتل و غارت گری نے میری زندگی میں مایوسیاں بھر
لیں۔ میں بے تھا شراب پینے لگا تھا اور عورتی میں میری زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھیں۔
پر یقین بچھے میں اتنا بد نام ہو گیا تھا کہ سزا کے طور پر میرا درجہ گھنادیا گیا۔ یعنی سینڈ لیفٹنیٹ
سے مار جست بنا دیا گیا۔ لیکن مجھے اس کی بھی پروواہ نہیں تھی۔ کیونکہ میری انگلی سے مزراں نکال
باہرے زبردستی را تقل کے ٹریگر پر رکھ دیا گیا تھا۔ اسی دوران میں سنگا پور میں تین لڑکیاں
لگ کر ایں۔ اتفاق سے وہ جاپانی جاسوس تھیں۔ ان کا راز اتفاقاً مجھے معلوم ہوا۔ اس میں میری
خششوں کو دخل نہیں تھا۔ اس کے بعد ہی مجھے ملٹری کی سیکریت سروس میں لے لیا گیا۔ مگر عہدہ
غفارہ سارجنٹ کا۔ ان لڑکیوں کے ذریعہ ایک بہت بڑے گروہ کی گرفتاری عمل میں آئی جو منظم
و پر جاپان کے لئے کام کر رہا تھا۔ پھر کچھ ہی ذنوں کے بعد جنگ ختم ہو گئی اور مجھے جیسے ہزاروں

تمیں مار خال غازی کہلاتے۔

لیکن یقین بچھے کر میں پھر گمراہ پس نہیں گیا۔ سنگپور سے واپسی پر میرے ایک شناسنے ہو جائے۔ میرے عی گاؤں سے تعلق رکھتا تھا اپنی اور میری واپسی کی اطلاع اپنے گمراہوں کو دو دی تھی۔ والد خان جن سے عرصہ سے خط و کتابت بند تھی اس اطلاع پر مجھے رسیو کرنے دوڑے چلے آئے، مگر میں نے انہیں نہیں پہچانا۔ پہچانے سے انکار ہی کرویا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے بچھی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا کہ میں نے انہیں اس سے پہلے بھی دیکھا ہی نہیں اگر انہوں نے خواہ مخواہ میرا باپ بننے کی کوشش کی تو میں ان کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ واڑ کروں گا۔ والد خان اس پر بغلیں جھانکنے لگے۔ یقیناً یہ خبر ان کے لئے ایسی بم ہے کم کسی طرح نہ رہی ہو گی۔ آپ مجھے نہ کہیں گے۔ لیکن میری بھی سننے۔۔۔ والد خان کو کیا حق حاصل تھا کہ مجھے اپنی آن پر بھینڈ پڑھاویں۔ مجھے میں اس وقت اتنی کمزوری تھی کہ میں صرف والد خان ہی کو ان واتا تصور کرتا تھا۔ یہ سورپرiza تھا کہ اگر انہوں نے اپنی پٹھانی آن کے مقابلے میں میری نافرمانی کو متوجہ کرنا۔ میں میری سمجھا تو مجھے درود کی شکوہ کریں کھانا پڑیں گی اور ہو سکتا ہے کہ میں ایک بہت بڑی جائیداد سے بھی محروم ہو جاؤں۔ مگر اب تو میری دنیا ہی بدلتی چکی تھی۔ میں ایک ہول ناک جگ دیکھ چکا تھا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ آدمی کتابے وقت جانور ہے۔ وہ گرتی ہوئی عمارتوں کے نیچے دب کر کس طرح چختا اور کراہت ہے۔ وہ کس طرح چھوئے دان میں پھنسے ہوئے چوہوں کی مانند بے بی سے مر جاتا ہے۔ میں نے کیا نہیں دیکھا تھا۔ سب کچھ دیکھا تھا۔۔۔ اور جو کچھ بھی دیکھا تھا اسی کی پرچھائیں میرا مستقبل بننے والی تھیں اور مستقبل میری نظر وں میں کیا تھا۔ اک بیکار تاریکی۔۔۔ اک ابدی سنائا۔ جس کے تصور ہی سے ذہن شل ہو کر رہ جائیں۔ خیر ختم کچھ اس خلک سی بکواس سے میں آپ کو بور نہیں کرنا چاہتا۔

مکراہت بھی ایسی ہی تھی جیسے وہ مجھ سے واقف رہا ہو۔

مجھے شرات سو جھی۔۔۔ والد خان سے بھی پچھا چھڑانا چاہتا تھا جو جان کو آگئے تھے۔۔۔ یوں ہی خواہ مخواہ میں ”بھائی جان“ کہہ کر اس آدمی کی طرف پکا۔

لیکن میری حیرت کی انتہاء رہی جب اس نے ”جیتے رہو۔۔۔ خوش رہو۔۔۔“ کہہ کر مجھے بھیج اور پھر میری پیٹھے ٹھوک کر بولا۔ ”ارے منے تو تواب ایک دم جوان ہو گیا ہے۔“

والد خان قریب ہی کھڑے آنکھیں مل مل کر ہم دونوں کو گھور رہے تھے۔ مجھے حیرت ضروری اور میں اس آدمی کے رویے پر ابھی میں ضرور بتلا ہو گیا تھا لیکن یہ یقین تھا کہ اب والد خان سے پچھا چھوٹ جائے گا۔ سہی ہوا۔۔۔ والد خان جھینپھے ہوئے انداز میں آگے بڑھے اور شہ سے بولے۔ ”معاف کچھے گا۔۔۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی مگر میرا لڑکا آپ کا ہم شل ہے۔“ ”ہو سکتا ہے۔۔۔ کوئی بات نہیں۔“ اس آدمی نے لاپرواٹی سے کہا اور والد خان اپنے ستون اور اعزہ سیست وہاں سے چلے گئے۔

اب میری سمجھ میں نہیں آہتا تھا کہ کیا کروں۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک طرف چلنے میں بھی تن بے تقدیر چلا جا رہا تھا۔

ریلوے اسٹیشن سے باہر آ کر اس نے ایک کار کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے پکھ کھانا چاہا مگر پھر موش رہا۔ کہتا بھی کیا۔ اس نے جس انداز میں اس مذاق کو حقیقت کارگی دے دیا تھا اپنی مثال پر تھا۔

اور اسی وقت میں نے سوچا کہ دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ تم ظریف لوگ کہہ ہوں گے۔ کار تیز رفتاری سے شہر کی سڑکیں ناپ رہی تھی اور ہم دونوں خاموش تھے۔ دیے میں بار بار لیں چھڑ کر اسے گھورتا۔۔۔ اور سوچا کہ وہ آخر گونگا کیوں ہو گیا ہے۔

آخر گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤٹ میں داخل ہوئی۔ یہ کوئی بہت بڑی اور شاندار تھی۔ اس پاکیں باغ کے ساتھ ہی ساتھ عقبی پارک بھی تھا اور ان کے گرد ہزاروں مربع گز کا احاطہ۔ میں نے سوچا یا خدا اصلی باب تو اس حیثیت کا نہیں تھا مگر نقلی بھائی۔۔۔ نقلی بھائی مجھے ایک ندار کیڈیاں کار میں بیباں تک لایا تھا۔ میں چھاکل پر گلی ہوئی نیم پلیٹ بھی نہ پڑھ سکا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک ملازم سے کہہ رہا تھا۔ ”انہیں باتھ روم وغیرہ دکھاؤ اور ان کا سامان

ہاں توجہ والد خان میرے باب ہونے پر مصروف تھے اور میں اس کی تردید کر رہا تھا۔ میری نظر ایک آدمی پر پڑی جو بہت دچپی سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک وجہہ اور نیم ٹھیم نوجوان تھا۔ خصیت اسی پر کشش تھی کہ دوسرا بار دیکھنے کو بھی دل چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب تھیں بڑی بڑی پلکیں اور اس طرح نیچے بھی آرہی تھیں جیسے وہ اسی جگہ کھڑے کھڑے سو جائے گا۔ جیسے ہی ہماری آنکھیں چار ہوئیں اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مکراہت نظر آئیں۔

ہمہن خانے میں پہنچا دو۔“

اور پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ کون تھا۔ آج کا کرٹل فریدی جو اس وقت انپکٹر فریدی کہلاتا تھا۔ مگر ایک انپکٹر کے یہ شاخہ باشند دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ یہ آدمی آخر کرتا بدار اشیٰ ہے اور اسے کتنی رشوت لٹھتی ہے۔ کیا حکام بالا کو اس ترک و احتشام کی خری نہیں ہے۔

شام تک میں نے کرٹل سے چیزیں بات کہہ دی۔ وہ سن کر کافی محفوظ ہوئے۔ لیکن انہوں نے مجھے سے یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے باب سے مٹا چاہئے۔ یا میں نے غلطی کی ہے۔

میرے سامنے مستقبل کے لئے کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اگر نہیں تھا تو مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ میں تو ان دونوں خود کو قدیم یونان کے فرقہ کلیبیہ کا ایک فرد سمجھنے لگا تھا۔ خود کرٹل ہی نے میرے سامنے مستقبل کے لئے ایک پلان رکھا۔ ان کا خیال تھا چونکہ میں ملٹری کی سکرٹ سروس سے منسلک رہ چکا ہوں اس لئے ان کے مکھے میں میرے لئے ضرور مجنحائش نکل آئے گی۔

اور ایسا ہی ہوا مجھے اسٹرنٹ سب انپکٹر کاربیک مل گیا۔ لیکن ملٹری کے عہدے کے مطابق میں سار جنٹ حیدری کہلاتا رہ۔ کرٹل نے مجھے شروع ہی سے اپنی ماتحتی میں رکھا تھا۔ ملاز مت ملتے کے بعد ہی میں نے ایک علیحدہ مکان کرایہ پر حاصل کر لیا اور ویں رہنے لگا۔ لیکن زیادہ دونوں تک ایسا نہیں ہو سکا۔ کرٹل نے مجھے مجبور ہی کر دیا کہ میں رہوں بھی ان کے ساتھ۔

اور پھر اس کے بعد کی زندگی سے تو آپ واقعی ہیں۔ لیکن شاید آپ کو یہ معلوم ہو کہ ایک بار کرٹل ہی مجھے میرے گھر لے گئے تھے اور والدہ خان نے اس سلسلے میں ایک بہت بڑا جشن برپا کیا تھا۔ صلح صفائی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب گھر بارے طبیعت اچھت ہو گئی تھی۔

پھر آہستہ آہستہ میری کالیاپٹ ہوتی گئی۔ میں کرٹل کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے آدمی بنادیا۔ غالباً اسی لئے انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ میری اصلاح کے لئے ایسے نفیانی پہلو اختیار کرتے کہ مجھے بھی خبر نہ ہوتی۔ شراب چھوٹی اور ان مایوسیوں کے تانے بننے میں میرے ذہن سے غائب ہوئے جن کا تعلق مستقبل سے تھا۔

مگر صرف ایک بات پر آج تک ان سے متفق نہ ہو سکا وہ بات آپ سے بھی پوشیدہ نہیں۔

تھی ہاں.... وہی یالاٹیوں والا معاملہ.... اور یہ بھی سن لجھے کہ اپنے قلم سے اس کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے شرم نہیں آتی۔ شرم یوں نہیں آتی کہ آج تک میرے قدم و دستی سے آگے نہیں دھھے۔ میں لاڑکوں میں بیٹھ کر گپیں مارنے کا شائق ہوں۔ مجھے ان سے عشق نہیں ہو جاتا۔ اور ہو مگر نہ سمجھ رہے۔ شاید آپ شہناز کی مثل پیش کریں۔ تو میں آپ کی خدمت میں یہ ملاع چیز کرتا ہوں کہ میں اس زمانے میں جب شہناز سے ملاقات ہوئی تھی بالکل اتنا ہی تھا۔ پھر میں اس سے شادی کر ہی لیتا۔ مگر خدا ان وکیل صاحب کو (مرنے کے بعد) جنت نسبت سے جنمیں نے مجھے بال بچا لیا۔ شہناز کو وہ اڑا لے گئے۔ میرے دوست ہی تھے میں نے ماشہناز سے ان کا تعارف کرایا تھا۔ شہناز نے محسوس کیا کہ وہ اس وکیل کے ساتھ زیادہ خوش ہے گی جو بزرگوں روپے مہار کرتا تھا۔ میں بیچارہ تو ایک اسٹرنٹ سب انپکٹر تھا۔ اور آج تک میں.... یہ اور بات ہے کہ حکومت کے صرف خاص سے مجھے اپنے الاؤنسر ملتے ہوں کہ بڑی تجوہ اپنے مکھ کے ڈی۔ آئینی حی کی تجوہ سے بڑھ گئی ہو۔ مگر شابش بے کر ٹل کر، وہ آج تک ایسی ہی تجوہوں پر رہے ہیں جیسی تھی۔ ایک انپکٹر کی ہوتی ہے انہوں نے الاؤنسر لیتا بھی منظور میں کیا۔ درستہ ان کی تجوہ آئی تھی سے بھی زیادہ ہوتی۔

ہاں تو میں شہناز کا تذکرہ کر رہا تھا۔ وہ تو بہت خوش رہتی ہے لیکن وکیل صاحب ہر وقت اس کی کامیابی رہتے رہتے میں سے طوہرہ سوہن کے بجائے دھوکے میں بار سوپ خرید کر کھانا شروع رہا تھا۔

بہر حال یقین رکھتے کہ میرا وہ عشق جذباتی یوکلاہٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ جیسا... چلے ہیں کسی... اگور کھٹے ہیں۔ اگر میٹھے بھی ہوتے تو آپ کا گلیا بھلا ہوتا۔ چلے ہیں میں حبیب ہی مثار ہوں۔ اچھا بس اب خاموش۔ کہاں سننے جس کے لئے اتنے صفات ملکے ہیں۔

وہ ایک حسین شام تھی.... جی ہاں گھبرا یے ہیں۔ میں اسی طرح لکھنے کی کوشش کروں گا۔ ٹاؤن نویں حضرات لکھتے ہیں.... یعنی وہ ایک ایسی شام تھی جو کسی ٹاؤن نویں ہی کو اپنی رفتہ توجہ کر سکتی تھی۔ ورنہ عام آدمی کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ شفق کا عطر کشید کر کے ملکہ بس کے لباس زر نگار میں لگائے۔ یا شفق کے رنگ اسے ایسے معلوم ہوں جیسے اونچ نے اس کی

محبوبہ خاص الخاص کی اوڑھنی چ رہی۔ یا اور کچھ... شام پر تو شاعری ہوتی ہے۔ نثر میں بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر زبان سے نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ آپ یہی سب کچھ کسی چورا ہے پر کھڑے ہو کر کہتا شروع کر دیں تو ثریف کا نشیل کسی قریمی دوا فروش کی دوکان سے تھانے کو ضرور فون کرے گا کہ یہاں ایک بزرگوار ثریف کی نفل و حرکت میں خلل انداز ہو رہے ہیں اور پھر آپ کو وہاں پہنچا دیا جائے گا یہاں آپ ہی جیسے ہزاروں سکھے آدمی موجود ہوں گے۔ لیکن آپ ان کی نثر نئے سنتے سمجھ آکر شاعری شروع کر دیں گے۔ مجھے میں پھر بہک کیا۔ بس انہی کہانی خود ہی لکھتے وقت یہی دشواری آپ رہتی ہے۔ مگر میں بہر حال لکھنا چاہتا ہوں۔ خواہ آپ پر ہوں خواہ پڑھ کر بغلیں بجائیں۔

وہ ایک شام ہی تھی اور مجھ پر گھر سے نکل جانے کا جوں طاری تھا۔ کرع لا بیری میں سچے اور نیلم میرے سر پر سوار تھی۔ نہ جانے کیوں کر عل نے مجھے گھر پر روک رکھا تھا۔ نیلم نے میری زندگی تلخ کر کر دی تھی اور میرا بھی دل چاہتا تھا کہ اسے یا تو جان سے ناردوں یا خود اپنے ہی گردن میں پھنسنا اول کر بھیش کے لئے اس سے پیچھا چھڑا لوں۔

اب آپ ہی بتائیے اسکی باتعل کس طرح برداشت کی جاسکتی ہیں۔ کچھ دن پہلے کی بات ہے میں ہائی سرکل ناٹ کلب میں ایک نئی دوست بنا نے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک یوریشین لڑکی تھی اور اس کے ہونٹ مجھے بہت پسند تھے۔ وہ جب مسکراتی تو اس کے گالوں میں خفیض سے گڑھے پڑ جاتے تھے۔ مجھے اسی مسکراتہ والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی تھی۔ پتہ نہیں کیوں۔

بہر حال میں اور وہ ایک میز پر تھے اور ہم میں کتوں کی اقسام پر گفتگو ہو رہی تھی کہ یک ایک نیلم آئی۔ مجھے دیکھتے ہی لپک کر میز کی طرف آئی اور بولی۔

"اوہ.... قادر.... میں تمہیں کہاں کہاں ڈھونڈھ آئی ہوں۔"

میں بوكلا گیا۔ ہزاروں بار سمجھا چاہتا کہ باہر مجھے قادر یا بابا کہہ کر مخاطب نہ کیا کرے۔ مگر وہ نیلم ہی کیا جو چکنا گھرا تھا ہو۔ آپ خود سوچئے۔ آپ ایک جوان آدمی ہیں اور ایک جوان لڑکی آپ کو بابا کہنے لگے۔ کیا آپ یہ نہ سوچیں گے کہ کاش آپ بابا ہونے سے پہلے ہی مر جاتے۔ با اتنی لمبی چوڑی بے بی سرے سے پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔

نیلم کے لجھے میں سنجیدگی تھی اس لئے وہ یوریشین لڑکی تھیم نظر آنے لگی۔ کبھی وہ میری

رف دیکھتی اور کبھی نیلم کی طرف۔ میرا دل چاہا کہ نیلم کی دونوں چوٹیاں پکڑ کر اس وقت زور ہاتھا رہا جب تک کہ اس کا سر اٹھے کے چکلے کی طرح شفاف نہ ہو جائے۔

اگر بات یہیں ختم ہو گئی ہوتی تو میں اسے اپنے قہقہوں پر رکھ کر برا بر کرنے کی کوشش نہ۔ مگر وہ تو مر جانے کی حد تک بور کرنے کا تھیہ کر کے آئی تھی۔

اتی جلدی اس نے اپنے چہرے کے آثار بدھ لے کر میں تحریرہ گیا۔ اس کے ہونٹ کا پس ہے تھا اور چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ آنکھیں ڈبھا آئی تھیں۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیبا می پر ہارت ایک ہوا ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ وہ ایک نہ سے زیادہ نہ چلیں گی اور تم یہاں تفریح کر رہے ہو۔ بیبا.... اتنے ظالم نہ ہو۔"

یوریشین لڑکی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی میں خود ہی بوکھلا اٹھ گیا۔

"معاف کرنا....!" میں نے اس سے کہا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

اور نیلم کو پیچھے ہی چھوڑ کر خود وہاں سے نکل آیا۔ پھر میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ یہیں رکی تھی یا میرے پیچھے لوٹ آئی تھی۔

اس سر پر کوئی علاج نہیں ہے۔ کرٹل کو وہ انکل کہتی ہے اور ان کا بے حد احترام کرتی ہے۔ لیکن مجھے پیا کہنے کے باوجود بھی چیزوں میں اڑاتی ہے۔ ویسے میں اس سے صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ گھر پر وہ مجھے بابا، نانا، دادا یا جو کچھ بھی دل چاہے کہہ سکتی ہے۔ مگر باہر اس معاملے ل سنجیدہ رہتا چاہئے۔ نہیں سنتی۔ نہیں مانتی۔ اب میں نے سوچا ہے کہ اس سے دور جلا اؤں.... بہت دور.... افق کے پار وغیرہ.... جہاں.... لا حول ولا قوّة پھر بہک گیا۔ میں تو پ کو ایک کہانی سنانے چاہتا۔

بہر حال وہی شام تھی جب اس کہانی کا آغاز ہوا۔ مجھے یہی اطلاع ملی تھی کہ کرٹل اس وقت ابیری میں موجود ہیں۔ لیکن انہوں نے مجھے تجوہ بہ گاہ سے بلوا بھجدا ان کی تجوہ بہ گاہ اور پری نزل پر ہے۔

میں اور پہنچا لیکن تجوہ بہ گاہ میں قدم رکھتے ہیں پکڑ سا آگیا۔ سامنے ہی بڑی میز پر ایک آدمی مالاٹ پڑی ہوئی تھی جس کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔ آتیں باہر آگئی تھیں اور تازہ تازہ خون میز پر

لاش کی انگڑائی

میں جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کبھی میں کرٹل کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لاش کی طرف۔ کرٹل کے ہونتوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ اتنے مرے میں سگار کے کش لے لے کر دھوان بکھیر رہے تھے جیسے انواع و اقسام کی شیرینی کے کسی خوان کے قریب کھڑے ہوں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے سر کو خفیف سی جبشن دی۔ مطلب یہ تھا کہ ان کے قریب آجائو۔

”اس لاش کے متعلق کیا خیال ہے۔“ انہوں نے کلامی کی گھری دیکھتے ہوئے پوچھا۔ پھر لاش کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔

”لاشوں کے متعلق کیا خیال ظاہر کرو۔ مگر یہاں کیسے آئی۔“

اور پھر دفتاراً چھل کر میں پیچھے ہٹ آیا۔ کیونکہ لاش کے ہاتھوں میں حرکت ہوئی تھی۔ میری آئھیں حلقوں سے ابل پڑیں۔ لاش کے ہاتھ باہر لٹکی ہوئی آنتیں سمیث سمیث ک پھٹے ہوئے پیٹ میں بھر رہے تھے۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کانپنے لگوں یا جیج بار کر بیووش ہو جاؤں۔ دوسرا یہ صورت بہتر معلوم ہوئی۔ بیووش ہی ہو جانے میں عافیت تھی۔ کیونکہ اگر وہ لاش اپنی آنتیں پیٹ میں بھر لینے کے بعد ”مان مرا احسان ارے نادان کہ میں نے جھٹے سے کیا ہے پیار“ گناہ شدہ کردیتی تو میں کیا کرتا۔

”ک..... کیا میں بیووش ہو جاؤ۔“ میں نے کرٹل سے پوچھا۔

کرٹل ہنس پڑے۔ پتہ نہیں میری بوکھلاہٹ پر نہے تھے یا کوئی اور بات تھی۔ اب میں نے دیکھا لاش اپنا پیٹ برابر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دونوں ہاتھ کر کچھ سرعت سے پیٹ پر ماش سی کر رہے تھے اور پھر وہ میز پر اس طرح آنکے جیسے لاش اٹھ کر کچھ والی ہو۔

را آئھیں بند تھیں۔

اور میں یلتخت بھاگ نلتکنے کی پوز میں آگیا تھا۔

کرٹل نے مجھے وہیں ٹھہر نے کا اشارہ کیا اور وہ لاش کی طرف بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔ میں کچھ کہنا چاہا لیکن آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس منظر کو تفریح یہ کس خانے میں فٹ کروں۔ کیونکہ کرٹل کے چہرے پر تو اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ اس یہ بہت زیادہ لطف انداز ہو رہے ہوں۔

میں نے ایک بار پھر سکھیوں سے لاش کی طرف دیکھا۔ اس کی آنتیں پیٹ کے اندر جا چکیں اور پیٹ کی سطح تھریت انگریز طور پر برابر ہو گئی تھی۔ کہیں بھی عکاف یا زخم کا شان نہیں نظر تھا۔

اس شخص کے خدوخال چینیوں کے سے تھے۔ جسم گھٹھیا اور قد معمول سے کچھ چھوٹا تھا۔ عمر رازہ لگانا مشکل تھا کیونکہ کبھی وہ توجوں معلوم ہوتا تھا اور کبھی اور ہیز۔

و�탏اً اس نے آئھیں کھوں دیں اور حید کو دیکھ کر کچھ چوک سا پڑا۔

”میرے استثنیں کیپن حید... مسٹر چیاگ...!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”اوہ....!“ چینی نے مسکرا کر حید کی طرف دیکھتے ہوئے سر کو خفیف سی جبشن دی پھر ایک انگڑائی کے ساتھ جماں لیتا ہوا بولا۔ ”یہ اور ایسے بہترے شعبدے کر تھا۔ آپ کا کیا ہے۔“

”بہت خوب۔“ کرٹل مسکرائے۔ ”مگر مسٹر چیاگ یہ کتنا برا عذاب ہے کہ خواہ خواہ ایک دن انھماں پھر دو۔“

”میں عادی ہو گیا ہوں کر تھا۔“

”حمدی! آپ فار موسا کی سیکرٹ سروس کے چیف مسٹر کاپی چاگ ہیں... میرے پرانے تھے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔“ میں بھی سانسیں لیتا ہوا بولا۔ ”لیکن کیا بھی یہ آپ کو یقین ولانے دش کر رہے تھے کہ یہ اب بھی دوست ہیں۔“

”تو ہو.... ہو.... ہو....“ چینی ہونتوں کو دائرے کی ٹھکل میں لا کر ہٹا۔ پھر بولا۔ ”یہ تو

"جبھی عورتوں سے گفتگو کرتے وقت ہکلاتے تو نہیں ہیں۔"

"نہیں....!" میں نے کہا۔ "بشرطیکہ ان کی آئتیں پیٹ کے باہر نہ ہوں۔"

وہ پھر "ہو ہو" کر کے ہنسا۔ اس کے ہنسنے کا انداز مجھے تعقیل پسند نہیں آیا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ کام ان کے علاوہ اور کوئی انجام نہ دے سکے گا۔" کرغل نے کہا۔

میں نے سوچا آج تو ایک انہوںی ہورہی ہے۔ مجھی کرغل میرے متعلق کسی کو یقین دلارہے بن کر میں یعنی حمید (جس کا دماغ ہر وقت کھوپڑی کے گرد منڈلایا کرتا ہے) کوئی کام بھی انجام سکوں گا.... لیکن میں نے وضاحت نہیں چاہی۔ ضرورت بھی کیا تھی۔ اگر کرغل کوئی کام نہ سے لیتا ہی چاہتے ہوں تو میرے فرشتے بھی اس سے پہلو تھی نہیں کر سکتے۔ پھر وضاحت کے لئے بے چینی فضول تھی۔ مگر وہ لاش... مگر یہ کاؤپی چاگ کیا بلاتھا۔

"لیکن کرغل....!" کاؤپی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے توقع تھی کہ آپ خود ہی اس میں دچپیں گے۔"

"میں یقیناً دچپی لے رہا ہوں مسٹر چاگ۔" کرغل نے کہا۔ "مگر اس سلسلے کے کچھ کام رف کیپھن حمید ہی کر سکیں گے۔ مثلاً یہ کہ مجھے عشق کرنے کا سبقہ نہیں ہے۔ کیپھن حمید آئے ان ریکارڈ تو زتے رہے ہیں۔"

"گرسونوفن کے" میں نے آہستہ سے کہا اور پھر مجھے مسٹر کاؤپی چاگ کی "ہو ہو" سنی پڑی۔ میں نے تھیہ کر لیا کہ اب کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جس پر مسٹر کاؤپی چاگ کو ہنسنا پڑے۔ مگر میری الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور میں بار بار اس خون کی طرف دیکھ رہا تھا جو میز پر پھیلا ہوا تھا۔

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔" مسٹر چاگ نے پوچھا۔

"آپ کیپھن کو اپنے ساتھ لے جائیے۔"

"لیکن میں اپنی آئتیں دوبارہ اپنے پیٹ میں بھر لینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔" میں بول پڑا۔

"اوہ.... تم اس کی پرواہ نہ کرو۔" کرغل نے مجھ سے کہا۔ "وہ محض اک شعبدہ تھا۔ مسٹر کاؤپی دم کے ماہر ہیں۔ وہ گھنٹوں مردوں کی طرح پڑے رہ سکتے ہیں.... اور....!"

کرغل خاموش ہو کر مسکرائے۔ پھر بولے۔ "اور یہ دو ہر اپیٹ رکھتے ہیں۔"

ایک شعبدہ تھا۔

پھر وہ سخیدہ نظر آنے لگا۔ میز سے اتر کر وہ ایک کرسی پر آبیٹا اور میں اسے اس طرح دریکہ رہا جیسے وہ بھی ہو ایں تخلیل ہو جائے گا۔

جس کرسی پر وہ سخیدہ تھا اسی کے قریب ہی ایک چھوٹا سا ہیڈ بیگ رکھا ہوا تھا۔ اس نے اس اٹھا کر کھولا اور ایک عجیب وضع کا پاسپ نکال کر اس میں سیاہ رنگ کی ایک گولی ڈالی اور پھر دیا اسلاں کاتے ہی سارا کمرہ تیز قسم کی بو سے بس گیا۔ دھونیں کی کشیف باول اس کے ہوتوں سے نکل فضائل منتشر ہو گئے۔

اس نے پے در پے دو تین گولیاں پی ڈالیں اور پھر کرسی کی پشت سے نکل کر آئتیں۔

ہونٹ صاف کئے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

وہ کرغل کی طرف دیکھ کر سکرایا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت وہ نجا نے کیوں

فیصلی احمد معلوم ہو رہا تھا۔

کچھ بھی ہو ایں بھی نکل اسی لمحن میں بتلا تھا۔ ایک لاش جس کی آئتیں باہر نکل آئیں اور.... وہ لاش اب ہنس رہی تھی۔ افیون پی رہی تھی۔ گفتگو کر رہی تھی اور کرغل نے اس لاش

نام کاؤپی چاگ بتایا تھا۔ میں نے میز کی طرف دیکھا جس پر اب بھی خون چھیلا ہوا تھا۔

کرغل حسب معمول سکارپی رہے تھے اور کچھ سوچ رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے چاگ نماط کر کے کہا۔ "یہی وہ آدمی ہے جس کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا۔ مسٹر چاگ۔"

چاگ نے مجھے اس طرح دیکھنا شروع کیا جیسے اب پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

"ہاں....!" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان میں مجھے کچھ ایسی ہی خصوصیات نظر آ رہی ہیں کہ کرغل کیا یہ ایک مستقل مراجح آدمی ہیں۔"

"ہوں یا نہ ہوں۔" کرغل میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائے۔ "لیکن اس میں بے حد مستقل مراجح ثابت ہوں گے۔"

"کس معاملے میں۔" میں نے پوچھا۔

"ٹھہریے....!" کاؤپی چاگ باتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا آپ عشق کر سکتے ہیں۔"

"پدرہ ہزار میل فی کھنٹی کی رفتار سے۔" میں نے جواب دیا۔

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔ کاؤنے بھر ”ہو ہو“ شروع کردی تھی۔ تھوڑی دیر تک نہ ترا رہا پھر بولا۔ ”کیپشن اور دیکھنے“

اس نے پیٹ کھول دیا تھا۔ ناف میں دو انکلیاں ڈال کر اسے کھینچا جلا گیا اور ایک بارہ پھر اس کی آنسیں باہر نکل پڑیں۔ میں کانپ گیا۔ وہ پھر ہنسنے لگا تھا۔

ایک بار تو میں نے آنکھیں بند ہی کر لیں۔ میں خائف نہیں تھا بلکہ اس مظہر سے کراہت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے پھر آنسیں سمیٹ کر اندر کر لیں اور جس سوراخ سے آنسیں باہر آئی تھیں اس نے سست کرناف کی شکل اختیار کر لی۔

”یہ پلاسٹک کا مصنوعی پیٹ ہے اور آنسیں بھی پلاسٹک تھی کی ہیں۔“ کرٹل بولے۔ ”اور اس پلاسٹک کے پیٹ میں بکرے کا خون پھرا ہوا تھا۔“

کاؤٹھ کر دوسری طرف مڑ گیا اور اس نے پشت سے قمیش اٹھائی۔ اس کی پشت پر تین پیالیں سی نظر آئیں اور کرٹل بولے۔ ”یہ مصنوعی پیٹ اس طرح اصل پیٹ پر منڈھ لیا جاتا ہے۔“

”مگر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔“ میں نے کہا۔

”تم ایسی ڈیزائن کیپشن“ کاؤٹھ میری طرف مڑ کر بولا۔ ”ایسی پیٹ نے کسی بار میری جان بچائی ہے۔ جب عیشٹ چین کا زوال ہو رہا تھا ایک بار میں ایک ندی کے کنارے دشمنوں میں گھر گیا۔ تھوڑی دیر تک تو لڑتا رہا پھر آنسیں نکال کر ڈھیر ہو گیا۔ انہوں نے مردہ سمجھ کر ندی میں پھینک دیا اور پھر میرا یہ مصنوعی پیٹ لائیف بیٹ بن گیا۔“

”لائیف بیٹ....!“ میں نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں لائف بیٹ.... یہ دیکھنے“

اس نے پھر قمیش اٹھا کر ناف میں پوری انگلی ڈال دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اندر کو چیز ٹھوٹ رہا ہو۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک ٹپی سی ربر کی ٹکلی باہر نکلتی چلی آرہی ہے۔ اس نے ٹکل کا سرا ہوٹوں میں دما کر پھونکنا شروع کیا اور اس کا پیٹ پھولنے لگا۔ پھر اچھی خاصی توز نکل آئی۔ اب اس نے ٹکلی میں ایک گردے کر چھوڑ دیا۔

”یہ دیکھنے“ اس نے کہا۔ ”اگر تیرتے تیرتے بازوں شل ہو جائیں اور میں ہاتھ روک لوارہ تب بھی نہیں ڈوب سکتا۔ یہ حاملہ کا پیٹ مجھے پانی کی سطح پر ہی رکھے گا۔“

اور پھر اس نے ”ہو ہو“ شروع کر دی۔ یوں ہی خواہ مخواہ ہستارہ اور میں سوچتا رہا کہ کاش میں سے حق میں کچڑا ہونس سکتا۔

”تو کیپشن آپ میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”کہاں....!“

”جہاں میں لے چلو۔“

”مگر میرے پاس ایسی لا یف بیٹ نہیں ہے جو حاملہ کا پیٹ بن کر میری جان بچا سکے۔“ میں نے کہا۔

میں نے یہ بات کہنے کو تو کہہ دی مگر پھر بے حد افسوس ہوا۔ یوں کہہ اس کی ”ہو ہو“ ایک بار ہر ”چالا“ ہو گئی تھی۔

”تم اپنے ساتھ اپنے بہترین سوت لے جاؤ۔“ کرٹل بولے۔ ”اور جتنی بھی آرائشی صنعتات لے جاسکتے ہو ضرور لے جاؤ۔“

میں نے بے بیس سر ہلا دیا۔

”بس جاؤ تیاری کرو۔ تمہیں جو کچھ بھی کرتا ہے وہ مسٹر چاک سے معلوم ہو جائے گا۔“

طبیعت جنم جلا گئی اور میں نے سوچا اچھا بیٹا چاک تم بھی کیا یاد کرو گے..... یاد کرو گے اور سر پل کر زدہ گے..... تمہیں بھی مرنے کے لئے یہی جگہ پسند آئی تھی۔

چھپتے نہیں کیا تھہ رہا۔ کہاں جانا ہا۔ کس سے عشق کرنا تھا اگر وہ کوئی چینی ہی لڑکی ہوئی تو کیا رہوں گا۔

”میں نیچے آکر روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ یہ تیاری بھی ایسی ہی تھی جیسے ہزاروں میں لبا غزر دی پیش ہو۔ ایسی صورت میں جب کچھ معلوم ہی نہ ہو، اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ نہ کام لئے نو عیت کا علم تھا اور نہ سیکی پتہ تھا کہ جانا کہاں ہے۔ شروع شروع میں مجھے کرٹل کا یہ طریق کار ٹھٹت ناپسند تھا۔ مگر آہستہ آہستہ مجھے احساس ہوتا گیا کہ کرٹل ہر معاملے میں فیضی طریقوں کو مدد کے کار لاتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر کسی کیں کی تفصیلات کا علم پہلے ہی سے اوجائے تو پھر کام کرنے میں وہ سرگرمی باقی نہیں رہ جاتی جو کسی الجھی ہوئی ڈور کے سلجنے کے سلسلے میں ہوئی چاہئے۔ آج میں آپ کو حقیقت بتا رہا ہوں کہ کرٹل کے ساتھ کام کرنے میں مجھے

وہی لطف حاصل ہوتا ہے جو آپ کو کسی اچھی قسم کے جاسوسی ناول سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک ایک کر کے گرہیں کھلتی ہیں۔ ایک کٹلی کہ دوسری سامنے موجود ہے۔ اب اسے بھی کھولنے کر تیسری حاضر ہے۔ بہر حال یہ ساری گریں غیر موقن طور پر سامنے آتی چلی جاتی ہیں اور سرگزی بڑھتی رہتی ہے۔ اگر ان گروہوں کی مجموعی تعداد کا علم پہلے ہی سے ہو جائے تو کیا یہ دلچسپی باقی رہے۔ میرا خیال ہے کہ میں تو بورہ ہو کر مر جاؤں... بلیں یہ ناول کاساندرا ہی مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ویسے میں بظاہر کرٹل پر تاؤ ہی کھاتا رہتا ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنا یہ پیشہ بے حد پسند ہے۔

آپ مجھے کام چور سمجھتے ہیں۔ اس کی تمام تر زندہ داری ہمارے تذکرہ نویس صاحب پر ہے۔ ممکن ہے انہوں نے مجھے غلط سمجھا ہوا۔ یا محض صفات بھرنے کی خاطر میری آتنا ہوں اور کام چوری کا تذکرہ لے بیٹھے ہوں۔ میں نے جب بھی ان سے شکایت کی تھی بولے کہ جتاب.... زیب داستان کے لئے بھی تو کچھ ہونا ہی چاہئے۔ عام طور پر پڑھنے والے آپ کو کسی فلمی مسخر ہی کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں جو مارڈھاڑی فلموں میں ہیرو کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

بداغصہ آتا ہے ان کی اس بات پر لیکن کیا کروں خود کرٹل ہی ان کا بہت خیال رکھتے ہیں اور انہوں نے آج تک اس پر اعتراض نہیں کیا کہ یہ حید کا چھٹا آخر فلمی مسخرہ بن کر کیوں رہ جاتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ مجھے ہنٹے ہنٹے سے عشق ہے لیکن میں کرٹل کو اتنا بور بھی نہیں کر سکتا ہمارے تذکرہ نویس صاحب بیان کر ڈالتے ہیں۔ خیر چھوڑیے نہ وہ میری قبر میں لیشیں گے اور نہ میں ان کی قبر میں لیشیں گا۔

ہاں تو میں کاؤپی چانگ کی بات کر رہا تھا۔ کیا مجھے یہ نہ سوچنا چاہئے تھا کہ آخر کا ذمہ جھے یا کہ ملازم کو نظر آئے بغیر اور تجربہ گاہ میں کیے جائیں گیا تھا۔ لیکن تموزی ہی دیر بعد میری حیرت برلن ہو گئی جب میں نے اس بوڑھے کو دیکھا جو اکثر کرٹل کے پاس آتا رہتا تھا اور میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ ان کے والد مر حوم کا کوئی دوست ہو گا۔ کرٹل اپنے والد کے دوستوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ بہر حال اب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا کون تھا۔ وہ چانگ ہی تھا۔ اور ایک بوڑھے دیسی آدھ کے میک اپ میں کرٹل سے ملا رہتا تھا۔ اب آپ خود ٹھنڈے سوچنے کے میری کھوی طبیعت کتنی چیز ہوئی ہو گی۔

یہ تھا کہ کٹل کا طریقہ کار... اب اگر اس وقت میں بستر مرگ پر بھی پڑا ہو تو یہی دل چاہتا کہ اس کاؤپی چانگ کے پٹھے کے ساتھ ضرور جاؤں خواہ نہیں بھرہی اس کی ”ہو ہو“ کیوں نہ سننی پڑے۔

چانگ کی کارپاٹ میں موجود تھی۔ ایک معمولی سی گاڑی تھی بہر حال اس میں اس بوڑھے کی موجودگی سے شتر گر بھی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ میں چانگ کے ساتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہم دونوں ہی خاموش تھے۔ میرا خیال تھا کہ ابھی یہ گاڑی شہر سے نکل کر کسی ویران راستے پر لگ جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ راجس اسٹریٹ کی ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ خود چانگ ہی اُسے ڈرائیور کے یہاں لکھ لایا تھا۔

”اتر چلو کیپشن...!“ چانگ آہتہ سے بولا اور میں اپنا سوٹ کیس سنبھالتا ہوا یونچے اتر آیا۔ ہم ایک شاندار عمارت کے برآمدے میں کھڑے تھے۔ چانگ نے اطلاعی گھنٹی کا ہٹن دبایا اور عمارت کے کسی دور افراہہ حصے سے ”ٹرن... ٹرن!“ کی مددھی آواز آئی۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک مجھوں سے آدمی نے سر نکال کر باہر جانا کا اور پھر ایک طرف ہٹ گیا۔ ہم دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔ پی چانگ نے چینی زبان میں اس آدمی سے دو منٹ تک گفتگو کی اور پھر آگے بڑھتا چلا گیا۔ دروازہ کھونے والے نے سوت کیس میرے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی۔ دفعتائی چانگ نے میری طرف مڑ کر کہا۔ ”کیپشن آپ اس کے ساتھ اپنے کمرے میں جائیے، میں کچھ دیر بعد آپ سے دہیں لوں گا۔“

ملازم مجھے جس کرے میں لایا وہ صاف سترہ اور کافی کشادہ تھا۔ ایک طرف ایک مسہری موجود تھی۔ جس پر شفاف بستر تھا۔ دو الماریاں تھیں۔ ایک میز... ایک لکھنے کی کرسی اور دو آرام کر سیاں۔ ملازم نے سوت کیس ایک طرف رکھ دیا اور اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے میرے کسی ٹکم کا منتظر ہو۔ میرے خیال سے وہ بھی چینی ہی تھا۔ لیکن میک اپ نے اسی طرف کا آدمی بنا دیا تھا اور بات ہے کہ آنکھوں کی اصلاح کسی طرح بھی نہیں کی ہو۔

”کیا ہے۔“ میں نے جھنجلا کر پوچھا۔ مجھے نہ جانے کیوں اس کی موجودگی گران گز رہی تھی۔ ”میں سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں آپ شغل کرنا پسند کریں یا نہ کریں۔“ اس نے اگر بیزی میں

کو افون سے رغبت نہیں ہے۔ وہ کجھ تپک میں آپ کو اطلاع دینا بھول گیا ہوگا۔ بہر حال ہم اس وقت ہوٹل ڈی فرانس میں کھانا کھائیں گے۔ میں بے حد شکر گذار ہوں گا اگر آپ لباس تبدیل کر لیں۔“

”میں یقیناً لباس تبدیل کر لوں گا۔ لیکن مسٹر چانگ کیا یہ سفر صرف ہوٹل ڈی فرانس کے کھانے ہی تک محدود رہے گا۔“

”نہیں کیپشن... آپ چلنے تو۔ اگر آپ عاشقِ مزاج ہیں تو.... ہو ہو.... ہو ہو۔“
لخت ہے میرے عاشقِ مزاج ہونے پر.... اگر میں کسی عشق کے لئے متواتر اس قسم کی ”ہو ہو“ سنوار ہوں۔ لیکن میں خاموش ہی رہا کیونکہ کرتل نے اس کا تعارف اپنے ایک پرانے دوست کی حیثیت سے کرایا تھا۔ درجنہ میں اسے بتاتا کہ کس طرح ہنسنا چاہئے۔ اس کی ہنسی مجھے غصہ بھی دلاتی تھی اور کوفت میں جلا بھی کرتی تھی۔ گفتگو کرتے وقت جیسے ہی اس کے ہونٹ دائرے کی ٹھیک انتیار کرتے میرا دم کل جاتا۔

ہم ٹھیک نوبجے ہوٹل ڈی فرانس پہنچ۔ چانگ نے شاید پہلے ہی سے میز مخصوص کرائی تھی۔
میز پر ریزوشن کارڈ موجود تھا جس پر تحریر تھا۔ ”مسٹر پی۔ اے پنچاواالا۔“

”مسٹر پی۔ اے پنچاواالا۔“ میں نے آہستہ سے کہا اور اس کے ہونٹ دائرے کی ٹھیک میں آنے کے لئے سڑکے ہی تھے کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر جلدی سے کہا۔ ”شہریے مسٹر چانگ آپ کو ہنسی نہ آئے تو زیادہ بہتر ہے۔“

”کیوں؟“ اس کی آنکھوں سے حرث جھانک رہی تھی۔
”بہت زیادہ ہنسنے والوں پر مجھے بے حد غصہ آتا ہے۔“

”مگر کرتل نے تو بتایا تھا کہ آپ ہنسنے ہنانے کی بے حد شماقی ہیں۔“
”آج ساڑھے چار بجے تک یقیناً تھا۔“

”کیا مطلب....!“
”مطلب یہ کہ..... یہ کہ....!“ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں۔ کیا اس سے یہ کہہ دیتا کہ وہ ہونٹ سکوڑ کر ہنسنے کی بجائے باچیں پھاڑ کر اور دانت نکال کر ہنسا کرے۔ یقیناً یہ بات اسے گمراہ سکنچا تی۔ لہذا میں نے کہا۔ ”بات دراصل یہ ہے... مسٹر چانگ کہ جب مجھے کوئی کام کرنا

جواب دیا۔

”کیا شغل....!“ میں اسے گھورنے لگا۔

”افون....!“

”نہیں.... میں افونی نہیں ہوں۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم جاسکتے ہو۔“

میرے افونی نہ ہونے پر اسے اتنی حرمت ہوئی کہ اس کا منہ کھل گیا اور اس کے پچھوڑنے لگے ہوئے زرد اننوں پر نظر پڑتے ہی مجھے ابکایاں سی آنے لگیں۔

”جاوے... خدا کے لئے۔“ میں ہاتھ ہلاکر بولا۔

”بہت اچھا... جناب“ وہ مسکرایا۔ ”مگر اسے یاد رکھنے گا کہ یہ مسٹر چانگ کا مکان ہے اور یہاں انہیں کا حکم چلتا ہے۔ آج تک کسی میں اتنی ہست نہیں ہوئی کہ وہ مسٹر چانگ کی پیشکش نہ کر سکے۔“

وہ چلا گیا اور میں بیٹھا اس پر دانت پیتا رہا۔

شہزادے کی منگنیتیر

چانگ کی ”پکھ دیر“ کا خاتمه تقریباً دو گھنٹے بعد ہوا۔ میں اس دوران میں یہی محسوس کرتا رہا تھا جیسے میں نے کچھ افون کی چکی لگائی ہو۔

چانگ سیاہ سوت میں لمبوس تھا۔ لیکن اس نے میک اپ میں تبدیل نہیں کی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں شاید اس نے ابھی ابھی کشیدنی افون کے دم لگائے تھے۔

”ہاں.... کیپشن.... ارے آپ نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا۔“

”کیا بابا؟“ مجھے غصہ آگیا۔

”ارے.... کیا اس مردوں نے آپ کو اطلاع نہیں دی تھی کہ ہم ہوٹل ڈی فرانس میں کھانا میں گے۔“

”مجھے کسی مردوں نے اطلاع نہیں دی۔“

”اوہ....!“ اس نے ایک مٹھنڈی سائنس لی اور پھر بولا۔ ”آپ بہت اچھے ہیں کیپشن کہ آپ

ہوتا ہے تو میں بے حد سخیہ ہو جاتا ہوں۔ ”
”مگر اس کام میں تو سخیہ گی سے کام نہ چلے گا۔“ چاگ کے تشویش کن لمحے میں کہا۔
”خیر.... میں سوچوں گا۔ فی الحال مجھے کھانے سے فراغت پالینے دیجئے۔“
کھانے کے دوران میں اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک الٹی لڑکی کا معاملہ تھا جو ہنسنے ہنانے کی
بے حد شائق ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ اگر وہ ہنسنا پسند کرتی ہے تو میں اسے ہنسانا کر
مارڈاں گا۔ مگر اسے اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے دل میں کہا۔ ”جہنم میں جاؤ۔.... پہلے میں اس
لڑکی کو تو دیکھ لون ہو سکتا ہے اسے دیکھ لینے کے بعد خود مجھے ہی کسی اندر ہے کوئی میں چھلانگ
لگانی پڑے۔“

مجی ہاں.... اگر وہ کوئی چینی یا جالپانی لڑکی ہوتی تو... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں.... خیر زندہ
تورہتا لیکن شاید زندگی بھر ہنسی نہ آتی۔

”مسٹر چاگ....!“ میں نے پوچھا۔ ”کیا وہ کوئی چینی یا جالپانی لڑکی ہے۔“
”نہیں.... وہ ایک فرانسیسی لڑکی ہے۔“ چاگ نے فرانسیسی زبان میں جواب دیا۔

”اوہ.... تب تو نہیں ہے۔“ میں نے بھی فرانسیسی ہی میں کہا۔
”کرمل نے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ فرانسیسی بول سکتے ہیں.... اوہ.... وہ آگئی.... کیپشن۔“
”میری نظر بائیں جانب اٹھ گئی۔ وہ بھی اُدھر ہی دیکھ رہا تھا۔ میں نے کیا.... دیکھا؟ میرے
خدا.... وہ کتنی حسین تھی۔ اگر میں حاتم طائی کے زمانے کا کوئی شہزادہ ہوتا تو یقیناً میں نے اپنا
گریبان پھاڑا ڈالا ہوتا۔ کوئی اور نہ ملتا تو مسٹر چاگ ہی کو اٹھا کوچھ دیتا پھر اس زور کا نثرہ مارتا کہ شہر
بھر کی چھتیں اڑ جاتیں۔ لیکن تھا وہ حاتم طائی کا زمانہ تھا اور نہ مسٹر چاگ ہی اس بات پر تیار ہوتے کہ
میں انہیں اٹھا کر چھتیں دوں۔

بہر حال وہ ایسی ہی حسین تھی کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بس یہ سمجھ بیجے کہ وہ بہت حسین
تھی۔ اس کے ساتھ دو مرد بھی تھے۔ پہلے میں ان دونوں کو چینی ہی سمجھا تھا مگر مسٹر چاگ نے
بتایا کہ وہ انہوں چاٹنیز تھے۔ وہ جو کچھ بھی ہوتے میں انہیں اس خوبصورت لڑکی کے ساتھ دیکھنا پسند
نہ کرتا۔

”کیپشن ابے اپنی طرف متوجہ سمجھے۔ اس سے ملئے... عشق سمجھے.... یہ یونان کی سائیکلی

ہے۔“ چاگ آہستہ سے بولا۔

”افون سے تو شوق نہیں کرتی۔“ میں نے پوچھا۔

”نہیں.... ہرگز نہیں۔ اگر یہ افون استعمال کرتی ہوتی تو اس کی رنگت میں اتنا کھارا نہ
وتا۔ اوہ کیپشن آپ اسے بہت آسانی سے اپنی طرف متوجہ کر سکتی گے۔ یہ اگر یزدی اور فرانسیسی
بیان طور پر بول سکتی ہے۔“

”لیکن سوال یہ ہے مسٹر چاگ کہ میں اس سے اپنے لئے عشق کروں گا یا آپ کے لئے۔“

چاگ نے ہنسنے کے لئے ہونٹ سکوڑے ہی تھے کہ میں نے بوکھا کر کہا۔ ”مسٹر چاگ کیا
پاپنے ہنسنے کا انداز نہیں بدلتے۔“

”کیا مطلب....!“ چاگ پھر تحریر نظر آنے لگا۔ لیکن مجھے فور آئی جواب سوچ گیا۔ میں نے
ہا۔ ”مسٹر چاگ آخر آپ کو میک اپ میں رہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے۔“

”کیوں نہ ہو۔“ چاگ کے لمحے میں اب بھی جیرت کا عضر موجود تھا۔ ”میں اس لئے میک
پ میں رہتا ہوں کہ بعض لوگ مجھے پیچا نہ سکیں۔“

”لیکا آدمی اپنے اطوار و عادات سے نہیں پیچانا جاسکتا۔“

”مشلاً....!“ چاگ اب بھی تحریر تھا۔

”مشلاً آپ ہونٹ سکوڑ کر رہتے ہیں۔ یہ ایک غیر معمولی عادت ہے۔ جو عام آدمیوں میں
نہیں پائی جاتی کیا آپ میک اپ میں با چیزوں پھاڑ کر نہیں ہنس سکتے۔“

”اوہ....!“ چاگ یک بیک سخیدہ نظر آنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد آہستہ سے بولا۔ ”میں یقیناً
لٹلی پر تھا۔ آخر آپ کرمل ہی کے اسٹرنٹ تو ہیں۔“

پھر اس نے کرمل کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے۔ حالانکہ
سے یہ خیال میں نے دلایا تھا۔ مگر سارا کریٹر کرمل کو جارہا تھا۔ جائے.... مجھے اس کی پرواہ نہ
تھی۔ میں تو متواتر اس لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا جواب ایک میز پر بیٹھ گئی تھی۔ لیکن اس کے دونوں
ماتحی اس کے پیچے والی میز پر تھے۔ وہ اس کے ساتھ نہیں بیٹھے تھے اور اس پر مجھے کافی خوشی
وں تھی۔

”میا وہ اس کے ملازم ہیں۔“ میں نے چاگ سے پوچھا۔

"ہاں.... باڑی گارڈ...! "

وہ لڑکی اپنی میز پر تھا تھی اور میرے دل میں گد گدیاں سی ہو رہی تھیں۔
"میں اسے کسی کا انتظار ہے۔" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" چاگ سر ہلا کر بولا۔ "وہ پچھلے کئی دنوں سے تھا بیٹھ رہی ہے۔"
"اور اس سے پہلے۔" "اُس سے پہلے اس کے ساتھ ایک بوڑھا فرانسیسی ہوا کرتا تھا۔"

"اس کا باپ...! "

"پتہ نہیں۔"

میں نے سوچا کہ اس سے تفصیل کا تقاضہ کروں مگر پھر خاموش ہی رہا۔ کیونکہ ممکن تھا کہ
ہی نے اسے تفصیل بتانے سے روک دیا ہو۔

"چھاتو مسٹر چاگ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"مُکرراً چاہئے۔" چاگ میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا شرات آمیز لہجے میں بولا۔ "ہذا
چاہئے.... قعْدہ لگانا چاہئے۔ اگر اس کے ساتھ دتم راتیں بھی میر کر لیں تو آپ امر ہو جائیں
گے کیپش۔"

اس نے پھر ہٹنے کے لئے ہونٹ سکوڑے ہی تھے کہ میں نے توک دیا اور اس بیچارے -
بری بے بی سے اپنے ہونٹ بند کر لئے۔

میں نے کہا۔ "مسٹر چاگ عشق ممکن ہے لیکن راتیں گزارنے کے لئے مجھے اپنے والا
صاحب سے اجازت حاصل کرنی پڑے گی۔"

وہ بیساخ تھا نہ پر اور اس کی حالت معنگی خیز تھی۔ کبھی وہ باچھیں چھاڑیتا تھا اور کبھی ہونڈ
سکوڑ لیتا تھا۔ بدقت تمام وہ خاموش ہوا اور بولا۔ "آپ اسے چافیں لینے میں کامیاب ہو جائیں
گے.... مجھے لیکن ہے۔"

"لیکن میں اسے چافیں کر کروں گا کیا۔ کہیں اتنا بڑا فرینگ پین بھی نہیں ملے گا کہ اسی مذہب
ذال کر گل ڈالوں۔"

"بس....!" وہ منہ پر دنوں ہاتھ رکھتا ہوا بولا "اب نہ ہنسائیے! میرے لئے بہت مشکل ہے۔"

کہ میں باچھیں چھاڑ کر ہنوں..... بہت مشکل۔"

"ماں! ڈیسر...! مسٹر چاگ اتنا معلوم کئے بغیر تو میں ہرگز نہ رہوں گا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔"

"مقصد....! چاگ سمجھیدہ ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "میں
صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کی پشت پر کون ہے۔ میں پولینڈ سے اس کا تعاقب کرتا
آیا ہوں۔"

پولینڈ سے۔"

"ہاں کیپش۔.... اور یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ حقیقتاً اس کی پشت پر کون ہے۔"

"میکا آپ کو شہر ہے کہ اس کی پشت پر کوہاں ہو گا۔"

اس نے ہنسنا چاہا۔ مگر پھر رک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "وہ ایک پُرسا را لڑکی ہے
کیپش.... انتہائی پُرسا را.... اورہ میرے خدا.... وہ دیکھو.... اورہ.... داہنی جاتب جہاں ایک
لڑکی کے سر پر گلاب کے پھول نظر آرہے ہیں وہ آدمی اُسے کس طرح گھور رہا ہے۔ وہ روزانہ سے
ای یہ طرح گھورتا ہے۔ میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں اور زوہ اسی میز پر ہمیشہ بیٹھتا ہے۔"

میں نے اس کی بیتاں ہوئی سمت میں دیکھا۔ حقیقتاً ایک آدمی اسے گھور رہا تھا۔ مگر یہ بکواس
تھی وہاں تو سمجھی اسے گھور رہے تھے۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی.... شاید وہ اس کے مقابلے میں خود کو
کثر محوس کر رہی تھیں۔

"اب یہ یہاں کھانا کھا کر ہائی سرکل ناٹ کلب جائے گی۔" چاگ نے کہا۔ "اور یہ آدمی اس
کا تعاقب کرے گا۔"

"اچھا...!"

ہم کھانا ختم کر کچکے تھے۔ چاگ نیکن سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ اتنے میں وہ لڑکی اپنی جگہ

سے اٹھی اس کے باڑی گارڈ بھی اٹھئے۔ وہ ریکر نیکن ہال کی طرف جا رہی تھی۔

"اس نے کھانا تو نہیں کھلیا۔" میں نے کہا۔

"پتہ نہیں۔" چاگ سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کی نگاہ برابر لڑکی کا تعاقب کرتی رہی۔

"مگر اس کا نام کیا ہے.... مسٹر چاگ۔"

"نام....!" چاگ نے ایک طویل سائنس لی۔ "پولینڈ میں اس کا نام اینا پاؤ لو تھا۔ پنجیم میں

بر تھا دا گین۔ فرانس میں تانیا تورا... اگلینڈ میں گریٹ سوئن اور یہاں اس کا نام ہے سو فیا در گارہم۔ ”

”بُن... قبر کے لئے بھی کچھ چھوڑیے...“ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”اس کی پشت پر کون ہے۔“ چانگ کچھ سوچتا ہوا بڑا لایا۔ ”اس کھپتی کی ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔“

”آپ نے بہت دیر سے افیون نہیں پی مسٹر چانگ۔“

”اوہ... ہاں ابھی ہم لاوٹھ میں چلیں گے۔ مگر کیپٹن اب میرا خیال ہے کہ آپ اپنا کا سمجھتے۔ میں واپس جاؤں گا۔ آپ کی واپسی بھی اسی عمارت میں ہو گی جہاں میں مقیم ہوں۔ کرتز نے کہا ہے کہ میں جتنے دن چاہوں آپ کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں۔“

”آپ جاسکتے ہیں مسٹر چانگ۔ میں سب کچھ دیکھ لوں گا۔“ میں نے کہا۔ حقیقتاً میں چانگ سے اکتا گیا تھا۔ وہ مجھے بالکل ڈفر معلوم ہوتا تھا۔

”شکریہ کیپٹن۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”مجھے توقع نہیں تھی کہ آپ اتنی آسانی سے پچھا چھوڑ دیں گے۔ میں دراصل اس وقت اس داستان کے دہرانے کے موڑ میں نہیں ہوں۔ ویسے کرتل کو سب کچھ معلوم ہے۔“

”میں کچھ بھی معلوم کرنا نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے کہ وہ لڑکی کیسا چاہی ہے۔“ میں نے کہا۔ چانگ نے میرا یہ جملہ اپنا منہ ذباکر بہت پسند کیا۔ اگر فروزانی اٹھنے گیا ہوتا تو میرے کافور کو ایک بار پھر اس کی ”ہو ہو“ ہضم کرنی پڑتی۔

اس کے جاتے نہیں میں نے ریکریشن ہاں کی راہی۔ یہاں حسبِ معمول رونق ہی رونق تھی۔ یعنی بے شمار لڑکیاں نظر آرہی تھیں۔ میری نظریں اسے تلاش کر رہی تھیں۔ ... اُف... فوہ... وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس سے عشق کرنے کی اجازت قادر ہارڈ اسٹون سے بھی مل چکی تھی۔ آرکسٹرا موسیقی کمپیر رہا تھا۔ لیکن ابھی رقص شروع نہیں ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آخر اسے ہم رقص بنانے کیلئے کو نسارست اختیار کیا جائے، اس کے طلب گار تو یکٹوں رہے ہوں گے۔ کئی منٹ تک ذہن پر زور دیا جا لیکن کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ ویسے وہ لڑکی تو نظر آگئی تھی اور یہاں بھی وہ اپنی میز پر تھا۔ نظر آرہی تھی اور اس کے پیچے کی میز پر اس کے باڑی گارڈ

ہوئے تھے۔ جن کی جیبوں میں تینی طور پر پستول رہے ہوں گے۔ میں نے آؤ بھی دیکھا اور بھی دیکھا لیکن سیدھا اس کی میز کی طرف چلا گیا اور اسے اطمینان سے کری کھکا کر بیٹھ گیا۔ بہت پرانی بے تکلفی ہو۔ یک بیک میں نے اس کی آنکھوں میں غصے اور حرمت کے آثار، اس کے باڑی گارڈ بھی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو گئے تھے۔

میں نے بڑی تیزی سے اپنے چہرے پر بچارگی اور حماتت کے آنکھ پیدا کئے اور کچھ بھائی ہوئی میں آہستہ سے بولا۔ ”معاف فرمائے گا معاف فرمائیے گا...“ میں اس وقت خطرے میں ہوں۔ ”کیوں؟“ وہ مجھے گھورتی ہوئی بولی اور پلٹ کر باڑی گارڈ کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ ”میری مگیت نے مجھے یہاں دیکھ لیا ہے۔ اگر میں تمہارا ہاتھ مجھے اس کے ساتھ ناچاپتے ہا۔“ ”میں نہیں سمجھی۔“ اس کی آواز میں بھی بلاکی سکس اپیل تھی۔ ”اوہ... میں کیسے سمجھاؤں۔“ ”مگیت سے بھاگتے ہو۔“ اس نے حرمت سے کہا۔ ”ہاں...!“

”یہ بات تھی تو مگیت بنایا ہی کیوں تھا۔“ ”میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔“ ہمارے یہاں کے رسم نے تمہارے معاشرے کے رسم و رواج سے بالکل مختلف ہیں۔ ہمارے یہاں لڑکی یا لڑکے کا بے والدین کرتے ہیں۔ ”اوہ... ہاں... میں جاتی ہوں۔“ ”مجھے وہ لڑکی بالکل پسند نہیں ہے۔“ ”پھر میں کیا کروں؟“ ”بس تھوڑی دیر مجھے یہاں بیٹھے دیجئے۔ آپ کے پاس مجھے دیکھ کر وہ کبھی اور ہر کارخانے گئی۔“ ”اوہ دل ہی دل میں مجھے گالیاں دے گی... کیوں؟“ وہ مسکرائی۔ اور کسی تدبیر ناول نہیں۔ قول کے مطابق میرے خرمن ہوش و حواس پر جلیاں سی گردیں۔ حقیقتاً اس کی مسکراہٹ لاکش تھی۔

”پچھے بھی ہو مجھے یہاں تھوڑی دیر بیٹھنے دیجئے۔“

”خصوصیت سے بینل کیوں؟“ وہ میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ”یہاں کمی میزدہن تھا لڑکیاں نظر آرہی ہیں۔“

”لیکن سب سے پہلے آپ ہی نظر آئی تھیں اور پھر یہ دیسی لڑکیاں بڑی سمجھ نظر ہوتی ہیں

میں ان سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس وقت اگر آپ کی جگہ کوئی دیسی لڑکی ہوتی تو تمہری شامت آگئی ہوتی۔ وہ طوفان بد تیزی پھیلتا کہ خدا کی پناہ۔“

”پچھی بات۔“ وہ دارالنک دینے کے انداز میں انگلی انھا کر بولی۔ ”اتا سایق مجھے بھی ہے کہ میں جھوٹ اور حق میں ایسا ذکر سکوں اور اب تم اسی صورت میں صحیح و سلامت اس کری سے اٹھا گے جب پچھی بات بتاؤ۔ میری بادشاہی گارڈ بہت زیادہ شریف نہیں ہیں۔“

یک بیک میں نے اپنے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار پیدا کئے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے گھوڑتا رہا پھر بولا۔ ”لڑکی ہوش میں آؤ۔ تم میری توہین کر رہی ہو۔ کیا تم نے جانتیں کہ میں کون ہوں۔ میری رگوں میں شانی نسل کا خون دوڑ رہا ہے اور لوگ مجھے پر نہ دراب کہتے ہیں۔ یہاں کس میں ہمت ہے کہ مجھے آنکھ ملا سکے۔ پچھلے سال میں نے فرانس میں تما ذوئیں لے تھے۔ میں اپنے باپ مہاراجہ سرخاں کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ میری مگر جس سے پچھا چھڑتا چھڑتا ہوں وہ بھی کوئی معنوی لڑکی نہیں۔ ریاست چنیوال پور کی شہزادی ہے۔“

مجھے غصے میں دیکھ کر اس کے بادشاہی گارڈز پھر کھڑے ہو گئے۔ لیکن اس نے مڑکرا نہیں دیا۔ ”تمہارے کام اشارہ کیا۔ پھر مسکرا کر بولی۔ ”معاف کیجیے گا شہزادے صاحب۔ مگر تعارف حاصل کرنے یہ ایک گھٹیا ساطریقت ہے۔“

”تم برادر میری توہین کے جادہ ہو۔ میں تم پر لعنت بھیجا ہوں۔“ میں نے کہا اور اٹھ گیا۔ ”بیٹھو بیٹھو! ورنہ سچ نہ یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ میرے بادشاہی گارڈز کو شہبہ ہو گا۔“ کہ تم میرے دشمنوں سے تعلق رکھتے ہو۔ یہ میری ایک نہ سنسنی گے کیونکہ یہ کسی دوسرے جوابدہ ہیں۔ ”ٹھہرو میں نے تمہاری توہین نہیں کی۔... تم مجھے بے حد چیپ آدمی معلوم ہوئے ہو۔“ کیونکہ آن نکل مجھے سے کسی نے بھی ایسے لجھ میں گھنگو نہیں کی جس لجھ میں تم کر رہے ہو۔“ میں بیٹھ گیا۔ لیکن اپنے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار باقی رکھے اور بولا۔ ”تم لڑکوں میں:

”بڑی کمزوری ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ ہر ایک کو فرشت سمجھنے لگتی ہو۔ میں تم سے رقص کی بابت نہیں کروں گا۔ حالانکہ یہاں نہ جانے کتنے اس کے خواہش مند ہوں گے۔ میں صرف یہ دیر اس میز پر بیٹھنا چاہتا ہوں جتنی دیر یہاں موجود ہے۔“

”وہ کہاں ہے.... مجھے بھی دکھاو۔“

”آج.... چھا....!“ میں نے کہا۔ مگر یہ مسئلہ میز را تھا۔ حالانکہ دور ہی سے دکھانا تھا جو کسی بھی خطرناک نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر سوال تھا کسی ایسی لڑکی کا جو شہزادیوں کی سی شان رکھتی بلد ہی مثکل آسان ہو گئی۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اسے دہاں پیشتر عورتیں اور لڑکیاں لھوڑ رہی تھیں۔ انہیں میں ایک گنبد نما لڑکی نظر آگئی۔ شاید آپ ”لگنڈ نہا“ پر چوکک پڑیں۔ نہ رہئے وہ لڑکی ہی تھی۔ کوئی مقبرہ نہیں۔ میں نے اسے گنبد نما اس لئے کہا ہے کہ اس نے بال اور پر سیست کر جوڑا لگایا تھا اور جوڑے کے گرد چینیلی کے پھولوں کا ایک ہار لپٹا ہوا تھا اور یہ کے اوپر ایک بڑا سا گلب اپ نظر آ رہا تھا۔ لباس اس کا یوریشن تھا۔ یعنی پیٹ اور کمر کھلے ہتھے۔ مگر پہلے نہیں اس نے لگکوئی پر ساری کو کیوں ترجیح دی تھی۔ وہ اسے گھوڑ رہی تھی۔ ”وہ دیکھو وہ رہی....!“ میں نے اس سے کہا۔

پھر جیسے ہی دنوں کی نظریں میں گنبد نما لڑکی میری طرف دیکھنے لگی۔ چلے قصہ تمام ہوا۔ ”اوہ.... وہ کافی خوبصورت ہے۔“ اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

”مگر مجھے تو پرستان کی بھیں معلوم ہوتی ہے۔“ میں نے جھنجلا کر کہا اور وہ ہٹنے لگی۔ اب نہیں کی کیفیت کیا بیان کروں۔ اتنی دیر نکل چاگک کی ہٹنی سنتے سنتے کان پک گئے تھے اس انہیں پکے ہوئے کانوں میں اس فقری ہٹنی کی آواز گویا امرت کی پچکاری معلوم ہوئی اور اواراب ولد مہاراجہ سرخاں کے شکر بجالانے کا ارادہ کرنے لگا۔ مگر ارادہ پورا نہ ہوا اس لڑکی نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ اب بڑی تیزی سے میرا دماغ چاٹ رہی تھی۔

”تم بہت بد ذوق آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”اس نے کتنے جرأت انگیز طور نہ بال جائے ہیں۔ اگر یہ پیرس میں ہوتی تو ہزاروں اس کے لئے جانیں دینے پر تیار تھے۔“ ”وپھر عنقریب میں اسے پیرس بھجوانے کا انتظام کروں گا اور خود بھی وہیں جا کر کن دفن

کرنے والی ایک فرم قائم کروں گا جس کے ساتھ بورڈ پر تحریر ہو گا شہزادی دردانہ پر جان ویرے والے ہم سے جھینپھین کرائیں۔ ہم انہیں ان کے شیانی شان دفن کر سکیں گے۔

وہ ہنسنے لگی۔ کافی دیر تک بختی رکھی پھر بولی۔ ”تم بہت دچپ آدمی ہو۔“

میں اس کا اعتراف کرنے والی تھا کہ رقص کے لئے موسيقی شروع ہو گئی۔ لوگ اٹھنے کا اور گنبد نماڑکی بھی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ چوبی فرش پر اتر گئی۔

”بل... بہت بہت... شکریہ۔“ میں اس انداز میں اٹھا جیسے سر پر پیر رکھ کر بھاگ لوں گا۔

”اوہ... شہر و...!“ اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”ہم ناجیں گے۔“

”نہیں... اس وقت نہیں... پھر بھی۔“

”اکھی اور اسی وقت۔“

تحوڑی سی روقدح کے بعد میں تاپنے پر تیار ہو گیا اور ہم بھی رقصاؤں کی بھیڑ میں آگئے پہلی ہی راؤٹھ میں وہ مجھ سے کافی بے تکلف ہو گئی۔ ہم متواتر تین راؤٹھ تاپنے پر چاگکا کہ کاملاً بالکل صحیح تھا وہ شاید ہنسنے والوں کا پچھا نہیں چھوڑتی تھی جب ہم بہت زیادہ تھک گئے اور دوسرے دن ملنے کے وعدے پر ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کی۔

میں اس عمارت میں واپس آیا جہاں چاگک میں اٹھا کر تھا۔ ابھی گھنٹی کا بننے دبا ہی رہتا تھا کہ کسی میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور ساتھ ہی چاگک کی ”ہو ہو“ بھی شانی دی۔ پھر وہ بیٹا بانہ انداز میں بولا۔ ”اوہ کیپشن آپ حیرت انگیز ہیں۔ اتنی جلدی... اتنی جلدی۔ صرف چند منٹ میں اتھا۔ تکلفی... آپ جادو گر ہیں۔ میں سب دیکھ رہا تھا۔“

چاگک میرے ہاتھ چومنے لگا۔ کشیدنی افیون کی بدبوکی وجہ سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

بختی کا چاچا

صحیح بستہ سے اٹھنے کو دل نہیں چاہا۔ پچھلی رات تقریباً ڈھانی بجے سویا تھا اور سوتے وقت بگ اس لڑکی کے ساتھ کبھی کبھی ناچتا رہا تھا اور جب آنکھ کھلی تھی اس وقت ویسی ہی خونگوار خوش محسوس ہوئی تھی جیسی پچھلی رات اس کے بالوں سے نکل رہی تھی۔ لیکن اس کے فوراً بعد

بیدنی افیون کی بدبویاں آئی اور کافوں میں پی چاگک کی ”ہو ہو“ گو نجخنے لگی۔ پھر یاد آیا کہ شاید بعض قات خواب میں بھی یہ ”ہو ہو“ پریشان کرتی رہی تھی۔

میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن اب نیند کہاں تھی۔ خواب کی خوشبوئیں ذہن میں رانے لگی تھیں اور کبھی افیون کے دھوکے کی بوانیں چھوٹی ہوئی تھیں کی لامحمد و گہرائیوں میں ہو جاتی۔

وفقاً دروازہ کھلا اور چاگک کا خط الجواں بوڑھا ملازم ہاتھوں پر ایک چھوٹی سی کشتی اٹھا تھے اے اندر داخل ہوں۔ میں اٹھ بیٹھا۔ وہ قریب آگیا۔ کشتی میں چاندی کی ایک چھوٹی سی کثیری ہی ہوئی تھی جس میں سیاہ رنگ کی کوتی سیال شے تھی۔

”یہ کیا ہے....!“ میں نے پوچھا۔

”افیون جناب....!“ نہایت ادب سے جواب دیا گیا۔

مجھے اس کی اس سادگی پر تاؤ آگیا۔ میں پچھلے ہی دن سے تاچکا تھا کہ میں افیون نہیں ہوں۔

”اے ادھر رکھ دو۔“ میں نے میز کی طرف اشارہ کیا اور خود مسہری سے اٹر آیا۔

پھر وہ افیون رکھ کر سیدھا بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ میں نے اسے اٹھا کر تھا۔ وہ کسی پاگل کی طرح چیخنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں میں اس کے سینے پر سوار تھا۔ اس کے کھلے ہوئے منہ میں نے کثیری کی افیون انڈلی دی اور اس کے حلق سے خرخراہت بلند ہونے لگی۔

چاگک بڑی بدبواسی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہمیں کاہل۔ جب ساری افیون بوڑھے کے حلق سے اتر گئی تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔

چاگک سوالیہ انداز میں مجھے گھوڑ رہا تھا۔

”میں اسے افیون پلارہتا۔“ میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

چاگک نے اس کثیری اور کشتی کی طرف دیکھا اور ملازم پر برس پڑا۔ پتہ نہیں وہ کیا بک رہا۔

قوڑی دیر تک دونوں ”چوں چوں چاچا چاچا“ کرتے رہے اور پھر بوڑھا ملازم میرا شکریہ اور کے چلا گیا۔

”آپ نے بہت برا کیا کیپشن۔“ چاگک بولا۔

”میں نے کل ہی اس گدھے کو بتا دیا تھا۔ میں افیون استعمال نہیں کرتا۔“

لوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی ابھی اپنے اکلوتے میئے کو دفن کر کے آیا ہو۔ میں بھی اس طرح موش ہو گیا جیسے میں اس سلسلے میں اس کی کوئی بات نہ سننا چاہتا ہوں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”مجھے کرتل نے یقین دلایا تھا کہ آپ کوچ بچ کی سے عشق نہیں ہو سکتا۔ آپ صرف اسے قوف نہیں گے۔“

”مستر چانگ مجھے افسوس ہے کہ میں اس لڑکی کو یو تو ف نہیں بنا سکوں گا۔“

”جب تو میں ڈوب گیا۔“ چانگ بھرا لی ہوئی آواز میں بولا۔

”میا یہ ممکن نہیں ہے مستر چانگ کہ میں اس آدمی کو جو اس کی پشت پر ہے آپ کے حوالے کے اس سے شادی کر لوں۔“

”نہیں.... میں اسے بھی قابو میں کرنا چاہتا ہوں۔ آخر آپ اسے کیا سمجھتے ہیں۔“

”اوہ اُسے۔“ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آہستہ سے بولا۔ ”میں اسے سفید افیون بھختا ہوں مستر چانگ... مگر افسوس نہ تو میں اب پاپ میں رکھ کر پی سکتا ہوں اور نہ گھول کر سکتا ہوں میں کیا کروں میری سمجھ میں نہیں آتا۔“

”اچھا.... اچھا....!“ چانگ غلکیں آواز میں بولا۔ ”آپ اس سے شادی کر لیجئے گا مگر مجھے علوم ہونا چاہئے کہ وہ کون آدمی ہے جو اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔“

”شکریہ.... مستر چانگ.... یہ آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔“ میں نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں اس عمارت میں پرنس دار اب کی شم پلیٹ لگوادوں۔“

”یہ بہت اچھا خیال ہے۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ اب یہ ضروری ہے کہ میں یہاں سے لہنیں اور چلا جاؤں۔ کیونکہ اس نے مکان کی گمراہی شروع کر دی ہے۔“

”مجھے اس کی ”ہو ہو“ یاد آگئی اور میں نے خلوص نیت سے اس کے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ آپ اپنے آدمیوں کو بھی لے جائیے۔ ملازموں کا انتظام میں کروں گا۔

”وہ اس تجویز پر بے حد خوش ہوا اور مجھے اس بات پر بے حد خوشی ہوئی کہ اس نے اپنی خوشی کا انہصار ”ہو ہو“ کر کے نہیں کیا۔

شام تک وہ اپنے آدمیوں سمیت وہاں سے چلا گیا۔ لیکن جب وہ وہاں سے جا رہا تھا کوئی بھی لیا آدمی نہیں نظر آیا جس پر مکان کی گمراہی کرنے کا شبہ کیا جاسکتا۔

”اُرے آپ اسے قتل کر دیتے؟“ مگر اب وہ سور کا پچھہ ہر دوسرے گھنٹے پر یہ بھول جائے گا۔ آپ افیون استعمال نہیں کرتے اور میری نہایت نیشن قسم کی افیون اس حرام زادے کے نیپا جلق سے اترتی رہے گی۔“

مجھے نہیں آگئی اور چانگ بولا۔ ”کبھی نہیں ابے ہمیشہ پہلے دوجو تے لگائے پھر بات سمجھتے کا داماغ بالکل درست رہے گا اور وہ کوئی بات نہ بھولے گا۔“

میں نے اس کے مشورے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میرے جوتے ان شورڈ نہیں نہ ”خیر....“ چانگ سر ہلا کر بولا۔ ”میں دراصل اس نے آیا تھا کہ آپ کو آپ کے کاردا کا نتیجہ سنا دوں۔“

”کون سا کار نامہ۔“

”چھپلی رات کا کار نامہ۔“ چانگ ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ ”آپ کی گمراہی شروع ہے۔ میرا خیال ہے کہ چھپلی رات ہی کو آپ کا تعاقب کیا گیا تھا۔“

”کیوں؟“

”صحیح سے ایک آدمی عمارت کے سامنے موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ اسی لڑکی آدمیوں میں سے ہے۔“

”اوہ.... تو کیا اس لڑکی کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہو گا۔“

”ضروری نہیں ہے۔ لیکن اس آدمی کو ضرور شبہ ہو سکتا ہے جو اس کی پشت پناہی ہے۔“ چانگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”آہ.... جب تو اس بیچاری کا کوئی قصور نہیں۔ وہ انجمنی شریف اور نیک لڑکی معلوم ہے۔“

چانگ اس پر اس طرح چوڑکا جیسے میں نے اسے کوئی گندی سی گالی دی ہو۔

”اس خیال کو دل سے نکال دیجئے کیپھن۔“ چانگ نے معموم لمحے میں کہا۔ ”ورنہ یہ چانگ دوہر اپیٹ رکھنے کے باوجود بھی جہنم میں پہنچ جائے گا۔ کیا آپ بچ بچ اس کے عشق میں ہو گئے ہیں۔“

میں نے بے بھی سے سر ہلا دیا۔ چانگ نے بھی ایک لمبی سانس لی اس کے چہرے۔

اس کے بعد میں نے اپنے تین ماچھوں کو دہاں طلب کر لیا اور چانگ پر پرنس داراب کے نکی تختی لگادی گئی۔ کرٹل نے اپنی لٹکن بھی مجھے ہی بھجوادی تھی۔ انہوں نے بھی اس رائے اتفاق کیا تھا کہ چانگ وہاں سے چلا جائے۔ لیکن انہوں نے مجھے اب بھی کچھ نہ بتایا۔ دیے گئے تھا کہ چانگ نے انہیں سارے حالات سے آگاہ کیا ہو گا۔ مگر کرٹل کا مقولہ تھا کہ اگر آدمی دارہ معلومات اس کی وقت عمل سے زیادہ ہو تو وہ نیا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ باتیم تو بڑی بھی چوڑی کرتا ہے لیکن عملی اعتبار سے صفر ہی رہتا ہے۔ میں نے کرٹل کو پچھلی رات واقعات سے بھی مطلع کر دیا تھا اور ان سے مجھے ہدایت ملی تھی کہ میں اپنی ملاتا تین جاری رکھوں۔ ہاں شاید میں نے ابھی تک اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ میں بھی میک اپ میں تھا۔ چانگ کے ساتھ روانہ کرنے سے قبل کرٹل نے میرے چہرے کی تھوڑی سی سرست کی تھی۔

رات کو میں پھر ہوٹل ڈی فرانس میں تھا۔ لیکن گیارہ بجے تک وہ نہیں آئی۔ میں ریکریٹر ہاں کی اسی میز پر اس کا انتظار کرتا رہا جس پر ہم دونوں پچھلی رات تھے۔ رقص کے دوران میں اچانک اعلان کرنے والے مائیک سے آواز آئی۔

”پرنس داراب پلیز.... جناب والا.... آپ کی کال ہے۔ نیجر کے کمرے میں تشریف لا لیے۔“ میں اٹھ کر نیجر کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں میں نے جس سے فون پر بات کی ”سو فایہ تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ بعض وجوہ کی بناء پر ہوتی دی فرانس نہیں آسکی لیکن اب وہ ہائی سر کل نائنٹ کلب میں میرا انتظار کر رہی ہے۔“

میں باہر آیا۔ اور لٹکن میں بیٹھ کر ہائی سر کل کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔

مجھے یقین ہے کہ میرا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ اب پتہ نہیں تعاقب کرنے والا چانگ تھا یا اور کوئی۔ تعاقب کا یقین اس وقت ہو گیا جب میں نے اپنی گاڑی غیر ضروری طور پر ادھر اور ہر کی گلیوں اور سڑکوں پر بھکانی شروع کر دی کیونکہ پیچھے گئی ہوئی کار ایک بار بھی کسی دوسرے راستے پر نہیں مڑی۔ لیں اس نے مجھے کلب تک پہنچا کر ہی دم لید۔ جب میری گاڑی کلب کی کپوٹ میں داخل ہو رہی تھی پچھلی کار فرانٹ بھرتی ہوئی آگے چلی گئی۔

سو فایڈا نینگ ہاں میں موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر بڑے دل آؤیز انداز میں مسکرائی آج بھی دونوں گارڈاکے ساتھ تھے۔ میں نے محسوس کیا ہد کینہ تو ز نظروں سے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔

میں سیدھا اس کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

”ہلو پرنس....!“ اس نے مصالحتے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ کیونکہ میں کسی قسم کی گرم جوشی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”یہ برا غلط طریقہ تھا۔“ میں نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”کیسا طریقہ میں نہیں سمجھی.... بنیخو....!“

”اس طرح فون کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر آج ہم نہ ملتے تو دنیا کے جغرافیہ میں کون یہ نہیں واقع ہو جاتی۔“

”ادہ کیا تم نہیں کرتا کہ کسی پیک مقام پر میرا نام ماہیکر دفن پر آتا چاہتے تھے۔“

”آتا چاہتا تھا لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی پیک مقام پر میرا نام ماہیکر دفن پر یا جائے۔“

”کیوں....!“

”تم خود سوچو! کتنی بد ناہی کی بات ہے.... پرنس داراب اور ہوٹل ڈی فرانس جیسا گھٹایا ہوئی....!“

”اوہ.... مگر وہ تو ایک شاندار ہوٹل ہے۔“

”میری نظروں میں نہیں ہے۔“

”ختم کرو۔ میں آج دن بھر تمہارے متعلق سوچتی رہی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم پہلے بھی کہیں ملے ہوں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ میں نے لاپرواںی سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ حقیقت پیان کر رہی ہے یا چانگ کے خیال کے مطابق اسے مجھ پر کسی قسم کا شہر ہو گیا ہے یا پھر وہ اسی آدمی کی ہدایت پر مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کر رہی ہے جو چانگ کے بیان کے مطابق اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ وہ خود کتنی بھولی اور بے ضرر معلوم ہوتی ہے بعض اوقات تو چانگ کے اندریوں کا مضمکہ اڑانے کو دل چاہتا تھا۔

”تم کون ہو۔“ میں نے اس سے پوچھا۔ ”کہاں سے آئی ہو.... کیا مجھے اپنے متعلق کچھ نہ بتاؤ گی۔“

"میں بھی پسند نہیں کرتی کہ لوگ مجھے پہچانیں۔"

"کیوں....؟" میں اسے گھورنے لگا۔ کیا وہ مجھے اپنی اصلاحیت بتانے جا رہی تھی؟

"میں فرانس کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہوں جو بہت مسز ہے۔"

"تو کیا میں گدھوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔" میں نے جلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"شاید....؟" وہ میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ "تم نے ابھی تک تو اپنے آڈر ہونے کا ثبوت دیا نہیں۔"

"اگر میں یہ میراٹ دوں تو تم کہاں ہو گی۔" میں نے دانت میں کر کھل۔

"جہاں بھی ہوں گی وہاں تم بھی پہنچ جاؤ گے۔ میرے باڑی گارڈز یہاں موجود ہیں۔"

"ان دونوں کو بیک وقت چیلچڑی کر سکتا ہوں۔"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے تمہیں۔ کل تو تم اچھے خاصے تھے۔"

"تو آج ہی کو ناسیب بڑھا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں آج بھی اچھا لگ رہا ہوں گا۔"

"کیا تم کریک ہو....؟ میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔"

"لڑکیوں کے بس کاروگ نہیں ہوں۔ پچاس سال کی بوڑھیاں بھی مجھے سمجھنے سے قام رہتی ہیں۔ تم خود ہو گی کریک۔"

"بھر بھی تم مجھے دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔" وہ پہنچ لگی اور نہ جانے کیوں مجھے چاک کی نہیں یاد آگئی۔

میرے خداوہ کس نبی طرح میرے ذہن سے چپک کر رہا گئی تھی۔ بعض اوقات تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے میں بھی کسی موقع پر غیر شوری طور پر اسی طرح "ہو ہو" کر سکتا ہوں۔ میں خاموش ہو گیا۔

دفعتاً میری نظر اس راہداری کی طرف اٹھ گئی جس سے پیشاب خانوں کی طرف راستہ جاتا تھا۔ وہاں مجھے کرٹ نظر آئے۔ جیسے ہی راہداری نظریں ملیں وہ راہداری میں مڑ گئے۔ سوفی کی پشت اسی طرف تھی اس لئے وہ نہ دیکھ سکی۔ اگر دیکھ سمجھی لیتی تب بھی کوئی ایسی خاص بات نہ تھی۔ کرٹ کے مخصوص قسم کے اشاروں کو سمجھنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ انہیں اس وقت درجنوں آدمیوں نے دیکھا ہوا لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے مجھے کس قسم کا اشارہ

قا۔ یہ تو صرف میں جانتا تھا کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ میں اس طرف آؤں۔

"اوہ.... میں ذرا باتھ رومن تک جاؤں گا۔ ابھی آیا۔" میں نے سوفی سے کہا اور اٹھ گیا۔ یہ رفتار بھی کچھ ایسی ہی تھی جیسے اگر میں نے باتھ رومن تک جھپٹنے میں جلدی نہ کی تو کوئی حادث جائے گا۔

اس حصے میں سناتا تھا کہ کرٹ نے مجھے ہلکی سی سیٹ سے اپنی طرف متوجہ کیا وہ دیوار سے لگے تھے۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر وہ تمہیں کہیں لے جانا چاہے تو بے خوف چلے جائیں۔" میں نے کہا۔

"میں اتنی سی بات کے لئے....؟" میں نے برا سامنہ بنایا۔

"میں نے سوچا تم حالات مذکور رکھتے ہوئے اسے نالئے کی کوشش نہ کرو۔"

"حالات والات آپ کے ساتھ ہوتے ہوں گے۔ میں تو ایک ٹالک پر اچھتا ہوا جاتا موت ف ایک بار آتی ہے... اور خوبصورت لڑکیاں بار بار ملتی ہیں۔ لہذا میں ایک بار والے معاملے بالکل پرواہ نہیں کرتا۔"

کرٹ اس انداز میں مسکرائے جیسے زندگی میں پہلی بار میری کوئی بات پسند آئی ہو۔

"دفعہ ہو جاؤ۔" انہوں نے کہا اور عقی دروازے کی طرف مڑ گئے۔

میں ہال میں واپس آگیا۔ سوفی مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت بے شکارے میرا انتظار کرتی رہی ہو۔

میں خوش ہو گیا خوشی کی بات بھی تھی۔ اگر آپ یہ محسوس کر لیں کہ کوئی لڑکی آپ کا انتظار کر رکھتی ہے تو آپ کا کیا حال ہو گا۔ اس کی پرواہ نہیں کہ وہ لڑکی بھینس کی نواسی ہے یا گینڈے بھیجتی۔

میں بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک میرے چہرے کا جائزہ لیتی رہی پھر بولی۔ "کیا ہو گے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"وہ لکھ سوڈا یا اور کچھ۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"میں اس بے تکلفی کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔" میں نے پھر منہنے پھلانے اور وہ انداز میں ہنسنے لگی جیسے مجھے چارہ ہی ہو۔

"اے سوفیا میں بہت بُرا آدمی ہوں۔" میں نے غصیل الجہہ برقرار رکھا۔

"تم کیا کر لو گے میرا۔"

"میں نے نفترت سے ہونٹ سکوڑ کر دوسرا طرف منہ پھیر لیا۔"

لیکن وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "خفا ہو گئے؟"

کہنے کے انداز میں اتنی لگادٹ تھی کہ بے اختیار وہیں شہید ہو جانے کو دل چاہا۔ لیکن پھر خیال سے شہید ہو جانے کا ارادہ ترک کر دینا پڑا اک اس قسم کی شہادت قادر ہارڈ اسٹون کو میری ہر لک میں گھس آنے پر مجبور کر دے گی۔

"میرا مودہ خراب ہو گیا ہے۔" میں نے چڑپا ہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تم سنو تو سہی تمہاری وجہ سے میں بہت الجھن میں پڑ گئی ہوں۔ کیا تم فرانسیسی سمجھ سکتے ہو۔"

"بُول بھی سکتا ہوں۔"

"نہیں....!" اس نے خوشی اور حیرت ظاہر کی۔

"یقین کرو کہ میں فرانسیسی بُول سکتا ہوں۔" میں نے فرانسیسی میں کہا۔

"میرے خدا.... جب تو تم میری مدد کر سکو گے۔"

"کیا مطلب....!"

"اب ہم فرانسیسی میں گفتگو کریں گے۔ کیونکہ میرے باڑی گارڈ فرانسیسی نہیں سمجھ سکتے۔"

"ہوں....!" میں نے دچکی ظاہر کی۔

اس کے چہرے پر الجھن کے آثار پائے جانے لگے۔ یا تو وہ سوچ رہی تھی کہ بات کا آغاز کیے کرے یا پھر اس ادھیڑ بن میں بتلا تھی کہ وہ بات مجھے بتائے یا نہ بتائے۔ کچھ دیر بعد اس نے طوبی سانس لی اور آہستہ سے بولی۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کن حالات سے دوچار ہوں... میں چاہے.... اوہ.... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ بات کہاں سے شروع کروں.... نہ ہو... پہلے تو تم بھی سوچو گے کہ میں نے یہ بات تم سے کیوں کہی۔ ابھی کل ہی تو ہماری ملاقات ہوں۔"

ہے مگر اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ فرض کرو تم میرے چھا ہو۔"

"یہ فرض کرنے سے پہلے میں مر جانا زیادہ پسند کروں گا۔" میں جلدی سے بول پڑا۔

"میری بات سنو۔" وہ جھلائی اور اس جھلاتھ میں بچکانیت کا انداز تھا۔ اس نے کہا "مجھے بات کرنی نہیں آتی۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ میرے چھانے مجھے تم سے ملنے سے نہیں روکا۔ حالانکہ اس سے پہلے جب بھی کسی نوجوان نے میرے قریب آنے کی کوشش کی ہے تو وہ بہت خعا ہوا ہے اور دوسری بار اس سے نہیں ملنے دیا۔ لیکن تمہیں اس نے کل بھی دیکھا تھا اور آج بھی دکھ رہا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ تم سے نہ ملوں۔ میں نہیں سمجھ سکتی.... وہ مجھ سے ہمیشہ دور دور رہتا ہے۔ میرے ساتھ نہیں رہتا۔۔۔ مگر میں اس کی غلام سے بدتر ہوں۔" "وہ یہاں کہاں ہے۔"

"بائیں جانب دیکھو.... وہ جس کے بال اگھے ہوئے سے ہیں۔ خبیث صورت.... خدا اس پر عذاب نازل کرے۔" اس نے بائیں جانب دیکھے بغیر کہا اور میں نے بھی مناسب نہیں سمجھا کہ فور انہی بائیں جانب دیکھنے لگوں۔ میں سوفیا ہی کی طرف دیکھتا ہوا کرسی کی پشت سے نکل گیا۔ جب سے پاپ نکال کر اس میں تمباکو بھری اور بائیں جانب جھک کر سلاکنے لگا۔ اسی دوران میں نے بائیں جانب نظر بھی دوڑائی اور آخر مجھے ایک اگھے ہوئے بالوں والا خبیث صورت غیر ملکی نظر آئی گیا۔ اس نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ خبیث صورت تھا۔ اس کے جڑے بھاری تھے اور تو ہو تھی سور کی سی تھی۔

"ہاں.... وہ مجھے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"خدا سے غرقاب کرے۔ پتہ نہیں وہ میرا چاہے بھی یا نہیں۔"

خطرہ ہے

مجھے اس پر بے حد حیرت ہوئی اور میں نے حیرت ظاہر کی.... بلکہ اسے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ میں اس کے اس عجیب و غریب بیان کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔ اورے تم سنو تو سہی میں ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں

ہے۔ اس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ ”
”جب تو تم بڑی خوش قسمت ہو۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔
”میرے خدا... میں لعنت بھیتی ہوں ایسی خوش قسمتی پر...“ تم یہ تو دیکھو کہ وہ اسی طرح
ے ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے اور ہم اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ لیکن
ہ مقصد نہیں معلوم ہوتا۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر میں یقین نہیں کر سکتی۔“
”کیا کہتا ہے۔“

”یہی کہ ڈچ گی آنا ایک عجیب و غریب ملک ہے۔ میں ہمیں وہاں کی زندگی کیلئے ٹریننگ دے
دیں۔ لیکن جب پوچھتی ہوں کہ کیسی ہے وہاں کی زندگی توجہ اپناتا ہے کہ خود ہی دیکھ لوگی۔“
”اور وہ کسی نوجوان کو تمہارے قریب نہیں آنے دیتا۔“
”نہیں.... لیکن تمہارے متعلق اس نے ابھی تک کچھ نہیں کہا۔“
”اور تم پہلی بار کسی کو یہ داستان سنارہی ہو۔“
”پہلی بار.... یقین کرو.... میں تک آگئی ہوں اس الجھن سے۔ میں اس کے بہت بڑے
س اور کروڑوں کی جانب اپر لعنت بھیج کر فرانس واپس جانا چاہتی ہوں۔ ایسی الجھن سے میں
نا اپنی مفلسوں کی زندگی میں بھی دوچار نہیں ہوئی۔“
”واقعی یہ داستان عجیب ہے۔“
”اب بتاؤ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو۔“

”یہی سوچ رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔ میں حقیقتاً سوچ رہا تھا کہ اس کے متعلق کیا کرنا چاہئے۔
بات تو چانگ نے بھی کہی تھی کہ وہ کسی کے ہاتھوں کٹھپلی ہو رہی ہے اور چانگ اس آدمی کا پڑے
لانا چاہتا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ چانگ نے آج ہی صبح کسی ایسے آدمی کا نہ کر کہ کیا تھا جو ہماری رہائش گاہ
ہاگر انی کر رہا تھا۔ یہ خیال بھی چانگ ہی نے ظاہر کیا تھا کہ ہو سکتا ہے سو فیا اس سے بے خبر ہو اور
ل آدمی نے گرفتاری شروع کرائی ہو۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ چانگ تو یورپ کی سیاحت کے
وران ہی سے ان کا تھا قب کرتا رہا ہو گا لہذا یہ آدمی جسے وہ اپنا چاہتا رہی تھی کئی بار اس کی نظر وہ
سے گزر رہا گا۔ لہذا اس کے متعلق بھی چھان میں کرنی ہی چاہئے تھی میں ابھی یہ سوچ ہی رہا
تھا کہ وہ بولی۔

فرانس کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہوں لیکن اب اس خاندان میں میرے پچھا
علاوہ اور کوئی باقی نہیں چا۔ وہ بھی ڈچ گی آنا کا باشندہ ہے۔ ڈیڑھ سال قبل وہ فرانس آیا تھا اس نے
مجھے بتایا کہ وہ میرا پچھا ہے۔ ویسے میں نے اپنے دور کے عزیزوں سے ساتھا کہ میرا پچھا ڈچ گی اس
میں رہتا ہے جو بچپن ہی میں گھر سے چلا گیا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے آیا۔ لیکن میں یقین نہ کر سکی کہ
میرا پچھا ہی ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میرے دور کے اعزہ میں ایک بہت بڑا بوڑھا آدمی زندہ ہے جو
نے بچپن میں اسے یقینی طور پر دیکھا ہوا گا۔ میں اپنے اس چاکا کو اس کے پاس لے گئی اور وہ بوزہ
آدمی اسے بہت در بعد پچان سکا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس وقت بہت چھوٹا تھا جب اس نے اس
دیکھا تھا۔ لیکن وہ میرا پچھا ہی ہے۔ مجھے اس نے اور بھی یقین کرتا پڑا کہ میری حالت اچھی نہیں
تھی۔ میں نے سوچا کہ بھلا کسی غریب لڑکی کو بھیتھی بنانے سے کیا فائدہ اور پھر وہ ایک مالدار آدمی
تھا۔ اس نے میں نے سوچا ممکن ہے وہ سچ کہہ رہا ہو۔ میں نے اسے اپنا چاکا تسلیم کر لیا۔ اس ا
یورپ کی سیاحت کا پروگرام پتلایا تھا۔ مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں بھی اس کا ساتھ دوں۔ میر
ساتھ ہو گئی۔ مفت کی سیاحت تھی اور ایک مالدار پچھا۔ لیکن فرانس سے باہر نکلتے ہی وہ عجیب
غیری ٹھابت ہونے لگا۔ میرے لئے دو بڑی گارڈ مقرر کردیے اور جس ہوٹ میں مجھے ٹھہرائی
وہاں خود نہیں قیام کرتا تھا۔ کسی دوسرے ہوٹ میں اس کا قیام ہوا کرتا تھا۔... مجھ پر کسی قسم کا
پابندی نہیں تھی سوائے اس کے کہ اگر اسے کہیں باہر دیکھ لوں تو اس سے مخاطب ہوئے کو
کوشش نہ کروں۔“

”تم نے اس پر احتجاج نہیں کیا۔“ میں نے پوچھا۔
”کیا تھا لیکن اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ نہیں بتایا پھر میں نے سوچا ہر جھیکی
ہے۔ پہلے میں مفلسوں کی زندگی پر کرتی تھی اب عیش کر رہی ہوں اور ابھی تک مجھے کوئی ایسا کام
بھی نہیں کرتا پڑا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا۔ لہذا میں خاموش ہو رہی ہی۔ لیکن الجھن....؟
خود سوچو... ایسی حالت میں کتنی الجھن ہو سکتی ہے۔ یورپ کی سیاحت ختم کر چکنے کے بعد ازا
نے ایشیا کی سیاحت کا پروگرام بٹلیا۔ اب ہم یہاں آئے ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ازا
سیاحت کا مقصد کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایشیا کی سیاحت کے بعد وہ مجھے ڈچ گی آتا لے جائے گا۔ جہاں
اس کا بہت بڑا بزنس اور کروڑوں کی جانب ادا ہے اور میں ہی دراصل اس کی وارث ہوں۔ کیونکہ“

”میرے خدا... قتل!“

”ہاں.... کوئی بڑی بات ہے۔ میں ابھی اسے نہیں قتل کر سکتا ہوں۔ کسی کو کافی کافی بڑی نہ ہو کہ وہ کیسے مر گیا۔ بس نہیں اسی کری پر ذہیر ہو جائے گا۔ میں پرنس دار اب ہوں گوئی۔ جس کے نام سے پولیس بھی کافی ہے اور یہاں کے بدمعاش بھی لرزتے ہیں اور مجھے ہر وقت خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں مجھے گولی نہ مار دی جائے۔“

”کیوں....!“ وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگی۔

”اسی لئے کہ پولیس بھی میری دشمن ہے اور یہاں کے بدمعاش بھی۔ لیکن میں پھر بھی آزادانہ گھومتا ہوں۔“

”کمال کرتے ہو.... نہیں تم جھوٹ بولتے ہو۔“ وہ نہیں لگی مگر اب بھی خوفزدہ نظر آرہی تھی۔ ”اچھا تو تم دیکھو گی میر اکمال۔ میں ابھی پندرہ منٹ کے اندر اندر اس بوڑھے کا خاتمه کرائے دیتا ہوں۔“

”تکیے.... کس طرح۔“

”بلوپاپ کے ذریعے۔“

”بلوپاپ کیا....؟“

”ایک پتلی سی نکلی جس میں زہر میں سوئی ہوتی ہے۔ اسے ہونٹوں میں دبا کر پھوکتے ہیں اور سوئی اس میں سے نکل کر شکار کے جسم میں جا چھتی ہے اور وہ چشم زدن میں ختم ہو جاتا ہے۔ لڑکی میں ایک بڑا سرار شہزادہ ہوں۔ یہاں میرے آٹھ آدمی موجود ہیں جو ہر وقت میری حفاظت کرتے رہتے ہیں اور اکثر میرے دشمنوں کی موت نہیں کے ہاتھوں واقع ہوتی ہے۔ ان کے پاس بلوپاپ ہوتے ہیں۔ نخنے نخنے سانپ ہوتے ہیں جب جہاں جیسا موقع ہوا۔۔۔ کیا سمجھیں۔“

”وہ اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔۔۔ میں نے کہا۔“ مگر میں اسے

ختم نہیں کروں گا۔ میں یہ دیکھوں گا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ وہ کیوں تمہارا چچا بن گیا ہے۔“

”جب تک تم دیکھو گے میں مر جاؤں گی۔“

”نہیں اب میرے آدمی تمہاری بھی گھرانی کرتے رہیں گے۔ تمہیں ذرہ برابر بھی خائن فریب ہونا چاہئے۔“

”تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ بعض اوقات میں اسے پچاہن ہی نہیں سکتی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”وہ اپنی صورت تبدیل کر لیتا ہے اور مجھے آگاہ کر دیتا ہے کہ فلاں جگہ موجود ہوں اور شکل میں ہوں تم وہاں پہنچو۔ لیکن اگر تم سے کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت سر زد ہوئی تو تجھے خود ذمہ دار ہو گی۔“

”اوہ.... تو کیا اس وقت بھی وہ میک اپ میں ہے۔“

”ہاں.... وہ میک اپ ہی میں ہے۔“

”اور تمہیں خود کو پہنچوادیا ہے۔“

”ہاں یہ بات بھی مجھے الجھن میں ڈالتی ہے۔ اگر وہ میری گھرانی کر تارہتا ہے تو مجھے اسی بات سے آگاہ کر دے کہ وہ فلاں جگہ موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ میں اس سے خوف کھاؤ اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہی کروں گی پھر آخر خود کو پہنچوانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”بات غور طلب ہے۔“ میں نے سر ہلا کر کہا۔

”پھر تم میری کیا مدد کر سکتے ہو۔“

”میں پچھے لگاؤں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔“

”نہیں تم یہاں کی پولیس کو اس کی اطلاع دے دو۔ خدا کے لئے جو کچھ بھی کرتا ہے کرو۔ اب مجھے بہت خوف معلوم ہونے لگا ہے۔“

”ارے بیں....!“ میں نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”عیش کر دعیش....!“

”یہ عیش مجھے پا گل بنا دے گا۔“

”سب تو میں تمہیں فرانس واپس نہیں جانے دوں گا۔“

”کیوں؟“

”عرصہ سے میری خواہش تھی کہ کسی پا گل لڑکی سے شادی کروں پچھے نہیں کیوں دل ہے کہ کبھی کوئی لڑکی مجھے کائے نہ دوڑے اور میں جیچ جیچ کر آسمان سر پر اٹھا لوں۔“

”شرم نہیں آتی کسی بے بس لڑکی کا مظہر اڑاتے ہوئے۔“ اس نے عمرکیں آواز میں کہا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم بے بس نہیں ہو۔ جس وقت چاہو اسے قتل کر سکتی ہو۔“

”اب مجھے اور زیادہ خوف معلوم ہونے لگا ہے۔“

”تم نہ سمجھ رہی کہاں ہو۔“

”آر لکچو... روم تھرٹن۔“

”اور.... وہ....!“

”میں نہیں جانتی.... وہ اب اپنی جائے قیام کے متعلق کچھ نہیں بتاتا۔ بس فون پر اطلاع دیتا ہے کہ آج کہاں جاتا ہے۔“

”لیکن میک اپ میں خود کو جھپٹوانے کا کیا طریقہ ہے۔“

”اس کے باسیں ہاتھ میں ایک انگشتی ہے جس پر گنینے کی جگہ شیر کا سر بنا ہوا ہے بس وہ نہ کسی طرح انگشتی میرے سامنے کر دیتا ہے اور میں اسے پہچان لیتی ہوں۔ لیکن ایسا بھی نہ ہوا کہ کہیں اس نے یہ جتایا ہو کہ وہ وہاں موجود ہے۔ خود کو مجھ پر ضرور ظاہر کر دیتا ہے۔“

”یہ چیز الجھن میں ڈالنے والی ہے۔“ میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ وہ بھی خاموش ہو چکی۔

میں سوچ رہا تھا کہ ان حالات کی اطلاع کرنے کو دونوں گا اور چاگ کو تو فی الحال اس کی ہوا؛ نہ لگنے والی جائے چونکہ کسی جرم کا ارتکاب خود ہمارے ملک میں ہونے والا تھا۔ اس لئے ہمارافر تھا کہ پہلے ہم اسے اپنے نکتہ نظر سے دیکھتے۔ غالباً کرنل بھی میرے اس خیال کی تروید نہ کر رہا چاہیے۔ پھر میں نے سوچا کیا چاگ یہاں بھی موجود ہو گا۔ پچھلی رات تو وہ میرے پیچھے ہی رہا تھا۔ اگر وہ حقیقتاً یہاں موجود ہے تو مجھے سوفیا کے چھاکاتھا قریباً کیا تھا۔

”کیا سوچنے لگے“ سو فیا نے ٹوکا۔

”کچھ نہیں! اب تمہارے معاملے کے علاوہ اور کیا سوچوں گا۔ ویسے اگر تم کوئی نئی بات سوچ کا مشورہ دینا چاہو تو وہی اشارث کر دزوں.... آہاں.... نہ سمجھو و.... بات دراصل یہ ہے کہ؟“

تمہاری یہ کہانی کسی جاسوسی ناول کا پلٹ معلوم ہوتی ہے۔“

”خود مجھے بھی معلوم ہوتی ہے۔“

”آخر میں اس پر یقین کروں یا نہ کروں۔“

”میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔“ اس نے ناخوشگار لمحے میں کہا۔ ”پھر کیا صورت ہو سکتی ہے مجھے یقین دلانے کی۔“

”یہی کہ اب میں ہی کسی اور کے ذریعہ یہاں کی پولیس کو اس سے باخبر کرنے کی کوشش روکی۔“

”میں بھی نہیں.... جب میں یہ دیکھوں گا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا اس وقت میں بھی سوچوں گا پولیس کو مطلع کر دیا جائے۔“

”وہ کچھ نہ ہو گی۔ اس کے چہرہ پر تھکن اور اکتابت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔“

”ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم پاپورٹ پر یہاں آئی ہو یا غیر قانونی طور پر۔“

”پاپورٹ پر.... لیکن میرے یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میرا ماموں یہاں کی ایک فرم ن فیجر تھا جو پچھلے ماہ ہیجنے کا شکار ہو کر چل بنا۔ میں اسی ماموں کا سامان سمیثے آئی ہوں۔“

”میں حقیقتاً ایسا ہی ہے۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں جانتی بھی نہیں کہ وہ کم بخت کون تھا۔ مجھ سے جو کچھ بھی کہا گیا تھا میں نے اس کی طلاق فرانسیسی سفارت خانہ کو دے دی ہے۔ میں نے سفیر کو بھی بتایا ہے کہ میں ذکسن راجر کمپنی کے سابق میجر موسیو تکلی دریکسال کی بھائی ہوں اور ان کی موت کے سلسلے میں یہاں آئی ہوں۔ بڑا اس کے سامان پر مجھے پتھر دلو لیا جائے۔“

”اور تم اب بھی نہیں سمجھیں کہ تمہارا چچا کیا چاہتا ہے۔“

”نہیں.... میں نے سمجھنے کی کوشش کی تھی لیکن نہیں سمجھ سکی۔ تم بھی سوچوں گے ڈکر وہ بڑی آڑ لے کر کسی شریف آدمی کا ترکہ ہتھیانا چاہتا ہے۔“

”یقیناً....!“

”لیکن تکلی دریکسال نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ اس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک بیالی طبع آدمی تھا جو کچھ بھی کماتا تھا اڑا دیتا تھا۔ بیک میں اس کی کل پونچی ستائیں روپے بارہ آنے پہنچی تھیں سامان بھی کوئی ایسا قیمتی نہیں ہے اور میرے پچانے بھی اس کے متعلق کوئی خاص بے چمنی نہیں ظاہر کی تھی۔ ارے اے ہٹاوا.... میں کہتی ہوں یورپ کی سیاحت کا کیا مقصد تھا۔ یہاں بھی اس کا رو یہ یہی تھا جو یہاں ہے کسی بات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔“

جہت ہو شیاری کی ضرورت ہے کیپن میں پھر تمہیں آگاہ کرتا ہوں۔“
”شکریہ ذیر... ناتا...!“ میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا
لما چاہئے۔

شعلے کی ٹھنڈک

میں نے سوچا یہ چاگ بھی برا مستعد آدمی ہے۔ مگر کرتل... بھلامیں کس طرح سمجھ لیتا
کہ انہوں نے یہ کیس مکمل طور پر میرے سپرد کر دیا ہے۔ انہوں نے کچھ دیر پہلے مجھے جو ہدایت
دی تھی اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مجھے بیرون کی پالی میں چھوڑ کر خود
دورے حالات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ پھر میں چاگ کی ہدایت پر کیسے عمل کرتا۔
میں پھر ہاں میں واپس آگیا۔ سوفیا وہی موجود تھی اور اس کے باڑی گارڈ شراب پی رہے
تھے۔ اسی سے میں نے اندازہ کر لیا کہ ان کی نظر وہیں سوفیا کا کوئی احترام نہیں ہے۔
”تم نے دیکھا۔“ سوفیا آہستہ سے بولی۔ ”یہ میرے باڑی گارڈ ہیں۔ میرے چاچا کے ملازم۔
تم انہیں دیکھو یہ کس بے باکان انداز میں شراب تو شی کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں کسی
بدعاشر آدمی کے چنگل میں پھنس گئی ہوں یہ میرا چاچا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ“
اس وقت بھی میک اپ میں رہا ہو جب وہ میرے چاچا کی حیثیت سے سامنے آیا تھا۔
”ہو سکتا ہے۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ بھی ممکن ہے وہ میرے چاچے واقف ہو جو ذوق گی آنامیں رہتا ہے اور اسی واقفیت سے
فارکہ اخوار ہا ہو۔ کاش مجھے اپنے چاچا کا پیدہ معلوم ہوتا۔ کاش میں یہ معلوم کر سکتی کہ وہ ذوق گی آنامیں
کہاں رہتا ہے۔“

میں بہت زیادہ کبواس کر چکا تھا لہذا اب میں نے خاموش عی رہتا مناسب سمجھ کاش کرتل یا
چاگ مجھے سارے حالات سے آگاہ کر دیتے پھر میں دیکھتا کہ میں تھا کیا کر سکتا تھا۔

کرتل شاید یہ سمجھتے ہیں کہ میں زادیوں ہوں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے کہ ان کی موجودگی
میں پچھ بن جانے کو دل چاہتا ہے۔ بس یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہم اتوں پر حماقتیں کئے جاؤ۔ لیکن

میں پھر سوچ میں پڑ گیا۔
”کیا سوچنے لگے۔“
”یہی کہ ممکن ہے وہ اسی تکل دریکس اس کو یورپ میں تلاش کر رہا ہو اور اب یہاں اس کا
سراغ ملا ہو۔“
”لیکن اب بھی اس کی پرانی حرکتیں جاری ہیں۔“

”خیر میں اس مسئلے پر اطمینان سے غور کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا اور اسی وقت میں نے
اس کے چچا کو اٹھ کر ہاں سے باہر جاتے دیکھا۔ سوفیا نے اس پر حیرت ظاہر کی کیونکہ اس کی
یادداشت میں پہلی بار اس نے ایسا کیا تھا۔ ورنہ وہ کسی تفریق کا گاہ نہیں اسے تھا نہیں چھوڑتا تھا۔ سوفیا
کے بیان کے مطابق جب اسے کہیں سے اٹھتا ہو تاھا تو وہ کسی نہ کسی طرح سوفیا کو اپنے ارادے
سے آگاہ کر دیتا تھا اور دونوں آگے پیچھے ہی وہاں سے برخصت ہوئے تھے مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا
وہ اسے مطلع کئے بغیر اٹھ گیا تھا اور اب سوفیا کہہ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا وہ بھی اٹھ
جائے۔ مگر ان نے اٹھنے کا اشارہ نہیں کیا تھا۔ ہم اس پر ابھی بحث کر رہی رہے تھے کہ لاڈو پسیکر پر
اعلان ہوا۔

”پرنس داراب پلیز... آپ کی فون کاہل ہے... براو کرم نیجر کے کمرے میں تشریف لائیے۔“
میں نے سوچا ممکن ہے کرتل ہوں لیکن میں نے تو انہیں ابھی تک پرنس داراب کی کہانی
نہیں سنائی تھی۔ میں اٹھ کر نیجر کے کمرے میں آیا اور فون پر پہلی ہی بار مخاطب کی آواز بچان لی۔
دوسری طرف سے چاگ بول رہا تھا۔ ”کیپن تم خطرے میں ہو۔ میں کلب کے باہر والے فون
بو تھے سے بول رہا ہوں۔ ابھی ابھی ایک بوڑھا یورپین باہر آیا ہے اور اس نے تین آدمیوں کو
تمہارے متعلق کچھ ہدایات دی ہیں۔ میں صاف نہیں سن سکا۔ لیکن تم ہو شیار رہو۔ اگر وہ لاکر
تمہیں کہیں لے جانا چاہے تو ہرگز نہ جانا۔ ویسے اس کا قیام آر لکچو میں ہے لیکن یہ بوڑھا یورپین
مجھے پہلی بار دکھائی دیا ہے۔“

”اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“
”یہی کہ وہ اسی بوکی کے ساتھیوں میں سے ہو سکتا ہے۔“
”میں ابھی یہاں بیٹھوں گا تم فکر نہ کرو۔“

کسی سازش کی کہانی سنائی تھی۔ گویا ب وہ جگہ پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ لیکن سوفیا نے یہ نہیں بتایا کہ کبھی اس سے پہلے بھی اس کے کسی ملنے والے پر ہاتھ صاف کیا گیا تھا یا نہیں۔ اس نے بھی کہا تھا۔ صرف کہا ہی نہیں تھا بلکہ اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی کہ اسے مجھ سے ملنے سے بھی کہا تھا۔ حالتکہ پہلے کئی بار اسے ایسی ملاقاتوں سے روزا گیا تھا۔۔۔ پھر۔۔۔ اگر اب کسی نہیں روکا گیا تھا۔ حالانکہ پہلے کئی بار اسے ایسی ملاقاتوں سے روزا گیا تھا۔۔۔ اگر اب کسی نہیں ملنے والے کے خلاف کسی قسم کی سازش بھی کی جائے تو یہی سوچا جاسکتا ہے کہ وہ ملنے والا کسی قسم کی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ لہذا امیرے ساتھ کون سی اہمیت ہو سکتی تھی۔ سو اے اس کے کہ میں حکمہ سراغ رسانی کا ایک آفسر تھا۔ اگر اس بوڑھے نے اسی اہمیت کو مد نظر رکھ کر میرے خلاف کوئی سازش کی تھی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ وہ ایک بہت زیادہ باخبر آدمی ہے اور میں میک اپ میں بھی پہچان لیا گیا ہوں۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد نیم منے سوچا کہ کرٹل کو اس کی اطلاع ضرور دی جائے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں کسی مصیبت میں پڑنے کے بعد بھی کسی الوکنخت جگہ سمجھا جاؤں۔ حالانکہ آج تک کسی الوں مجھے اپنا لخت جگہ نہیں سمجھا۔ میں نے میجر کے کمرے میں جا کر کرٹل کے لئے رنگ کیا۔ لیکن وہ گھر پر نہیں ملے۔ ہر وہ مقام فون پر کھنکال ڈالا جہاں ان کے ملنے کے امکانات ہو سکتے تھے مگر مایوس ہی ہوئی۔ پھر کوشش کی کہ امر سکھ یا ریمش ہی میں سے کوئی مل جائے لیکن تو بے کجھ۔۔۔ اس رات تو سر پر چھپلی سوار تھی۔ میں یہی کہوں گا کیونکہ مجھے چاںگ کا گھر نہیں یاد آیا جہاں میں خود رہتا تھا اور میرے تین آدمی اس وقت بھی موجود تھے۔ اس عمارت میں فون بھی تھا۔ لیکن یقین کیجھ اس عمارت کو سرے سے بھول ہی گیا تھا۔

جب میرے سر پر چھپلی سوار ہوتی ہے تو عموماً یہی ہوتا ہے۔ جوش شجاعت میں پکھے ایسی حماقتوں سر زد ہوتی ہیں جن کا جواب مشکل ہے۔ مگر کبھی کبھی اسی چھپلی نے جو میرے سر پر سوار ہوتی ہے مجھے تیس مارخاں بھی بنادیا ہے۔ نہیں سمجھے۔ بھی یہ تیس مارخاں کا لطفہ بھی عجیب ہے ہم آپ بات پر تیس مارخاں بننے ہیں۔ لیکن اس کی کہانی شاید ہی عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو۔ آپ کہیں گے اور اُدھر کی کہانیاں سننے پہنچے گیا۔ میں کہتا ہوں ہر ج ہی کیا ہے۔ اب میں تذکرہ نویس صاحب کی طرح رنگ آمیزیاں تو کر نہیں سکتا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح اس کہانی کو

آپ واقف ہی ہیں کہ ان کی عدم موجودگی میں مجھ سے بھی اکثر لکنے شاندار کارناٹے ”بُرزا“ ہو جاتے ہیں۔

”تم کیا سوچنے لگے۔“ سوفیا کی آواز پر میں چونک پڑا۔
”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا سوچنا چاہئے۔“

”میری الحسن بڑھتی جا رہی ہے۔ آخر وہ اٹھ کیوں گیا۔ کیا ب واپس نہیں آئے گا۔ کیا میر ساری رات یہیں بیٹھی رہ جاؤں گی۔“

”چلو میں تمہیں آر لکھو پہنچا دوں۔“

”نہیں میں اس وقت یہاں سے نہیں اٹھ سکتی جب تک کہ اس کی طرف سے اٹھ جائے اشارہ نہ لے۔“

”تم ڈرتی کیوں ہو۔۔۔ چلو میں ہوں تمہارے ساتھ۔۔۔ اٹینان رکھو۔۔۔ تمہیں کوئی بھی نقشان نہیں پہنچا سکتا۔“

”میں اس سے بہت ڈرتی ہوں۔۔۔ بے حد۔۔۔ پرنس اب میں چاہتی ہوں کہ مردی جاؤں۔“

”تھوڑی ہست کرو۔۔۔ میں چکلی بجاتے اس سے رہائی دلوادوں گا۔“

دفعتہ وہ چونک پڑی۔ میں نے نکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ بوڑھا یور و پین ہال میں داخل ہو رہا تھا۔

وہ آہستہ سے بڑ بڑائی۔ ”اشارہ مل گیا میں جائز ہوں۔“

میں کچھ نہ بولا۔ وہ اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی دونوں بڑی گارڈ بھی اٹھ گئے۔ لیکن یور و پین بیٹھا رہا۔ مجھے چاںگ کی گلگلیویاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بوڑھا جیلی بار اس کی نظر وہ سے گز

ہے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ ان میں سے بہترین کا صورت آشنا تھا۔ ویسے شاید اس کو اس آڑو کی تلاش تھی جسے سوفیا کی وساطت سے میں نے دریافت کر لیا تھا۔ یہ تو آج کی بات تھی لیکر

آنندہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ میرے قریب سے گزر جائے اور میں نہ پہچان سکوں کیوں کہ سو اکے بیان کے مطابق وہ بیشہ ایک ہی طبلے میں نہیں رہتا تھا۔ پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اگر میں

آج اس بوڑھے کا تعاقب نہ کیا تو ہو سکتا ہے وہ کبھی ہاتھ نہ آئے۔

چھپلی رات اس نے سوفیا کے بیان کے مطابق مجھے طرح دی تھی۔ لیکن آج چاںگ نے فرا

اُنْ قَاهِدَه شَكْر بِجَالَايَا يَعْنِي اس کی گلو خلاصی ہو گئی۔ اور وہ اس کے بعد سے اپنے گل میں ہار بنم لکھنے نظر آنے لگا۔ وہ ملک ایسا ہی تھا کہ فوج پڑے پڑے کھایا کرتی تھی۔ قریب کی ملکتیں ملک پر قبضہ کرنے کے متعلق اس لئے نہیں سوچتی تھیں کہ کہیں خود ان کی فوجیں بھی نہ ای کاٹکار ہو جائیں۔ اگر کبھی کسی ملک کو کچھ ایٹھنا ہوتا تو وہ پہلے تو اٹھی میٹھ دیتا اور جب قوالی پسند کی فوجیں سرحدوں پر خندق نشیں ہو جاتیں تو وہ اپنے ہوائی جہاز سے پیرا شوٹ کے ذریعہ الوں کی پارٹیاں اتار دیتا اور وہ پارٹیاں اور پرہیز سے الپا نا شروع کر دیتیں۔ پھر حالت یہ ہوتی کہ اپنی خندقوں سے نکل کر ان کے گرد اکٹھا ہونے لگتے۔ مخاذ جنگ پر چاروں طرف محفوظین جم تین اور ”اہے وا“ پھر حملہ اور ملک کی فوج بے دریغ اندر گھستی چلی جاتی اور لوٹ مار کر کے سکون کیسا تھا واپس بھی چلی جاتی۔ لیکن قوالی پسند فوجوں کو اتنا ہوش کہاں کہ معاملات ان سمجھ میں آسکیں۔ پھر قوال بھی رخصت ہوتے وقت ان سے کافی لمبی لمبی رقمیں ایٹھے لے جاتے۔ مگر ایک بار ایسا ہوا کہ کسی دور دراز ملک کی فوج نے سرحد کے قریب ذریہ ڈال دیا۔ بادشاہ لامات بو کھلا گئے۔ انہوں نے وزیر سے کہا کہ اے باتییر یہ کیسا حملہ ہے نہ قوال اترے نہ قوالی دلی.... اور یہ لوگ چڑھ دوڑنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ یعنی اگر ہم نے ان کے مطالبات رے نہ کئے تو صحیح وہ حملہ کر دیں گے اور تم جانتے ہو تو زیر باتییر کہ ہم کسی سے دبنا تو جانتے ہیں۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ وہ قوالی کرائیں اور ہم بحالت و جدا نہیں نہ تو کیں کہ وہ کیا کر رہے بل۔ شاہی خزانہ کیوں لوٹ رہے ہیں۔ مگر کچھ تو بتاؤ اب ہم کیا کریں۔ ہم نے سنا ہے کہ ان کی روح میں ایک بھی قوال نہیں ہے۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ اس موقع پر تیس مار خال کوئے بھولنا پاہنے جس نے ایک حملہ میں تیس آدمی مارنے کا دعویٰ کیا تھا۔ بادشاہ سلامت اچھل پڑے اور وہ کل خبر سے قوالی ہی کا سماں اثر لینے کی تیاری کر رہے تھے کہ وزیر باتییر نے آتے ہی کہا۔ ”جہاں پناہ فوج نے اس بنا پر شورہ دیا۔ پھر تیس مار خال بلوائے گئے اور انہوں نے آتے ہی کہا۔“ جہاں پناہ فوج نے اس بنا پر رہنے نے انکار کر دیا ہے کہ حملہ آوروں کے ساتھ قوال نہیں آئے۔ جہاں پناہ نے فرمایا فکر کیں بات کی ہے تم تھا ہی حملہ آوروں سے نپٹ لو گے۔ ایک حملے میں تیس مارنے کے ساتھ اس بنا پر کمک مار خال کو وہ کھیاں یا د آگئیں جو گھر بر تیس کیا تیس ہزار بھی بے آسمانی ماری جا سکتی تھیں۔ مگر ایک نہ چل۔ وہ شاہی فیصلہ تھا۔ تیس مار خال نے قوالی کرتے ہوئے کہا کہ میں آج رات کو ان کا

وچھ بہانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ آپ کہیں گے کہ بس حید صاحب آپ کا جو کام ہے وہاں کے سچھ ہاتھ میں فلم لینا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ ویسے آپ مطمئن رہنے میں ابھی آپ کے دل کو سرور اور آنکھوں کو نور اس خبر سے بچنے والے کا کہ اس رات کسی مرمت ہوئی تھی۔ ہاں تو قصہ تیس مار خال کا یہ ہے کہ کسی شہر میں دو میاں بیوی رہتے تھے۔ رہتے نہیں جو بلکہ انہیں رہنا پڑتا تھا۔ نہ رہتے تو جاتے کہاں۔ نہ اکیلا مرد میاں ہو سکتا ہے اور نہ اکیلی عورت بیوی۔ حالانکہ میاں بیوی ہو جانے کے بعد وہ اکثر سوچتے ہیں کہ اکیلے ہی ہوتے تو بہتر تھا۔ اس لئے یہی عرض کروں گا کہ انہیں رہنا پڑتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بیزار تھے۔ بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ بیوی میاں صاحب کو باکار بنا لانا چاہتی تھی لیکن میاں صاحب بے کار ہی رہنے پر مم تھے۔ وہ انہیں لا کھ لا کھ غیرت دلاتی۔ اسلاف کے کارنے سے گوا کر ان کا خون گرانے کی کوشش کرتی گر میاں لش سے مس نہ ہوتے۔ آخر بیوی نے تجھ آکر فیصلہ کیا کہ اب اس سے پچھا جو چھڑانا چاہئے۔ نہ یہ کملے گا اور نہ میرا ہی پچھا چھوڑے گا۔ لہذا اس نے ایک دن میاں صاحب کو بھگ پلا دی اور پھر ان کے خون کو گرما نا شروع کیا۔ خون گرم ہو گیا جتاب۔ آپ نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ میں شاہی فونٹل کے لائق ہوں۔ یقیناً مجھے کوئی عہدہ ملتا چاہئے۔ بیوی نے کہیں سے ایک تکوار مہیا کی اور انہیں دربار شاہی کا راستہ بتادیا۔ اس ملک کا بادشاہ چونکہ بے حد قوالی پسند آدمی تھا۔ اس لئے ہر ایک کو مجرما کرنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ جس وقت میرا شیر ہنکار تا ہوا دربار میں پہنچا۔ وہاں قوالی ہی ہو رہی تھی۔ بادشاہ سلامت بحالت وجد نہ جانے کیا کر رہے تھے کہ میاں صاحب نے اللدار کر کہا۔ ”میں شاہی فوج میں سپہ سالاری کے لائق ہوں۔“ بادشاہ سلامت سمجھ کہ شاید اسے بھی حال آ گیا ہے۔ لہذا انہوں نے بحالت وجد کہا ہم نے تمہیں سپہ سالار مقرر کیا۔ تمہارا نام کیا ہے۔ جواب میں میاں صاحب نے اکڑ کر فرمایا۔ ہم تیس مار خال ہیں۔ یعنی ایک محظی میں تیس آدمیوں کا صفائیا کر دیتا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بادشاہ سلامت اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے قوالی رکاوی اور وزیر سے فرمایا کہ اسے ہم نے سپہ سالار مقرر کیا۔ وزیر نے عرض کی حضور یہ یہاں ہماری محفل میں نہیں تھا۔ باہر سے آیا ہے۔ بولے کچھ پرواہ نہیں جو ہم نے کہ دیا اٹھ لے۔

بس جتاب وہ سپہ سالار بنا دیئے گئے اور اس نے پہلے والا سپہ سالار جو خود بھی قوالی کا بے جا

صفایا کر دوں گا۔ مگر تمہرے یئے۔ میں ابھی حاضر ہو کر بتاتا ہوں۔ پوری اسکیم عرض کروں گلائیں
گھر واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ لیکن وزیر جو واقعی بات تدبیر خواں نے چار اپنے آدمیوں
بادخان کے ساتھ کر دیے۔

وہ گھر آئے یہوی کو وہ دن یاد دلایا جب اس نے انہیں گرم کر دربار بھجوایا تھا۔ یہوی کو وہ وزیر
ابھی یاد تھا۔ کیونکہ وہ اسی دن کی بدولت آج عیش کر رہی تھی۔ جب اس نے اعتراض کیا تو
اسے وہ دن اچھی طرح یاد ہے تو وہڑے بولے خدا کے لئے وہی شربت پھر پلا د جو اس دن پلا
تھا اور پھر اسی قسم کی باتیں کرو۔ یہوی نے وجہ پوچھی اس پر وہ قوالي کئے بغیر نیمان کر چلے۔ مگر اس
یہوی اسے چھکارا پانے پر کسی طرح بھی تیار نہیں تھی۔ اس نے مشورہ دیا کہ کہیں بھاگ چلو
انہوں نے فرمایا باہر چار آدمی موجود ہیں۔ یوں کام نہیں چلے گا تم پلاو شربت۔ میں ایک بار پو
بادشاہ سلامت کے دربار میں حاضری دوں۔ اس کے بعد شائد پھر ان آدمیوں سے چھکارا
جائے جو میرے ساتھ یہاں تک آئے ہیں۔ میں اب پلاو... شربت... دالیں آکر پوری ایک
باتوں گا۔ چنانچہ اس نیک بخت نے انہیں پھر بھنگ پلا دی اور چکیز دبلکو کے تذکرے چھیڑ کر ان
خون گرمانے لگی۔ میاں صاحب جلد ہی موڈ میں آگئے اور ایسے موڈ میں آئے کہ چھپاک سے تو
کھٹک لی... یہوی سمجھی شائد فارغ البال ہو جانے کا رادہ رکھتے ہیں اس لئے چین مار کر بھاگی اور ایک
کوہڑی میں گھسن گئی۔ آپ نے بھی ایک نفرہ مگر خراش مار اور گھر سے نکل آئے۔ اب وہ چیز
چکھاڑتے اور تکوار ہلاتے شاہی محل کی طرف جا رہے تھے۔ ہلڑ ہو گیا سارے شہر میں۔ لوگوں
پہلے ہی ان کی تیس بارخانی کے وہ حصے سن رکھے تھے جو انہوں نے اکثر احباب کو نہائے تھے
بہر حال یہ حضرت شاہی محل میں پہنچ۔ بادشاہ سلامت اور وزیر بات تدبیر جنٹے میں تھے۔ انہیں بھ
وہیں بولا یا گیا۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی ہڑ بوگ چوادی۔ چیختے رہے۔۔۔ اچھلتے رہے۔۔۔ اور ا
طرح پینترے بدلتے کر تکوار ہلاتے رہے جیسے چیخ ایک ایک وار میں تیس تیس کا صد
کر رہے ہوں۔ جہاں پناہ اور روزیر بات تدبیر اس خیال سے کونے گھرتے میں چھپنے لگے کہ ہاتھ ہی۔
اگر خدا نو است بہک گیا تو کیا ہو گا۔ لیکن جب تیس بارخان کے جوش و خروش میں کی نہ ہوئی
تھک آکر جہاں پناہ اور روزیر بات تدبیر نے صرف تالیوں ہی پر قوالي شروع کر دی۔ تیر نشانے پر بیٹھ
تدبیر کار گر ہوئی۔ شربت نے پھر دماغ الٹ دیا اور تیس بارخان تکوار پھینک کر حال کے بھاؤتا۔

گئے۔ ”ارے ہاں.... جان دے دیں گے.... اجی ہاں جان دے دیں گے.... ابھی داجان دے
بیں گے.... پیا بھی جان دے دیں گے.... رجا بھی جان دے دیں گے۔“

تمیں مار خاں گاتے اور ”نمکھ نمک“ کرتے رہے۔ اسی دوران میں شربت کا اثر بھی آہستہ
آہستہ زائل ہوتا رہا تھا۔ لہذا اچاک انہیں خیال آیا کہ انہوں نے یہ کیا شروع کر دیا۔ اور جہاں
پناہ اور روزیر بات تدبیر بھی قوالي کرتے تھک گئے تھے۔ جیسے ہی دھاموش ہوئے آپ بھی
اپنے حال میں بریک لگاتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولے سر کار مجھے غصہ آگیا تھا۔ اس پر جہاں پناہ
نے خوش ہو کر پوچھا اب تو اتر گیا۔۔۔ تیس بارخان کا جواب اثبات میں سن کر جہاں پناہ اور زیادہ
خوش ہوئے اور روزیر بات تدبیر کی جان میں جان آئی۔ اتنے میں تیس بارخان نے کہنا شروع کیا۔ غصہ
اس لئے آیا تھا جہاں پناہ کہ وزیر صاحب نے مجھے منہ چور سمجھ کر اسی وقت میرے پیچھے چار آدمی
لگادیے تھے۔ جب میں پر دادا مر حوم کی بیاض خاص میں تھا کسی لفڑ پر بھاری رہنے کی تدبیر
دیکھنے جا رہا تھا۔ کیا بتاؤں وہ چاروں جہاں پناہ کے اقبال سے فک گئے ورنہ کھیرے کلڑی کی طرح
کاٹ کر ڈال دیتا۔ جہاں پناہ نے یہ سن کر فرمایا چوہے میں جھوٹکو دزیر صاحب کو یہ بتاؤ تم نے تدبیر
دیکھ لیا نہیں۔ تیس بارخان بولے دیکھ لی سر کا۔ کل صبح میں دشمن کی ساری فون کا صفائی کر دوں گا
اور اگر اپنی مدد کے لئے آدھا ساہی بھی مانگوں تو میرے سر پر قلم رکھ دیجئے گا۔ وزیر نے فوراً صحیح
کی کہ سر قلم کر دینا محاورہ ہے۔ تیس بارخان ترے سے بولے وزیر صاحب آپ کو بھی یہ لیاقت ہوئی
کہ جہاں پناہ کے سامنے زبان کھولیں ارے وہ مالک ہیں چاہیں تو محاورہ کا بھی سر قلم کر سکتے ہیں۔
اس پر جہاں پناہ کو جلال آگی اور گرج کر بولے۔ ہاں اے وزیر ابن خنزیر پر ہم چاہیں تو محاوروں پر
پورا ایک ناول لکھ کر پلک کو بور کر سکتے ہیں۔ کوئی ہمارا کیا کر لے گا۔ تیس بارخان نے سوچا کہ اب
بات نہ بڑھے تو بہتر ہے۔ کیونکہ ابھی تو بہت کچھ کرتا ہے غرضیکہ وہ وعدہ کر کے گھر پلٹ آئے
کہ صبح دشمنوں کا قلع قلع ہو جائے گا اور وہ آج رات پھر جگل میں پر دادا مر حوم کی تدبیر کا جال
پھیلا سکیں گے۔ اور یہوی منتظر تھی کہ دیکھو اب کون سی تدبیر فرمائے گھر واپس آتے ہیں۔ اس
نے تدبیر سنی اور خوش ہو گئی۔ تدبیر یہ تھی کہ جتنا بھی نقدی ہے یا زیورات کی شکل میں ہے
سمیت کر راتوں رات کسی طرف نکل جائیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب رات کچھ بھیگ گئی تو میاں
صاحب نے نقدی اور زیورات کا صندوق پر کھا اور یہوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھر سے باہر

ہوئے۔ انہیں رات تھی اور شہر میں سنا تھا۔ انہوں نے سرحد پار کر جانے کے لئے جو رہ اخیار کیا تھا اس سے بھٹک کر اُدھر جاتکے جہاں دشمن کی فوجیں پڑی ہوئی تھیں۔ اچانک تم مار خال کو غلطی کا احساس ہوا اور وہ صندوق پر سمیت تیس مار خال میں پڑھیر ہو گئے۔ نقدی اور زیورات کی اتنی زبردست کھنکھاہث سن کر پھرے دار بولھلا گئے وہ سمجھے شاند حریف نے شب خون مار ہے۔ انہیں رات تھا ان کی ہوشیار خبردار... جانے نہ پائے۔ سن کر سوتے ہوئے سپاہی بیدا ہوئے اور جو کچھ بھی ہاتھ لگائے کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ تکواریں چلے گئیں۔ وہ چیز دھاڑپچی کہ خدا کی پناہ... بیچارے تیس مار خال اور تیس مار خال میں ایک جہاڑی میں چھپے ہوئے نہ کوڑ طرح کانپ رہے تھے۔ انہیں اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ جنگل ہی کی طرف بھاگ لیتے۔

صحیح تک تکواریں چلتی رہیں اور وہ ایک دوسرے کو مارتے کاٹتے رہے۔ اُدھر اس غل غماڑے کی صدائشہر تک پہنچی اور چاروں طرف ہر کارے دوڑنے لگے۔ جہاں پناہ اور دیر قوای بھول گئے۔ اُدھر صحیح ہو رہی تھی اجلاضیلیتی ہی غنیم کی سپاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ گراپ کیا ہو سکتا تھا۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی تھی۔ انہوں نے شاید سوچا کہ اگر اب یہاں سے بھانگے میں جلدی نہ کی تو ممکن ہے حریف ہی آپڑے اور پھر بھاگتے راستہ بھی ملے تو نہ بھاگا جائے۔ لہذا وہ سب کچھ دہیں چھوڑ کر بھاگ لئے۔ تیس مار خال کی جان میں جان آئی اور ساتھ ہی عشق بھی آئی۔ انہوں نے چکپے سے یوں کو مخاطب کیا۔ اب تم تو چپ چاپ جنگل کی طرف کھک جاؤ اور وہیں سے گھر چلنا۔ کیوں کہ اب میں تیس مار خالی شروع کرنے جا رہا ہوں۔

یوں حسب ہدایت کھمک گئی اور تیس مار خال جہاڑیوں سے نکل کر مرنے والوں کے خون میں لوٹ لگانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی سر سے بیرون تک خون میں نہاگئے۔ اُدھر ہر کاروں نے جا کر جہاں پناہ کو خرپہنچا کی کہ غنیم کا لشکر ہزاروں کا کھیت چھوڑ کر بھاگ لکا۔ جہاں پناہ خوش ہو کر قوای شروع کرنے ہی والے تھے کہ دزیر نے کہا چلے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جہاں پناہ کی سواری میدان کا رزار کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہاں تیس مار خال تکوار سونتے ہوئے ہوا سے لڑ رہے تھے اور ان کے قد مولیں میں بڑا روں لا شیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا یہیے لڑتے لڑتے انہیں حال آگیا ہو۔ جہاں پناہ بے حد خوش ہوئے اور تیس مار خال کو ہوش میں لا کر آئندہ سال ایک خلعت فاخرہ عطا کرنے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ اسی وقت قانون کی بے حد عزت افزائی کی۔

یہ کہانی ختم ہو گئی۔ اب آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ تیس مار خال کے کہتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ میں بھی اکثر ایسے ہی اتفاقات کے تحت ماشر آف پیوشن بن کر تیس مار خالیاں انعام دے چکا ہوں۔ لیکن یہ میری بد قسمتی ہے کہ مجھے آج تک کوئی ایسی تیس مار خال نہیں ملی جو مجھے بھنگ پلا کر کر تل سے بھزادیتی۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سو فیا چلی گئی تھی اور میں کرت دغیرہ کے لئے فون پر نمبر ڈائل کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ آہاٹھہر یے ایک بات اور یاد آئی... آپ تیس مار خال کی کہانی پر بور تو نہیں ہوئے۔ بھتی میں نے یہ داستان تیس مار خال کی کہانی تک لکھ کر اپنے تذکرہ نویں صاحب کو دکھائی تھی۔ وہ بولے حمید صاحب آپ نے فن کا خون کیا ہے جہاں سے آپ نے تیس مار خال کی کہانی شروع کی ہے اس نے اپنے آپ سے پس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن تیس مار خال کی کہانی اس کا اثر پڑھنے والوں کے ذہن نے تکمیر غائب کر دے گی۔ میں نے کہا غائب کر دے.... میں تو پڑھنے والے کو اپنے ساتھ لے چلتا چاہتا ہوں۔ اس طرح کہ نہ وہ مجھے مڑ کر دیکھے اور نہ اس کی فکر ہو کہ آئندہ کیا پیش آنے والا ہے۔ بس ہم دونوں پہنچتے کھلیتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں کیونکہ بعض اوقات سن پس ایسی ابھن میں بتلا کرتا ہے کہ بقیہ کتاب پھاڑو۔۔۔ چباڑا اور نگل جاؤ۔۔۔ چباڑا اور نگل جاؤ۔

ہاں تو میں نے اسی سس پس کی دم پر ہاتھ دکھ کر عرض کیا تھا کہ میرے سر پر چھپکی سوار ہو۔ وہ چھپکی جس نے مجھے اکثر تیس مار خال بنا دیا ہے۔۔۔ اس چھپکی کا تقاضہ ہے کہ جو اوری ہو۔ جو کچھ کرنا ہے سوچے سمجھے بغیر کر ڈالو۔۔۔ یا اس پاریا اس پار۔۔۔ لیکن اس بار سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی چھپکی بدستور سر پر سوار رہی۔ میں نے سوچا نہیں پیشہ بیٹھے رات گزار دینا حمات ہو گی۔ اب انھوں بھی حمید صاحب آخر کر تل کیسے ان دیکھے حملوں سے بچ جاتے ہیں۔ تم بھی ذرا بیکلی کی سی نظر رکھنا اور پھر چاگک جو اس طرح تمہارے ساتھ لگا رہتا ہے کیا اب غالباً ہو گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہیں کر تل بھی آس پاس موجود ہوں۔

میں انھا اور باہر آیا۔ اب میں کپاٹٹ کے اس دیران حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں میں نے لیکن کھڑی کی تھی۔ بیباں آئی گاڑیاں اور بھی تھیں مگر ان پر کوئی موجود نہیں تھا۔ اُدھر عموماً وہی لوگ اپنی گاڑیاں پار کر تھے جو خود ہی انہیں ڈرائیور کر کے بیباں تک لاتے تھے۔

میں اپنی گاڑی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس سے پشت لگائی اور مجھس نظر دوں۔ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت دراصل کرٹل میرے ذہن میں تھے اور میں انہیں کی فکر کر رہا تھا۔

پھر میں گاڑی میں بیٹھنے والاتھا کر مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی پانی بھرار بیر کا غبارہ میرے چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گیا ہو۔ لیکن وہ تو آگ کی لپک تھی جو میرے چہرے پر پھیل گئی تھی ایسا پل کے لئے کونڈا سالاپکا تھا۔ میرا چہرہ جلس گیا۔ مگر کیا وہ آگ سے جھلس جانے کی سوزا تھی۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میری کھوپڑی کسی نے بروز کے برادے کے ڈھیر میں ٹھوٹ دی ہو۔۔۔ کتنی شندک تھی۔۔۔ کتنی تکلیف دہ شندک۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے شانوں پر سر کی بجائے برف کی سل زکھی ہو۔ پھر یہ شندک کی تیزی سے سارے جسم میں پھیل گئی۔

اس کے بعد مجھے ہوش نہیں کہ پھر کیا ہوا۔ پتہ نہیں کتنی دیر بعد ہوش آیا۔۔۔ ہوش کیا آیا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے روئیں روئیں!

سوئیاں کی چھپڑی ہوں اور اس چھین کے علاوہ مجھے اور کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی دھندہ ہی اور مجھے کرٹل کا چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھے بھکلے ہوئے تھے اور میں پتہ نہیں زمین پر تھایا آسان پر۔ ہو سکتا ہے جسم زمین پر رہا ہو اور کھوڑ فضائی معلق۔

کچھ ایسی ہی کیفیت سے میں دوچار تھا۔

”کیا تمہیں ہوش آگیا۔“ کرٹل نے آہستہ سے پوچھا۔ ”پتہ نہیں۔“ میں نے جواب میں کہا۔ جسے سن کر ان کی بھنوئیں سکڑ گئی تھیں اور انہیں غصیلے لبجھ میں کہا تھا۔

”جب چاگ نے حالات سے آگاہ کر دیا تھا تو جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ ”بس غلطی ہو گئی۔“

پھر میں نے چاگ کی آواز بنی جو کرٹل کے پیچھے کھڑا کہہ رہا تھا۔ ”کیپٹن اگر آپ جلدی کرتے تو ہم نے آج اس آدمی کو پکڑا ہی لیا تھا۔“

میں کچھ نہ بولا۔ بولتا بھی کیا۔ اگر اس سے یہ کہتا کہ تم نے پوری ایکسیم نہیں بتائی تو وہ وہ بی بی پوچھا کہ کرٹل فریدی کا ایسٹنٹ جس کی اتنی شہرت ہے اتنی معنوی سی بات بھی نہ سمجھ سکا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ غالباً چاگ کی بھی ایکسیم رہی ہو گی کہ کسی طرح اس بوڑھے یورپین کو پکڑ لیا جائے۔۔۔ پھر میں سوچتا ہی رہ گیا ویسے میں اس وقت اتنی عمارت میں تھا جس میں چاگ نے نہ ہرا چاہا۔

چاگ کی کہانی

میں اٹھ کر پیٹھ گیا۔ خالانکہ ابھی بیکی دل چاہ رہا تھا کہ پڑے رہوں۔ کرٹل نے بھی نہیں کہا کہ میں لیٹا ہی رہوں۔ وہ کسی گھر ہی سوچ میں تھے اور چاگ بخاطر بانہ انداز میں کمرے میں ٹھیل رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خود اسی سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔

دفعتا اس نے کہا۔ ”کرٹل غلطی میں نے ہی کی تھی۔ مگر میں کیا کرتا۔ میں نے سوچا کہ کہیں وہ کیپٹن کو ختم ہی نہ کر دیں۔“

”نبیں غلطی حید کی ہے۔“ کرٹل بولے۔ ”انبیں کلب سے اٹھنے میں اتنی جلدی کرنی ہے اور پاپے تھی۔“

”ارے تو کیا کیا میں نے۔“ میں نے پیشانی پر رہا تھا مار کر کہا۔ ”مجھے اتنی غلطی ضرور ہوئی ہے کہ زندہ بیٹھا ہوں۔ مگر یہ ایک نیادی غلطی ہے جس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہو سکتی۔“

”تم لیٹ جاؤ۔۔۔ اور تھوڑی دیر خاموش رہو۔“ کرٹل نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ میں لیٹ گیا۔۔۔ اور کافی دیر تک خاموش رہنے کا رادہ کر لیا کیونکہ بولا ہی نہیں جاتا تھا۔

نہان کی حرکت سر پر ہٹھوڑے کی سی ضرب لگاتی تھی۔

”مگر اب کیا خیال ہے۔“ چاگ نے کہا۔ ”میرا دعویٰ ہے کہ بوڑھا یورپین وہی تھا جس کی

نگھٹلاش ہے۔“

میرا دل چاہا کہ اس کے بیان کی تائید کروں لیکن پھر اس خیال سے خاموش رہا کہ ممکن ہے کرٹل اسے پسند نہ کریں۔ میں اب کرٹل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ چاگ کے جواب میں کیا کہتے ہیں۔

انہوں نے ایک طویل سانس لی اور پھر میرے چہرے پر نظر جائے ہوئے بولے۔ ”اہ مسٹر چانگ.... یہ بھی ممکن ہے کیونکہ وہ گارسیں مل کے ساتھیوں میں سے تھا اور گارسیں عوامی طرح غالباً اس کا بھی کوئی ریکارڈ نہ مل سکے اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی گارسیں ہی کی طرح میرے اپ کا ماہر تھا.... مگر....!“

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنے والے ہوں۔ لیکن اب ارادہ ترک کر دیا ہو.... میں اور چانگ سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے رہے۔

”اچھا مسٹر چانگ اب میں واپس جاؤں گا۔ کیپشن کی خبر گیری کے لئے بے حد شکر گذا ہوں۔“ انہوں نے ابھتے ہوئے کہا۔

”ارے جتاب.... کرتل....!“ چانگ نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔ ”مجھے ہے۔“

”شرمندگی ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگ تکلیف اٹھا رہے ہیں۔“

”نہیں مسٹر چانگ.... ایک ایسے میں لاقوای مجرم نے ہماری سر زمین پر قدم رکھا ہے، ہم اطمینان سے بیٹھے ہی نہیں سکتے۔“

کرتل چلے گئے اور میں ان کے اس رویے کے متعلق سوچتا ہی رہا۔

آخر دھجے ایسی حالت میں یہاں کیوں چھوڑ گئے۔ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

چانگ انہیں صدر دروازے تک چھوڑنے گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آگیا لیکن مجھ سے بھی زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ میری مسہری

قربی ہی ایک کری پر بیٹھ گیا اور پاپ میں کشیدنی افون کی گولیاں خاموشی سے راکھ کرنا۔

حالانکہ اس کا دھوان مجھے گراں گذرا رہا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا۔ میں جانتا تھا کہ افون پے

وہ خاموش ہی رہے گا اور اگر گھٹکو کرنے پر مجبور بھی کیا گیا تو شاید اوت پنگ با تین شروع کر دے

ویے بھی اس کی حالت سے بھی اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے بہت دیر سے افون نہیں پی۔

آخر حاس نے پاپ ایک طرف رکھ دیا اور چہرے پر دمال سے ہوادی نے لگا۔ اب وہ ادھ

آنکھوں سے میری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ جو افون کے نشے کے دباؤ سے ایسی ہو گئی تھیں۔

میں بھر بیٹھ گیا۔

”آپ لیتے ہی رہئے تو بہتر ہے کیپشن۔“ چانگ نے کہا۔

۷ گارسیں کی داستان کے لئے جا سوئی دنیا کے خاص نمبر ”خوفناک ہنگامہ“ جلد نمبر 8 ملاحظہ فرمائی

”تھک گیا ہوں۔“ میں نے لاپرواں سے کہا۔

”اب آپ اپنی حالت میں کچھ بہتری محسوس کر رہے ہوں گے۔“

”بہت زیادہ خراب حالت پہلے بھی نہیں تھی۔ مگر مسٹر چانگ کیا آپ لوگ میرے قریب ہی رہے تھے۔“

”ہاں.... مگر مجھے کرتل کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ جیسے ہی آپ گرے میں دوز پڑا زیب ہی دو آدمی موجود تھے جو مجھے دیکھتے ہی فرار ہو گئے۔ پھر بعد میں کرتل بھی آئے۔ ان سے سلومن ہوا کہ وہ بھی آپ کی نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے مجھ سے کہا کہ میں نے جلد بازی سے ام لیا تھا وہ اس وقت کوئی کار آمد گواہ مل جاتا۔ شاید انہیں بھی بوڑھے کی سازش کا علم تھا اور وہ ہے اسی وقت گرفتار کرنا چاہتے تھے۔“

”لیکن آپ نے کہا تھا کہ وہ بوڑھا ان آدمیوں میں پہلی ہی بار نظر آیا ہے۔ تو کیا کئی آدمی پہلے ہی سے آپ کی نظروں میں رہے ہیں مسٹر چانگ۔“

”یقیناً.... لیکن وہ بوڑھا پہلی ہی بار نظر آیا تھا۔ ہاں کیپشن اگر وہ ہاں سے اٹھ کر ان لوگوں نہ ملتا جو پہلے ہی سے میری نظر میں رہے تھے تو شاید مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ وہ بھی انہیں لے سے ایک ہے۔“

میں نے اب بھی اسے اپنی اور سو فیا کی باتوں سے آگاہ نہیں کیا۔... کچھ دیر بعد میں نے کہا۔

”ایسا آپ نے میرے چہرے کے قریب آگ دیکھی تھی؟“

”اہ کیپشن بھی دیکھ کر تو میں گھبرا گیا تھا۔ میں سمجھا شاکر وہ کوئی بے آواز آتشی حرثہ ہے۔ لمحے خوشی ہے کہ میں آپ کے چہرے پر جلنے اور جھلنے کے آثار نہیں دیکھ رہا۔“

”وہ آگ نہیں تھی مسٹر چانگ۔“

”ہاں....!“ چانگ خیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی ذاتی حالت کے درست ہونے میں مشکل ہے۔

”ہاں مسٹر چانگ وہ بر فیلے بارلوں میں کڑکنے والی بجلی تھی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”پہلے تو مجھے ایسا معلوم ہوا تھا کہ جیسے میرا چہرہ جمل گیا ہو۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن پھر تھیں

یہی محسوس کرنے لگا تھا جیسے میرا سر بر ف کے براوے میں دفن کر دیا گیا ہوا اور پھر وہ خلیل
سارے جسم میں پھیل گئی تھی۔

چانگ کی آنکھیں اب بھی پھیل ہوئی تھیں۔ پھر اس وقت اس کی حیرت رفع ہوئی جبکہ
اس سے اصل معاملے کی بات شروع کی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کس آدمی کی تلاش میں ہے
”میا کر قتل نے ابھی تک آپ سے تذکرہ نہیں کیا۔“

”نہیں...!“

”تب تو کوئی خاص وجہ ہو گی تذکرہ نہ کرنے کی۔“

”نہیں...!“ کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ محض عادنا وہ اپنے ما تھوں کو کسی کیس کے دوران
پوری طرح باخبر نہیں رکھتے۔

”پھر میں ان سے پوچھ کر ہی آپ کو کچھ بتا سکوں گا۔ اس سے پہلے مجھے معاف رکھئے۔
آج تک کر قتل کوئہ سمجھ سکا کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔“

”آپ کب اور کتنے دن تک ان کے ساتھ رہے ہیں...! مسٹر چانگ۔“

”میں ان کے ساتھ کبھی نہیں رہا۔ ویسے اکثر و قافیتا بعض میں الاؤای نویت کے
کے سلسلے میں ان سے ملا تا تھیں ہوتی رہی ہیں۔“

”ماں! ڈیر مسٹر چانگ...!“ میں سالہا سال سے ساتھ رہنے کے باوجود بھی انہیں آ
نہیں سمجھ سکا۔ لہذا اس چکر میں نہ پڑیے ورنہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔ میں آ
چھٹی پڑھوں۔ مطلب یہ کہ کر قتل بھی مجھے اس پر مجبور نہ کر سکیں گے اور میں نے یہ بھی
ہے کہ اس لڑکی کے پیٹ میں کتنی آنکھیں ہیں۔“

”چیز...!“ وہ الہانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولा۔

”ہاں مسٹر چانگ اگر میں ایسا نہ ہو تو کر لیے کام میرے سپرد کیوں کرتے۔“

”ڈیر کیپشن...!“ وہ اپنے ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا۔ ”آپ اس سے کچھ معلوم کر
کامیاب ہو گئے ہیں۔“

”بہت کچھ... لیکن میں اسی شرط پر بتا سکوں گا جب تم مجھے سارے حالات سے آگاہ
وہ کسی سوچ میں پڑ گیا...!“ میں جانتا تھا کہ وہ آسانی سے نہیں بتائے گا کیونکہ اگر آ

بہت ہوتا تو پہلے ہی بتا چکا ہوتا۔ میں بہر حال اس کے لئے ایک کام انجام دینے کی کوشش کر رہا
تھا۔ اسی صورت میں اسے خود ہی سارے حالات سے آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔

”اس سے آپ نے کیا معلوم کیا ہے کیپشن۔“ چانگ نے کچھ بتانے کی بجائے خود ہی سوال کیا۔
”ناممکن مسٹر چانگ پہلے آپ۔“ میں نے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس کھولا اور تمباکو کا نیا ذبب نکال
رسہبری پر آبیٹھ میرا پاپ سکنے کے نیچے موجود تھا۔ کرمل جو کام بھی کرتے ہیں سلیقے سے
رتے ہیں۔ یعنی انہیں اتنا خیال تھا کہ میرے کپڑے تبدیل کراتے وقت انہوں نے کوٹ کی
بیب سے پاپ بھی نکال کر بجکے کے نیچے روکھ دیا تھا۔

”ہاں تو مسٹر چانگ۔“ میں نے تمباکو کے ذبب کا کور کاٹتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ براہ کرم
پن کہانی شروع کر دیجئے اور اگر آپ اسے دہرانے میں تکلیف محسوس کر رہے ہوں تو میں یہی
شورہ دوں گا کہ دو چار گولیاں اور استعمال کر ڈالنے۔ پھر خدا نے چاہا تو کسی قسم کی بھی ہچکا ہب
نہیں محسوس کریں گے۔“

چانگ نے ایک معمولی سی ”ہو ہو“ کے بعد پاپ اٹھا لیا اور اس میں ایک گولی ڈال کر دیا۔ اسلامی
کھاتے ہوئے ایک ایسا لمبا شک لگایا کہ دوسرے کش کی قوبٹ آنے سے پہلے ہی گولی را کھو گئی۔
اکھ جھاڑ کر اس نے دوسری گولی سنjal می۔ اسی طرح پے در پے پانچ گولیاں را کھ کرنے کے بعد
لے آگے پیچھے جھوٹتے ہوئے کہا۔

”کیپشن میں وہ چانگ ہوں جس نے بیتیرے مرے کے جھیلے ہیں۔ ہزاروں بار موت کے
ہزار سے صحیح سلامت فیکھا ہوں۔ تم مجھے چینیں کا کر قل فریدی کھجھ سکتے ہو...! میں.... یعنی
”چانگ ہمیں سے پریشان ہے۔ کیا تم نے کبھی گار ساں کا نام سنائے۔“

”شاید ایک آدھ گولی زیادہ ہو گئی ہے مسٹر چانگ...! ارے گار ساں تو میرے قدموں میں
؟ ایڑیاں رکڑہا تھا ایک دن۔“

”آہا...!“ چانگ نے حیرت سے کہا۔ ”تو اس مہم میں آپ بھی شریک تھے۔“

میں نے اس غیر متعلق اور غیر ضروری سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں تو بس اب بھی چاہتا تھا کہ
”بے چوں و چراغ مجھے اس کیس کے متعلق بتا دے اور وہ شاید اب بتانے ہی لگتا۔ لیکن اس کی
لبخی تھی کہ میں بھی ابے اس گفتگو سے آگاہ کر دوں جو میرے اور سوفیا کے درمیان ہوئی

تحتی۔ چانگ فاروسا کی سکریٹ سروس کا چیف آفیسر تھا۔ لہذا میں نے سوچا کہ اسے الوبہاں
اپنی جگہ ایک مکمل آرٹ ہو گا۔

اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”گارسیں کی ٹولی اکثر چین کے خلاف بھی کام کیا کرتی تھی۔“
سے کمی باز اس کی مدد بھیز ہوئی لیکن نہ میں اس پر قابو پاس کا اور نہ وہ مجھ پر دہ ایک پر اسرار آدمی تو
اور اس نے اپنا ایک پر اسرار ہمزار بھی پیدا کیا تھا۔ وہ اسی کا ہم شکل تھا۔ مشہور ہے کہ عموماً اس کے
ماتحت بھی دھوکہ کھا جایا کرتے تھے۔ وہ اس کے ہم شکل کو بھی گارسیں ہی سمجھتے تھے اور یہ بھی
یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کبھی انہوں نے دونوں کو اکٹھے دیکھا ہوا۔ وہ تو ایک بار ایسا ہوا
دو گھوڑوں سے بیک وقت وہاں گارسیں کی موجودگی کی اطلاع آئی۔ بس اسی سے اس کے ہم شکل
راز ظاہر ہو گیا۔ ورنہ اس سے پہلے تو ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ گارسیں کوئی بڑی روح ہے جو بالے
بھر میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر سکتی ہے۔ مثلاً بھی شنگھائی سے یہ اطلاع آئی ہے کہ پولیس گارسیں
کا تعاقب کر رہی ہے۔ لیکن پیکنگ کے سراغر سیان پیکنگ میں اس کی موجودگی پر مصروف ہیں۔“

”میں بالکل نہیں سمجھا مشریع چانگ“ میں نے سر ہلا کر کہا۔ ”ایک بار آپ کہتے ہیں کہ بیک وقت
و دو گھوڑوں پر اس کی موجودگی کی اطلاع اس کے ہم شکل کا راز ظاہر کر دیتی ہے اور دوسری بار آر
یہ کہتے ہیں کہ بیک وقت دو گھوڑوں پر اس کی موجودگی اسے کوئی بڑی روح ثابت کرتی تھی۔“
”اوہ آپ سمجھے نہیں۔۔۔ میں فاصلے کی بات کر رہا تھا۔ دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ
وقت گولیاں معمول سے زیادہ ہو گئی ہیں۔ آپ کا خیال درست تھا اسی لئے میں اپنا مطلب دا
کرنے میں دشواری محسوس کر رہا ہوں۔ ہاں تو میں فاصلے کی بات کر رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ
آپ اسی وقت یہاں اور ہائی سرکل نائٹ کلب میں پائے جائیں تو میں یا تو اسے گپ سمجھوں
آپ کو بھوت بادر کرلوں گا۔ لیکن اگر آپ اسی عمارت کے دو مختلف کمروں میں بیک وقت با
جائیں تو میں اگر اسے گپ بھی سمجھوں گا تو کم از کم اس کی تصدیق کرنا میرے لئے ممکن ہی ہو۔
آپ کو دونوں کمروں میں دیکھ لینے کے بعد ہی میں اس کا فیصلہ کر سکوں گا کہ آپ بھوت ہیں!
ہم شکل بھی رکھتے ہیں۔ وہ ایک ایسا ہی اتفاق تھا کہ دونوں ایک ہی عمارت میں اکٹھا ہو گئے تھے۔
پیکنگ کے ایک ہوٹل کا واقعہ ہے۔ شاید گارسیں یا اس کے ہم شکل کو اس کا علم نہیں تھا کہ
بھی وہاں موجود ہے۔ لہذا اس سے وہاں آنے کی غلطی سرزد ہو گئی۔۔۔ بہر حال۔۔۔!

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ چھپی جنگ کے دوران میں گارسیں کا وہ ہم شکل ایک ملک کی سیکرٹ
وس والوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اسے قیدی بنالیا گیا۔ پھر گارسیں کر قتل کے ہاتھوں اپنے انعام
پہنچا۔ لیکن اس کا ہم شکل شاید اس ملک کی قید سے بھی بھاگا تھا جس کی سیکرٹ سروس کے
میوں نے اسے گرفتار کیا تھا۔“

”یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ نکل بھاگا۔“ میں نے پوچھا۔
”ہرگز نہیں۔۔۔!“ چانگ یک بیک جوش سے بھر گیا۔ ”ہرگز نہیں۔۔۔ یہ بکواس ہے۔ یہ
س پر پیگنڈا ہے کہ وہ نکل بھاگا۔ اگر وہ ایک دوسرے ملک میں نہ دیکھ لیا جاتا تو وہ ملک بھی اس کا
نہ کرتا کہ وہ نکل بھاگا ہے۔ آخر اس وقت کیوں اعلان کیا گیا جب وہ دوسری جگہ دیکھ لیا گیا
اس سے صاف تریکی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس ملک کے لئے کام کرنا منتظر کر لیا ہے۔“

”مگر اس کا نام کیا ہے۔“ میں نے پوچھا۔
”گارسیں۔۔۔!“ چانگ نے جواب دیا۔ ”لیکن اصل نام تیری فونگ ہے اور وہ حقیقتاً کو ریا کا
نہ ہے۔ گارسیں تو فرجخ اندڑ چانگنیز تھا۔“

”تیری فونگ۔“ میں نے آہستہ سے دہر لایا۔۔۔ میں یہ نام کر قتل کی زبانی بارہاں چکا تھا
اس کے متعلق کسی حکومت کا کوئی اعلان میری نظروں سے نہیں گذر ا تھا۔
”اچھا تو کیا وہ بوڑھا۔۔۔ فونگ ہی تھا۔“ میں نے پوچھا۔

”پتہ نہیں! وہ خود تھا یا اس کی پارٹی کا کوئی آدمی۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“
”مگر آپ کو یہ کیسے یقین ہو گیا کہ وہ فونگ ہی کی پارٹی ہو گی۔“

”ویکھنے کی پیش دنیا میں مدد و دے چند آدمی ایسے نکلنے گے جنہوں نے گارسیں یا فونگ کو ان
ملی شکل میں دیکھا ہو اور میں بھی انہی مدد و دے چند لوگوں میں نے ہوں۔ مجھے دراصل شہر
کہ یہ فونگ ہی کی پارٹی ہے اور فاروسا کی حکومت کا تختہ اللہ کی سازش کر رہی ہے۔“

”اُف فوہ۔۔۔ میزبر چانگ۔۔۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ پھر دو چار مزید گولیوں کی
دلت محسوس کر رہے ہیں، امرے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر آپ کو شہر کس بناء پر ہوا
ہو سکتا ہے کہ وہ انتاس بائی کی ڈانگ پارٹی ہو۔“

”شہر کی وجہ وہ لڑکی ہے۔“
”کیا مطلب۔۔۔!“ میں چوک پڑا۔
”کیا وہ ہر وقت کچھ خائف خائف سی نہیں رہتی ہے۔“

ویکھ رہا ہوں کیپٹن۔ اگر وہ کبھی خوش بھی ہوتی ہے تو پھر تھوڑی دیر بعد اس طرح چوک کر نظر آنے لگتی ہے جیسے اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔ بھی وجہ ہے کہ میں اسے فونگ لپارٹی سمجھنے پر مصر ہوں اور چونکہ فونگ فار موساکیلے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اس لئے ٹھکانے لگادینا میرا فرض ہے۔“

میں کچھ نہ بولا۔ چاگ کی کہانی اکتا دینے والی تھی اور چاگ مجھے خواہ بور کر رہا تھا اس لئے ایکواں کے باوجود بھی مجھے پی بات نہیں بتائی تھی۔ اس کے دلائل کسی حد تک وزن ضرور نہ تھے۔ لیکن یہ بات میرے حلقو سے نہیں اتر سکی کہ وہ اپنے بیان کردہ وجہ کی بناء پر اسے بیکی پارٹی سمجھنے پر مجبور تھا۔ ان سب دلائل کی روشنی میں بھی میں پہنچ کر سکتا ہوں کہ میں کیوں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور ہی کی پارٹی رہی ہو۔ مجھے یقین تھا کہ اسے فونگ کی پارٹی لیم کر لیئے کی اصل وجہ چاگ چھپانا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی مصلحت رہی ہو۔ میں کہ وہ ایک غیر ملک کا سراغ رسال تھا اور ہمارے ملک کے عکمہ امور خارجہ کی اجازت سے بھوٹ نکل۔ پھر بدقت تمام وہ اس میں بریکت لگا گناہ۔

میں یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ چاگ نہ صرف خاموش ہو گیا تھا بلکہ شاید اب ضرورت سے بیاد گولیاں اپنا اثر بھی دکھاری ہی تھیں۔

چاگ اونگ رہا تھا۔ میں نے سوچا چلو جان پکی۔ میں خواہ جھوٹ بولنے سے فیگیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ میں اسے لڑکی کی وہ داستان توہر گز نہ بنا تا جو اس سے سنی تھی۔

میں تو اب اس مختصری آگ کے متعلق سوچ رہا تھا جس کی رگوں کو شکر دینے والی کیفیت اب بھی کسی حد تک میرے اعصاب میں موجود تھی۔ وہ فونگ رہا ہویا اور کوئی اب کرن کے تھکنوں سے اس کا بچنا ماحل ہی نظر آتا تھا۔

achaik چاگ کو کھانی آئی اور وہ چونکہ کراس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے بیہاں اپنی موجودگی پر متحیر ہو۔

”میرا خیال ہے کہ رہتی ہے۔“

”بس اس پر فونگ ہی کی دہشت طاری رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شریف اور بھوپالی لڑکی ہو اور وہ اسے کسی خاص مقصد کیلئے استعمال کر رہا ہو۔ فونگ کا طریقہ کار سیکی ہے۔ وہ لڑکوں کو زہنی طور پر کچھ اس نری طرح الجھادیتا ہے کہ وہ اس کے چکر سے نکل ہی نہیں سکتیں۔“

”مایی ڈیزیر... مسٹر چاگ۔“ میں نے جلا کر کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ اختلاج قلب کی مریضہ ہو۔ اس لئے اس کا چہرہ ہر وقت انجانے خوف کا اظہار کرتا ہو۔ آخر وہ فونگ کے چکر میں پھنسی ہوئی کوئی لڑکی کیسے ہو سکتی ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور سے خائف ہو۔ آہا۔۔۔ یہ تو محلی ہوئی بات ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے خائف ہے جس کے اچاک جملے سے بچتے کے لئے اس نے دعو دباوی کاڑوڑ کھچوڑے ہیں۔“

”اس نے رکھ چھوڑے ہیں۔“ چاگ نے جیرت سے کہا اور پھر یہ بیک اس کی ”ہوہا“ پھوٹ نکل۔ پھر بدقت تمام وہ اس میں بریکت لگا گناہ۔

”اگر وہ بڑی گارڈ اس نے رکھے ہیں“ چاگ بولا۔ ”تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ اس سے بے حد تکلف ہیں۔ ورنہ اس کے سامنے بیٹھ کر شراب کیے پیتے۔ آپ اتنی عقل بھی نہیں رکھتے کیپٹن فرض کچھ اس پر کسی آدمی کا خوف مسلط ہے تو وہ اپنے بڑی گارڈ کو ہر وقت باہو ش رکھنے کو شش کرتی نہ کہ اس طرح شراب پینے کی اجازت دیتی۔ اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ کسی اور کی طرف سے اس کے گمراں مقرر کئے گئے ہیں اور ان کی نظر وہ میں لڑکی کا ذرہ برابر احراام نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی دسر وہ پر بھی ظاہر کرتی ہو کہ وہ ایک اعلیٰ خاندان تعلق رکھتی ہے۔ کیپٹن کا شتم گارڈ سماں اور اس کے کارناموں سے پوری طرح واقف ہوتے۔

تو ساری دنیا میں اس کی بعض حرکتیں مشہور ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی بھی زندگی متعلق بہت کم لوگوں کو کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ گارڈ جن ممالک کے لئے کام کرتا تھا ان میں اس کی حقیقت بڑی پروقار اور ذی عزت ہوتی تھی لیکن دوسرے ممالک میں وہ اکثر ڈاکوؤز چوروں کی سی زندگی بس رکرتا تھا۔ اس طرح وہ وہاں کے دوران قیام میں خاصی دولت آنکھی تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس کے پاس ہوتیں اور وہ ان کے ذریعے دولت مندوگوں کی جیسیہ کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ فونگ یعنی اس کے ہزار کو بھی اسی کے نقش قدم پر چلانا ہوا۔ میں! کئی ملکوں میں اس لڑکی سونفیا کا تعاقب کرتا رہا ہوں۔ اس نے وہاں کافی ذہنوں مچائی ہیں ملک میں اس کا نام مختلف رہا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ ہر جگہ خوفزدہ نظر آتی رہی ہے۔ میں اسے ہر

انغواہ

رات کس طرح گذری میں نہیں بیان کر سکوں گا۔ کیونکہ چاگ کے جاتے ہی چھر گدھے خرید کر سویا تھا جنہیں رینکنا بھی نہیں آتا تھا۔ اس لئے اطمینان سے سوتا رہے۔ چاگ، چانفون چڑھ گئی تھی اور وہ اس لڑکی کی کہانی سے بغیر اٹھ کر چلا گیا تھا۔

صحیح میں نے کسی قسم کی بھی کمزوری محسوس نہ کی۔ وہن تروتازہ تھا، اور جسم میں اتنی تھی کہ میں کسی گدھے کو بھی لاستمار کر معموم نہیں ہو سکتا تھا۔

”ہے....ہا....!“ دل چاپا کہ بچوں کی طرح چیختا ہوا کسی پر ٹوٹ پڑوں۔ مگر اب دہائی کا دہائی ملازم کہاں تھا جو ہر دو گھنٹے بعد یہ بھول جاتا تھا کہ کیشین حمید افسونی نہیں ہے۔

مجھے اس وقت وہ لڑکی یاد آرہی تھی۔ فونگ بھی اُو کا پٹھا معلوم ہو رہا تھا اور چاگ بھی کتنی حسین تھی کتنی بھولی تھی۔ اس کی آواز میں کتنی کشش تھی اور جب وہ یک یہک اپنی گھنٹیں اوپر اٹھاتی تھی تو کیا معلوم ہوتا تھا۔ ہائے کاش میں نے شاعری کی مشق جاری رہوئی....کاش میں نےمیرے خدا.... یہ زندگی کتنی عجیب ہے۔ اس میں کتنے موڑیں ہر موڑ پر کیا کچھ نظر نہیں آتا۔ جیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں۔ مگر کاؤں سے بھی سنا نہیں چاہتا۔ میں سوچتا ہوں کاش یہ خوبصورت لڑکیاں گوگی ہوتیں۔ میں انہیں، ہوں ان کے حسن سے مرعوب ہوتا ہوں کوئی یونان کی سائیکی معلوم ہوتی ہے اور کوئی نہ قلوپڑھے....لیکن جب یہ بولنا شروع کرتی ہیں تو خدا کی قسم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان میں اس بھرا ہوا ہو۔ کاش ان کی روحوں میں بھی دیسے ہی خطوط اور زاویے ہوتے جیسے ان کے خدوں میں پائے جاتے ہیں۔ کاش ان کے خیالات میں بھی وہی باکلپن اور اینیلاپن ہوتا جو ان کی خراہی میں ملتا ہے۔ آنکھوں میں کتنا راس ہوتا ہے۔ کتنا شیلاپن ہوتا ہے مگر باہیں گھاس کا کرکھ دیتی ہیں۔ ان کے ساتھ کھانے کو بیٹھ جاؤ تو متواتر پچ پچ سنائی وے گی جیسے کسی کتنے کو پر بھالیا ہو۔ پانی پیسیں گی تو ”غث... غث... غث“ جیسے شیر کسی بھیس کی گردن دبوڑا اس کا خون پی رہا ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہاں سرخ ٹھی دوں۔ کون ساز ہر کھا کر سو جاؤں کہ آئندہ سب کچھ دیکھنے اور سننے میں نہ آئے۔ ایک بار کرنل سے اس ٹریجیڈی کا تذکرہ آیا تھا۔ مسکر بولے تھے ”تمہیں کسی ایسی لڑکی کی تلاش ہے جسے فرمیم کراکے ذرا بیک روم کی کسی دیوار

بیاں کوں“

میں نے عرض کیا تھا ”ملے بھی تو کوئی ایسی.... سونے کے مندر میں بھاکر دن رات پوچا جا گا۔“

مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے اس کا کیا جواب دیا تھا کیونکہ جیسا بھی جواب انہوں نے دیا ہو گا وہ چافٹے کے قابل ہی نہ رہا ہو گا۔

ہاں تو میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ چاگ سے ملاقات ہونے سے پہلے ہی نکل چلو تو بہتر درستہ دہ پھر اس لڑکی کے معاملے میں بور کرنا شروع کر دے گا اور کچی بات تو اس کے فرشتے بھے سے نہیں معلوم کر سکتے کیونکہ وہ بھی چیزیں ہی ہوں گے۔

میں نے بڑی تیزی سے لباس تبدیل کیا اور پھر کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ چاگ سے بڑھو گئی۔

”خوب اکو بیانایا تم نے پچھلی رات۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”آج کل اوہ بنا نے کامیزیں اتنا گراں آرہا ہے کہ بنا نے کو دل ہی نہیں چاہتا مسٹر چاگ۔“

نے بے پر کی اڑائی ہو گئی۔

”ہر گز نہیں..... تم مجھے پہنچو قوف نہیں بناتے۔“ چاگ نے کہا اور مجھے اس کا لجھ بے حد ہاگزرا۔

”یہ بھی میری ہی مرضی پر منحصر ہے۔ بتاؤں یا نہ بتاؤ۔“ میں نے لاپرواں سے کہا۔ چاگ کچھ دیر تک مجھے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا پھر یہک یہک مسکرا کر بولا۔ ”تم میرے لئے بھائی ہو۔“

”ہو.... ہو.... ہو.... ہو....“ میں نے اسی کے سے انداز میں ہنسنے کی کوشش کی اور پھر یہہ ہو کر بولا۔ ”خدامیرے گناہوں کو معاف کرے۔“

”باتوں میں نہ اڑاؤ“ چاگ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”تم اس کی اہمیت سے اتف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ میں کتنا پریشان ہوں۔ آخر اس لڑکی نے تمہیں کیا بتایا تھا۔“

”میں ڈیزیر مسٹر چاگ....!“ میں نے اس کا ہاتھ بہ آہنگ اپنے شانے سے ہٹاتے ہوئے لے۔ میں صرف کرنل کو جواب دہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس کیس سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ میں نے مجھے آپ کے ساتھ بھیجا ضرور تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنی روپورٹ آپ کو جو کچھ بھی معلوم کرتا ہے کرنل سے معلوم کر لیجھے گا۔“

اہو گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب کیا کرنا ہے۔ مگر مجھے پہلے ہی کیا کرنا تھا۔ اس بار پھر کرٹل نے مجھے چارے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ پچھلی رات پچھلی چھنٹتے رہتی ہی دو رکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ چینی بھی عجیب ہوتے ہیں آپ نہیں کہہ سکتے وہ کس بات پر غمگین ہو جائیں گے۔ لہذا کسی چینی کو اپنے مکرے کے جوان ہو جانے کی خوبی محتاط ہو کر سنائیے انہیں سمجھنے لگ جائے آئینوں کو۔

بہر حال میں نے بھی بسور کر پوچھا۔ ”کیا بات ہے۔“

”کیا آپ خفاہ کر جا رہے ہیں۔“

”نہیں۔۔۔ میں پھر واپس آؤں گا۔“ میں نے کسی پر دلیں جانے والے شوہر کی طرز دیتے ہوئے کہا۔ مگر شاہد چین نے شوہروں کا انداز الگ ہوتا ہو۔ ورنہ چانگ کی بچکار جاتی۔

”لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کن حالات کی شکار ہے۔ میں تو اس کے لئے تشبیبات ش کر رہا تھا۔ مجھے اس سے کیا غرض کہ وہ مر رہی تھی میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ جان کنی کے عالم اکتنی حسین معلوم ہوتی ہے۔ چلئے وہ مر بھی جاتی تو میں اس قسم کا کوئی شر کہے بغیر نہ رہتا۔ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پناہ ہو گئیں۔“

کچھ بھی ہو سو فیاں ہی لڑکی تھی جس کے بارے میں بہت کچھ سوچا جاسکتا تھا۔ اس نے اگر مانے جان ہی دینے کی خانلی تھی تو کیا تر اکیا تھا۔ مگر شہری یئے میں اتنا چند بھی نہیں ہوں کہ لڑکی کے لئے جان دے دوں۔ پھر ایسی صورت میں جب کہ پچھلی رات مجھ پر حملہ ہو چکا تھا۔ رئے قدم آر لکھو کی طرف کیوں اٹھ رہے تھے۔ اوہ کیا آپ بھول گئے کہ میں اس کیس میں اسے کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ کیا کرٹل جو مجھے پچھلی رات اتنی لاپرواٹی سے چانگ کے گمراں چھوڑ کر چلے گئے تھے اس وقت قیلووں کر رہے ہوں گے۔ نوپ! اگر وہ حقیقتاً خود سو بھی رہے وہ لڑکے تو انہوں نے میرے گرد کم از کم اپنی بلیک فورس کا جال ضرور پھیلا دیا ہو گا۔ یہ بلیک فورس بھی آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی اگر اس کا تعلق مجھے سے ہوتا تو یہ بلیک فورس کیوں لہلاتی۔ میرا خیال ہے کہ میرے علاوہ اور کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ ایک یہی نہیں کرٹل کے زاروں راز مجھ سے پوشیدہ ہیں۔ بعض اوقات تو میں سنجیدگی سے سوچنے لگتا ہوں کہ یہ حضرت گوماجس شکل میں نظر آتے ہیں یہ ان کی اصل شکل ہے بھی یا نہیں۔

میں آگے بڑھ گیا اور چانگ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔

”سنئے کیپن۔۔۔ پلیز۔۔۔ صرف ایک بات۔“ میں نے اس کی غمگین آواز سنی اور آس کچھ ایسا ہی درد تھا جیسے کسی کنوارے نے ایک محبت کرنے والی بیوہ کو نھکر دیا ہو اور وہ عالم پر اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ چینی بھی عجیب ہوتے ہیں آپ نہیں کہہ سکتے وہ کس بات پر غمگین ہو جائیں گے۔ لہذا کسی چینی کو اپنے مکرے کے جوان ہو جانے کی خوبی محتاط ہو کر سنائیے انہیں سمجھنے لگ جائے آئینوں کو۔

”بہر حال میں نے بھی بسور کر پوچھا۔“ کیا بات ہے۔“

”نہیں۔۔۔ میں پھر واپس آؤں گا۔“ میں نے کسی پر دلیں جانے والے شوہر کی طرز دیتے ہوئے کہا۔ مگر شاہد چین نے شوہروں کا انداز الگ ہوتا ہو۔ ورنہ چانگ کی بچکار جاتی۔

”وہ قریب آگیا اور پھر آہستہ سے بولا۔“ کیپن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ایک نہ پر مجبور کر رہا تھا۔ بلاشبہ آپ کرٹل ہی کو جواب دہ ہو سکتے ہیں۔“

”شکریہ۔۔۔!“ میں نے کہا اور اتنی تیزی سے چل پڑا جیسے ملک الموت تعاقب میں، اب بھی میک اپ ہی میں تھا۔ یہ پلاسٹک میک اپ تھا۔ بر انتکلیف دہ ہوتا ہے اگر پورے؛ ہو تو۔۔۔ آدمی دو گھنٹے سے زیادہ اسے زیادت نہیں کر سکتا۔ یہاں تو خیر خدا کا شکر ہے کہ تاک اور گالوں کی بڑیوں کے ابھار پر ہی کرٹل نے پلاسٹک کی تہہ جمائی تھی جس سے میر میں اچھی خاصی تبدیلی ہو گئی تھی۔

میں نے باہر نکل کر سوچا اب کدھر جاؤں۔ سامنے والے مکان کی دیوار پر ”چل چو جوان“ نامی فلم کا پوستر چپکا ہوا نظر آیا اور میں بڑی سعادت مندی سے چلنے لگا۔ مگر سوا کہ یہ چال کہیں تو ختم ہو گی ہی۔ پھر کیا وہیں وفن ہو جانا پڑے گا۔ یہ اسلئے سوچ رہا تھا کہ پاس کام کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ کرٹل نے پچھلی رات یہ نہیں بتایا تھا کہ اب کیا کرنا ہو گا۔ لیکن میرے پاس ہی تھی۔ لیکن میں نے پیدل ہی اشارت لے لیا۔ قصد انہیں بلکہ یہ خیالی میں کچھ دور چلنے کے بعد غلطی کا احساس ہو۔ مگر پھر میں واپس نہیں لوٹا۔ میں نے پیدل ہی سکی۔ ایسے حالات میں یہی مناسب ہوتا ہے کہ پیدل ہی چلے ورنہ پیروں اتنی۔ سے پھکتا ہے کہ بعد میں خود بھی افسوس کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی منزل

آر لکچو پہنچ کر میں سیدھاروم نمبر تھر نٹن کی طرف چلا گیا۔ دروازے پر آہستہ سے دی۔ کسی کے چلنے کی آواز آئی اور دروازہ کھلا۔

سو فیا ش خوابی کے لباس میں سامنے کھڑی تھی۔ لیکن پھر وہ بوکھلا کر بتر کی طرف اور جلدی سے اپنے اوپر سلپینگ گاؤن ڈال لیا۔ وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔

”جاو پر نس خدا کے لئے جاؤ۔۔۔ پتہ نہیں وہ کیا کر بیٹھے۔“ اس نے کامپتی ہوئی آواز میں ”میرے معاملے میں وہ خود کشی کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔“

”میں کہتی ہوں جاؤ۔۔۔ خدا کے لئے۔“ وہ مجھے ہیکلیتی ہوئی بولی۔

”نہیں میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔“

”میں مرتا نہیں چاہتی۔۔۔ جاؤ پلے جاؤ۔“

میں اسے ایک طرف ہٹا کر کرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت دونوں انہوں

بادی گارڈز بھی اندر گھس آئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ ان کے ارادے نیک نہیں معلوم،

تھے۔ شانک انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ میرا گلا گھونٹ کر مار ڈالیں کیونکہ وہ خالی ہاتھ اس طرح

طرف بڑھ رہے تھے جیسے میں ان کی نظر وں میں ایک تھیر ترین کیڑا رہا ہوں۔ مجھے ان کے اس

پر بڑا غصہ آیا۔ میں نے غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔ وہ مجھ پر ایک ساتھ حملہ کرنے والے تھے

میں نے انہیں اس کا موقع نہیں دیا۔ دوسرا ہی لمحے میں میں نے ریو اور نکال لیا۔ ”چھپے ہو

وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ میں نے کہا۔ ”تم لوگ تین گھنٹے کے اندر شہر خالی کر دو

ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑ جائے گا۔ یہاں پر نس داراب کے علاوہ کسی اور کی گنجائیں نہیں ا

لڑ کی مجھے اتنی پسند آئی ہے کہ یہ زندگی بھر میرے ساتھ رہ سکتی ہے۔ مجھ کوئی اعتراض نہ ہو،

وہ دونوں خاموش کھڑے رہے پھر میں نے ایک کو مخاطب کر کے دوسرا کے لئے ”اس کے ہاتھ اور پیڑ باندھ دو۔“ وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں میں نے پھر کہا۔ میں اس ریو

استعمال بھی کر سکتا ہوں کیونکہ یہ قطعی ہے آواز ہے۔ تم دونوں نہایت اطمینان سے سو جاؤ۔

لڑ کی تم یہاں سے چلنے کی تیاری کرو۔ اگر تم نے بھی میرا حکم نہ مانا تو میں تمہاری لاش بھی

چھوڑ جاؤں گا۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنی سلپینگ گاؤن کی ڈوری اس آدمی کے ذ

کردے ہے میں دوسرا کو باندھنے کا حکم دے چکا تھا۔ سو فیا نے ڈوری اس کی طرف اچھا اور وہ اپنے دوسرا ساتھی کے ہاتھ پشت پر باندھنے لگا۔ دوسرا آہستہ کچھ کہہ رہا تھا

نہ سمجھ سکا۔ لیکن میں نے سوفیا کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھے۔ اب میں بھی اتنا حمق خدا کے اس گفتگو کا مقصد نہ سمجھتا۔

”اگر تم نے اس کے ہاتھ ڈھیلے باندھے تو وہی پھرند اتھمارے لئے چنانی کا پھرند ابن جائے میں نے آہستہ سے کہا۔

یک بیک سوفیا بہت مستعد نظر آنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں تک سوتی رہی ہو۔ اسے جلدی جلدی اپنا سوٹ کیس کھول کر اس میں سے ریشم کی ڈور نکالی اور اسے میری طرف مار دیا۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔ جب ایک بادی گارڈ دوسرا کو باندھ چکا تو میں نے اس سے کہا کہ بھی خاموشی سے اپنے ہاتھ پر بندھو لے مگر وہ کیپوں تو تھا نہیں۔ اس نے برجستہ کہا کہ اگر تم رے ہاتھ پر باندھ کے تو بلاشبہ بندھوں گا۔ اس پر میں نے سوفیا سے کہا کہ وہ اس کی جامہ اشی لے۔ سوفیا کے ہاتھ پر کانپ رہے تھے لیکن اس نے دیر نہیں لگائی۔ بادی گارڈ کی جب ہے ایک برا سا چاقو برآمد ہوا۔ چاقو اپنے قبضے میں کر لینے کے بعد میں سوچنے لگا کہ اسے کس رج باندھا جائے۔

سو فیا اس کام کے لئے بھی ناموزوں ہوتی کہ روی الورزی لئے کھڑی رہے۔ اتنے میں فون کی نہیں بھی اور میں نے رسیور اٹھایا۔ روی اور کارخ بادی گارڈ ہی کی طرف تھا۔ میں نے رسیور اٹھایا۔ ذمگر سوفیا کی طرف بڑھا دیا۔ سوفیا نے کال رسیور کی۔

”آپ کے لئے ہے۔“ اس نے کہا اور رسیور مجھے دے دیا۔ دوسرا طرف سے کرٹل کی آواز آئی اور میں بوکھلا گیا۔ انہوں نے کہا۔ ”تم وہاں کیا کر رہے ہو۔“

”ایک کو باندھ چکا ہوں اب دوسرا کی فکر ہے۔“

”بادی گارڈ۔“

”جی ہاں۔“

”پھر۔۔۔!“

”لڑ کی میرے ساتھ جائے گی۔“

”کہاں جائے گی۔“

”جہاں آپ کہئے۔“

"میرا خیال ہے کہ تم وقت برپا کر رہے ہو۔"

"نہیں وقت اچھا کئے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ شاعرانہ ذوق رکھتی ہے۔"

"خیر.... فی الحال تم اسے جھریالی کا علاقہ دکھلاو۔... اس کے بعد اسی عمارت میں جانا جہاں چانگ رہتا ہے.... بس۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ لیکن میری حرمت کا کیا نہ کہانے۔ آخر جھریالی کی طرف کیوں لے جاتا۔ وہ سنان میدانوں اور جنگلوں کا علاقہ تھا۔ ریسیور پر مجھ سے ایک غلطی ہوئی جس کے لئے مجھے بھکتا پڑا۔ بس اتنی غلطی ہوئی تھی کہ میری کارڈ سے ہٹ کر فون کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی اور رویا لو ہاتھ سے نکل گیا۔

لیکن میں فوراً ہی سنجھل گیا ورنہ شاید میں نیچے ہوتا۔

اندو چائینز لپٹ پڑا تھا۔ لیکن شائد شرپیوں سے لڑنے کا سیلہ اسے نہیں تھا۔ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بند رجھ سے لپٹ پڑا ہو۔ سب سے پہلے اس نے میر بازو پر منہ مارا اور میں بلبا اٹھ پھر میرے پھرے پرناخوں سے نقش دنگار بنانے کی جس پر نہ امان کر میں نے بھی ایک گھونبہ عرض کر دیا جسے اس نے اپنی ناک پر ریسیور کہا اور دوسری طرف الٹ گیا۔ جو کچھ بھی کہا تھا اپنی مادری زبان میں کہا تھا۔ لیکن میں پا کے علاوہ ایسے موقع پر دنیا کی ساری زبانیں بھول جاتا ہوں۔ ورنہ خدشہ رہتا ہے کہ کہ دودھ یاد نہ آجائے۔ جیسے ہی وہ فرش پر گرا میں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس پر کام مرتبہ قدم رنج ہی فرماؤ۔ چنانچہ میں دو تین بار اس کے سینے پر اچھا اور نیچے اتر آیا۔ مادری زبان میں اس قدم رنج فرمائی کہ شکریہ ادا کر تارہ اور اس کا دوسرہ اساتھی انگریزی کہہ رہا تھا اگر اردو میں کہتا تو میں اس کا سر قلم کر دیتا۔

بہر حال قدم رنج فرمانے سے بھی کچھ نہ ہوا۔.... شکریہ ادا کر کے وہ اٹھ ہی رہا نے اس کی کھوپڑی کو قدم بینخت لروم سے شریفاب کرنا شروع کر دیا۔ اب اس میں کرنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے عالم سرور میں اپنی آنکھیں بند کر لیں مطمئن ہونے کے بعد میں اس کے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔ جس کے ہاتھ پر بند تھے لیکن زبان قیچی کی طرح جل رہی تھی۔ لیکن میرے پاس قیچی نہیں تھی ورنہ۔۔ اب وہ میری شان میں قصیدہ خوانی کے سلسلے میں مبالغہ کی سرحدیں چھوئے لگا تھا۔۔

نے بھی مناسب سمجھا کہ اب اس کی زبان کو آرام کرنا چاہئے۔
میر ارموال ناکافی ہوا تو مجھے سوفیا سے ایک رومال اُدھار لیتا پڑا۔ کیا اب یہ بھی بتاؤں کہ اس نے اس وقت میری سات پتوں تک کاشکریہ ادا کر کے رکھ دیا تھا۔ جب میں اس کے منہ میں رومال ٹھوٹس رہا تھا۔

لیکن اس دوران میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس سنبھالتی رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کے ہاتھ سے ڈری ڈری کی آوازیں بھی نکل جاتی تھیں۔

وہ میرے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی تھی لیکن اس طرح خائف نظر آرہی تھی جیسے باہر نکلتے ہی اُسے کوئی گولی مار دے گا۔ میں نہایت اطمینان سے نکلا چلا آیا۔ دونوں باذی گارڈز کو اسی کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ باہر آکر میں نے شیکی کی اور ہم جھریالی کی طرف رو انہ ہو گئے۔ لڑکی چیچے مژہ مز کر دیکھ جا رہی شیڈی اسے تعاقب کا خدشہ تھا۔ خدشہ تو مجھے بھی تھا لیکن میں مطمئن بھی تھا کہ بقیہ معاملات کرنی خود ہی سمجھ بوجھ لیں گے۔ ظاہر ہے کہ انہیں اس کا بھی علم تھا کہ میں سوفیا کے کمرے میں داخل ہوا ہوں۔ نہ صرف علم تھا بلکہ یقین بھی رکھتے تھے کہ میں وہاں ہر قسم کے حالات پر قابو پا لوں گا۔ مجھے حرمت بھی تھی کہ آخر وہ مجھ پر اتنا اعتقاد کیوں کرنے لگے ہیں۔

"اب ہم کہاں جائیں گے۔" سوفیا نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"اب ہم تھوڑی سی تفریح کریں گے۔ کیونکہ ابھی تک ہم کو فت کا سامنا کرتے رہے ہیں۔"

"کیا میں یقین کر لوں کہ اب میرا مستقبل محفوظ رہے گا۔"

"مستقبل کبھی محفوظ نہیں رہتا ہے۔ پہلے وہ حال بتا ہے اور پھر مااضی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ہم بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ لہذا مستقبل کی گلر فضول ہے۔"

"میں نے تم پر اعتناد کر لیا ہے۔"

"میرا نہیں کیا۔" میرا منظر سا جواب تھا۔

میں دراصل ابھیں میں پڑ گیا تھا۔ آخر جھریالی کا دیرین علاقہ کیوں اور پھر اس کے بعد چانگ کے مکان میں واپسی۔ وہ مکان تو بقول چانگ پہلے ہی سے ان لوگوں کی نظروں میں تھا۔

بہر حال جو کچھ بھی مجھ سے کہا گیا تھا بے چوں وچار کرنا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو۔" سوفیا نے کہا۔ وہ بہت زیادہ مضطرب معلوم ہو رہی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے چچا کا کیا حال ہو گا۔ کیا اس نے اپنی زندگی کا بیسہ کر لایا تھا۔"

"وہ جنم میں جائے۔" سوفیا برا سامنہ بن کر یوں۔ "اس کے تصور سے بھی نفرت معلوم ہوتی ہے۔"

کیا اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔
”میں ان دونوں مخالفوں کے علاوہ اور کسی سے واقف نہیں۔“
”اے ہمیشہ ہی تہاد کھاہے ہے....؟“

”ہاں... ہمیشہ.... حدیہ ہے کہ کبھی کسی سے گفتگو کرتے بھی نہیں دیکھا۔ اگر کبھی کوئی اجنبی اسے مخاطب بھی کرتا ہے تو وہ اتنی سرد مری سے پیش آتا ہے کہ دوسرا بدر اس کی ہٹنے نہیں پڑتی۔“

”وہ خود کہاں مقیم ہے۔“
”مجھے اس کا بھی علم نہیں۔“

”پھر کیسے کام چلے گا۔“ میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔
”اوہ.... تو تم اس کے خلاف کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”ہو سکا تو قتل کروں گا۔“ میں نے لاپرواں بے کہا اور اسے لرزتے دیکھا۔
”نہیں....!“ اس نے اپنے ہونوں پر زبان پھیز کر کہا۔ ”اس کی کیا ضرورت ہے۔“

”پھر تم اس کے سلسلے میں کیا چاہتی ہو۔“
”بس اتنا ہی کہ آئندہ اس کا سامنا ہو۔“

میں اس طرح خاموش ہو گیا جیسے بچھی سوچ رہا ہوں کہ اُسے مارڈا لاجائے یا زندہ رکھا جائے۔
یکسی ڈرائیور سمجھا تھا شاہد ہم لوگ سیاح ہیں اس لئے اکثر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر جھریاں کے علاقے کے متعلق کچھ کہنے لگتا تھا۔ یکسی شہر سے نکل کر ایک دریاں راستے پر لگ گئی تھی۔

”یہ تم کہاں لے جا رہے ہو۔“ سو فیا نے کہا۔ اب پھر اس کی آنکھوں سے خوف جھاکنے لگا۔
”آجھر ایک بڑی خوبصورت جھیل ہے۔ میں آج پھر دیکھوں گا کہ وہ تمہاری آنکھوں سے زیادہ گھری تو نہیں ہے۔“

”میرے خدا۔ وہ مختلی سانس لے کر بڑوائی۔“ کیا اب میں ریگستان سے نکل کر کسی دلدل میں پھنسوں گی۔

میں کچھ نہ بولا۔ میرا خیال تھا کہ ایسے کسی موقع پر زبان کو تھکانا بیسود ہوتا ہے۔ میری دانست میں چونکہ وہ خود ہی غیر تینی حالات کی ٹھکار تھی اس لئے محض الفاظ سے اس کی تکنی نا ممکن تھی۔

وغلت میں نے پچھے کسی ورنی گاڑی کی آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا۔ وہ ایک ٹرک تھا جس پر بانس

لدے ہوئے تھے۔ میں پھر مطمئن ہو گیا۔
اہمی تک تو مجھے تعاقب کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔

ٹرک کی رفتار تیز تھی وہ ٹکسی کے برابر سے آگے نکل گیا۔ لیکن اس کی رفتار اتنی تیز بھی نہیں تھی کہ ٹکسی سے اس کا فاصلہ بہت زیادہ ہو جاتا۔ ٹکسی ڈرائیور نے ٹکسی آگے نکلنی چاہی لیکن میں نے اُسے روک دیا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ٹرک ہماری راہ میں حائل ہی رہنا پا رہتا ہو۔ میں الجھن میں پڑ گیا۔ پچھے ٹرک اب سنان پڑی تھی۔ مگر ٹرک کی رفتار میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ہماری ٹکسی ہمی پہلے ہی کی سی رفتار سے جاری تھی۔

جھیل تک بھی کیفیت رہی۔ پھر جیسے ہی ہم جھیل کے قریب پہنچ ٹرک نے ایک لمبا چکر لیا اور پھر شہر ہی کی جانب مڑ گیا۔ کیا یہ کم حرمت ایگزیٹر تھا کہ وہ قریب کی فیکری میں باس اٹا رے بغیر واپس ہو گیا تھا۔ خیموں کے لئے باس بنانے کی ایک فیکری اسی علاقے میں تھی۔

والپسی

کرٹل نے اتنا ہی کہا تھا کہ میں سوفیا کو جھریاں کے علاقے کی طرف لے جاؤں اور پھر وہاں سے ہماری واپسی چاگک کے مکان پر ہو۔ لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ جھریاں کے علاقے میں ہماری سنت قیام کیا ہو گی۔

ڈرائیور نے میرے اشارے پر ٹکسی جھیل کے کنارے پر روک دی۔ سوفیا نے چاروں طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی اور اس وقت نہ جانے کیوں مجھے رائیدر لیگڑ کا ناول ”شی“ یاد آ رہا تھا۔ جس میں ایک ایسی حسینہ کا ذکر ہے جو ہزاروں سال سے زندہ نبی اوز جو لا کمکھی کی آگ میں نہا کر جوان ہو جیا کرتی تھی اور ہمیشہ جوان ہی رہتی تھی۔

”یہ جادو کی جھیل ہے۔“ میں نے سوفیا سے کہا۔ ”تم نے پر اسرارِ مشرق کے متعلق اپنے ہاں لا تعداد استعمالیں سنی ہوں گی۔ میں ذرا صل اسی جھیل میں رہتا ہوں۔“

”نہیں....!“ سوفیا یک بیک مجھے گھوڑنے لگی۔ ”ہاں.... میں ہزار سال سے زندہ ہوں۔ میری رعایا مجھے ”ہی“ کہتی ہے اور ”ہوا“ کہہ رخاطب کرتی ہے۔ میں ہزار سال سے اپنی رعایا پر حکمران ہوں۔ جب یوڑھا ہونے لگتا ہوں تو

لہات کے بہتر یا بدتر ہونے کا دار و دار صرف میرے بچا کے جواب پر تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ حالات کا مقابلہ تھی کہ کروں گی۔ تھوڑی دیر بعد باذی گارڈنے اکار اطلاع دی کہ میرا بچا بھی مجھے باہر باغ میں بلارہا ہے۔ میں اٹھ گئی۔ میں اب براور است اسی سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ باذی گارڈز میرے ساتھ چلتے رہے اور میں باغ کے اس گوشے میں پہنچ گئی جہاں میرا بچا پہلے سے موجود تھا۔

اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا چاہتی ہوں اور میں کسی جواہر کی طرح پھٹ پڑی۔ اس گوشے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور میں فرانسیسی میں گفتگو کر رہی تھی۔ بیہاں روشنی بھی نہیں تھی۔ بس تاروں کی چھاؤں میں ان تیوں کی دھنڈھی سی پوچھائیاں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ تین کیا اگر تینی ہزار ہوتے تب بھی میری زبان نہیں رک سکتی تھی۔ جو کچھ میرا تھا کہتی رہی۔ اچانک کوئی بھی سی چیز میرے چہرے سے ٹکرائی پھر آنکھوں کے سامنے بھلی سی چمکی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا چہرہ جلس گیا ہو۔ لیکن کیا وہ آگ تھی۔

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ اس کی پیشانی پر تکنیسیں تھیں اور آنکھوں سے کسی تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں کچھ نہ بولا۔ اس نے پھر کہا۔ ”ماش تمہیں اس پر یقین آجائے۔ کاش! اسے تم کپ نہ سمجھو کیونکہ تم ابھی ابھی رائیزر ہیگرڈ کے ایک ناول کا حوالہ دے چکے ہو۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ تم نے اس کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔ ہو سکتا ہے تم سرے ہی سے میری اس داستان کو گپت سمجھتے ہو اور تمہارا خیال ہو کہ میں کوئی آوارہ لڑکی ہوں اور اسی طرح بالدار آدمیوں کو پھانستا میرا پیش ہے۔ تم کچھ بھی سمجھو میرا کچھ بھی خشر ہو مگر اب میں ان حالات کے جال سے نکلنا چاہتی ہوں، خواہ مجھے اس جھیل کی تہہ میں کیوں نہ پناہ لینی پڑے۔“

”تم بیان جاری رکھو میں تمہاری کہانی کو غلط نہیں سمجھا کیونکہ میں اکثر خود بھی اس سے کہیں زیادہ پر اسرار حالات سے دوچار ہو چکا ہوں اور انہیں حالات کے پیش نظر میں تم میں اتنی دلچسپی بھی لے رہا ہوں ورنہ پرنس دار اب ولد مہاراچہ سرخاب بہت مشغول آدی ہے۔“

”پہلے مجھے ایسا محسوس ہوا تھا“ اس نے کہانی دوبارہ شروع کی اور پھر خاموش ہو کر اپنی پیشانی رکھنے لگی۔ میں بھی خاموش ہی رہا۔ اسے نوکنا نہیں چاہتا تھا۔

”مجھے ایسا محسوس ہوا تھا... اور مجھے وہ تکلیف اس وقت یاد آگئی ہے پرنس مجھے پہلے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرا چہرہ جلس گیا ہو۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ محسوس کرنے لگی جیسے میرے شانوں پر سر کی بجائے برف کی چنان رکھ دی گئی ہو۔ پھر میرا سارا جسم برف کے ڈھیر میں دب کر

اسی جھیل کاپانی اپنی دم پر لگا کر دوبارہ جوان ہو جاتا ہوں۔“
سو فیا کھلکھلا کر بہن پڑی اور بولی۔ ”میں نے رائیزر ہیگرڈ کا ناول شی پڑھا ہے۔ وہ ہیا...
کہلاتی تھی... اور تم ”ہی“ ہو... مگر ”ہوا“ کے کہتے ہیں۔“

میں نے اسے ”ہوا“ کا مطلب سمجھانے کی کوشش کی اور وہ اوزر زیادہ ہنسنے لگی۔
”تو رائیزر ہیگرڈ نے ”ہوا“ سے ”ہیا“ ہیا ہے۔ لوگ اس سے اسی طرح خائف رہتے تھے جیسے تمہارے بتائے ہوئے ”ہوا“ سے ہو سکتے ہیں۔ تم بہت دلچسپ اور ذہن آدمی معلوم ہوتے ہو پرنس.... میرے خدا میں آج کتنے دنوں بعد دل کھول کر بھی ہوں۔“
پھر وہ کار کار روازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔ میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ وہ کسی تنفسی سی بیجی کی طرح خوش نظر آنے لگی تھی۔

”میں پرنس سے کبھی باہر نہیں نکلی۔ اس کے بعد نکلی بھی تو ایسے حالات کا شکار رہی۔ پورپ کے مختلف شہروں ہی میں باری باری پھری ہوں، ایسے مناظر میری نظر وہ سے کم گزرتے ہیں۔ اورہ پرنس اورہ پرنس.... میں کتنی خوش نصیب ہوں کاش ساری زندگی مطمئن رہوں۔ کاش موجودہ حالات کی بھی اصلیت ظاہر ہو جائے۔“

”سب کچھ ہو جائے گا۔“ میں نے کہا۔ ”مگر تمہیں اپنی زبان کھولنی پڑے گی۔ اس کے بغیر کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ تم مجھے بتاؤ کہ اپنے اس پوچھا کے متعلق اور کیا جانتی ہو۔“

”میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی جتنا پتا چکی ہوں اور دونوں باذی گارڈز کے علاوہ کہ ایسے تیسرے آدمی کے وجود سے بھی ناوافع ہوں جو میرے پوچھا سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن میں تھہرہ... میں تمہیں ایک اہم واقعہ بتاؤں گی۔ جو ایکسٹرڈم میں پیش آیا تھا۔ میں اپنی اس قیدوں کی زندگی سے اکتا گئی تھی۔ ایک شام میں اپنے باذی گارڈز کے ساتھ ایکسٹرڈم کی ایک تفریخ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اپنی بے بی پر بڑا دنا آیا۔ لیکن میں نے تہیہ کر لیا کہ اب ان لوگوں ایک نہ سنوں گی۔ میرا پچا بھی اسی تفریخ کا ہاں میں موجود تھا حسب معمول مقررہ وقت پر وہ جا کے لئے اٹھ گیا اور مجھے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔ باذی گارڈز بھی اٹھے۔ لیکن میں نے اٹھنے سے کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں اب ان پابندیوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اگر زبردستی کی گئی تو میں، شور مچانا شروع کر دوں گی اور تم سب مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ وہ دونوں گھبرا گئے اور ان میں ایک نے کہا اچھا تھہرہ میں تمہارے پوچھا سے اجازت لے آؤں پھر تم بیٹھے سکو گی۔ ہمیں اعتراض نہ ہو گا۔ ایک دہیں موجود رہا اور دوسرا چلا گیا۔ مجھے سچے بچھے براشندید غصہ آگیا تھا اور آ

دہاں پہنچ کر مجھے پھر تھیر ہوتا پڑا۔ میرے ایک ماتحت نے بتایا کہ کرتل نے فون پر ہدایت دی ہے جیسے ہی دہاں پہنچوں سا تھی سمیت مجھے گھر چلے آنے کو کہا جائے۔

ٹیکسی میں نے چھوڑ دی تھی۔ اب لیکن نکانی پڑی لیکن روائی سے پہلے میں نے کرتل کو زون کر کے اپنے ماتحت کے بیان کی تصدیق کر لی تھی۔ وہ گھر ہی پر موجود تھے اور ان کی خواہش ہی کہ میں سوفیا سمیت دیں پہنچاؤں۔

سو فی خاموش ہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس نے خود کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہو۔ ہم کو ٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

”تمہاری یہ گاڑی بڑی شاندار ہے۔“ سوفیا نے کہا۔

”تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ میں شہزادہ ہوں۔ یہ گاڑی ایسے کندیشنا ہے۔“

میں اب بھی میک اپ ہی میں تھا اگر اپنی گاڑی میں نہ آیا ہو تو ملازم مجھ پر خونخوار قسم کے لئے چھوڑ دیتے۔ کیونکہ میں درانہ اندر گھستا چلا گیا تھا۔ نصیر نے ٹوکا تھا۔ مگر میں نے آواز بدلتے نیز اسے ڈانت دیا تھا۔ درانہ بات ضرور بڑھ جاتی۔

کرتل لا بھریری میں تھا نہیں تھے ان کے ساتھ چاگک بھی تھا، اور میز پر بہت سے کاغذات ٹھرے ہوئے تھے۔ ان کاغذات کے ساتھ چھڑے کا مخصوص طرز کا تھیلا دیکھ کر میں نے اندازہ لالیا کہ دفتر کے ریکارڈ روم سے کسی پرانے کیس کے کاغذات نکالے گئے ہیں۔ سوفیا کو میرے ماتحت دیکھ کر چاگک کا منہ حیرت سے کھل گیا اور کرتل نے مجھے بتایا کہ چاگک کو میرے اس لانے کے علم نہیں تھا۔

اس نے دلبی زبان سے اتنا ضرور کہا کہ میں نے شاکن اچھا نہیں کیا۔ یہ لڑکی بھی فراز ہو سکتی ہے۔ اس پر سوفیا نے بہت نہ اسمنہ بنایا اور اس کی آنکھوں میں آنسو چھکل آئے۔ چاگک چونکہ ہم سے اگر بیزی میں گفتگو کرتا تھا اس لئے سوفیا کو اس کے خیالات کا علم ہو گی۔ درنہ شاید میں یہی داشٹ کرتا کہ اس کی دل بخکنی نہ ہونے پائے۔

”اسے نیلم کے پر د کر کے یہاں والیں آجائو۔“ کرتل نے مجھ سے کہا۔

نیلم اس وقت کو ٹھی ہی میں موجود تھی۔ اس نے کافی دیر تک میرا مشکلہ اڑایا۔ مجھے بیبا کہتی ہے اور سوفیا کو ”بابی“ کہہ کر مخاطب کرتی رہی۔ پھر وہ اسے اپنے ساتھ اپنے رہائشی کمروں کی اونٹی چلی گئی۔

میں پھر لا بھریری کی طرف واپس آیا۔ کرتل نے شاکن کاغذات سمیت کر تھیں میں پھر دیے

رہ گیا ہو۔ میں بیہو ش ہو گئی۔ پھر میں نہیں جانتی کہ کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا تھا۔ میں ایک تھکر تاریک کو ٹھری میں بند تھی اور میرے سر پر وہی دونوں باڑی گارڈز مسلط تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بوڑھا مجھے مار ڈالے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ بھی اس سے خائف رہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ بے حد چالاک اور طاقتور ہے۔ پھر انہوں نے مجھے سمجھانا شروع کیا کہ میں مفت میں عیش کر رہی ہوں۔ مجھے ابھی تک کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ مجھے کسی ناجائز اور غیر قانونی کام پر مجبور نہیں کیا گیا۔ پھر آخر بدھوائی کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ اب بے چوں وجہ اوہی کرتا چاہئے جو یہ لوگ کہیں۔ پھر جب کبھی گلو خلاصی کی صورت نظر آئے تو پھر ہاتھ بیرون مارے جائیں گے۔ میں تھا ان لوگوں سے پہنچنے کی قوت نہیں رکھتی تھی۔ ان دونوں نے مجھے دھمکی بھی دی تھی کہ اگر میں آسانی سے راہ پر نہ آئی تو وہ مجھے شریف اور نیک نہ رہنے دیں گے۔ پھر میں راہ پر آگئی۔ پھر اس خبیث اور پہنچ اسرار آدمی کے اشاروں پر ناچنے لگی۔ مگر میں آج تک نہ سمجھ سکی کہ میرا مصرف کیا ہے۔ نہ مجھے آج تک کسی سے ملنے پر مجبور کیا گیا نہ کسی سے گفتگو کرنے کو کہا گیا۔ یہاں آنے کے لئے بھی وہ ایک بہانہ تھا وہ میں آپ کو بھچلی رات ہی بتا چکی ہوں کہ مر نے والا ایک قلاش آدمی تھا۔“

”تو اب تم ان لوگوں میں واپس نہیں جانا چاہتیں۔“

”اس پر میں موت کو ترجیح دوں گی۔ اس کے علاوہ اور سب کچھ کر سکتی ہوں۔ میں اب عیش پر قحو کنا بھی پسند نہیں کرتی۔“

”اچھا تو آؤ واپس چلیں... اب تم ان لوگوں میں واپس نہیں جاؤ گی۔“

”میں زندگی بھر احسان مدد رہوں گی اگر ان سے چھکلار انصیب ہو جائے۔“

”چلو...!“ میں ٹیکسی کی طرف مڑ گیا۔ خواہ وہ ایک شاندار فریب ہی کیوں نہ رہا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اس لڑکی کی بیچارگی سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ مجھے وہ لڑکی یاد آئی جو حقیقتاً ایک ملک کی شہزادی تھی مگر چند اجنیوں کے ہاتھوں ایسے نہ اسرار حالات کا شکار ہوئی تھی کہ اس کے پاگل ہونے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ ساپہلے میں اسے بھی فراڈ ہی سمجھا تھا لیکن پھر مجھے اپنے بدگمانی پر بے حد افسوس ہوا تھا۔

ہم دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور وہ پھر شہر کی طرف چل پڑی۔ میں راستے پھر ہوشیار رہا لیکن چاگک کے مکان تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

۱۔ اس داستان کے لئے جاؤں کی دنیا کے ناول ”خون کا دریا“ جلد نمبر ۷ ملاحظہ فرمائیے۔

تھے۔ تمیلاب بھی میز تی پر موجود تھا۔

میں نے کرتی کولڑی کی داستان سنائی اور چاگک کی "ہو ہو" اشارت ہو گئی۔ میرا دل چاہا کہ انہا تھے اس کے منہ پر رسید کر دوں مگر پھر تاؤ کرا کر رہ گیا۔ اگر مجھے اس کا خیال نہ ہوتا کہ وہ کرٹ کا دوست ہے تو میں بلا تکلف ایک آدمہ ہاتھ جھاڑا دیتا۔ اس کے ہنسنے کا انداز ایسا تھا جیسے میں انوبر گیا ہوں یا میں نے جو کچھ بھی کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔

کرٹ نے میرے بیان پر تبرہ نہیں کیا۔ البتہ چاگک سے بولے "فی الحال تو یہ معلوم کرنا کی ضرورت نہیں ہے کہ لڑکی کیچی ہے یا جھوٹی۔ اس کی تصدیق ہم اسی وقت کر سکیں گے جو فونگ ہاتھ آجائے۔"

"مگر وہ سور کا بچہ ہاتھ ہی کیوں آنے لگا۔" چاگک نے ناخوشگوار لمحے میں کہا۔ "ویسے ہی دعویٰ ہے کہ فونگ بھی یہی چاہتا ہے کہ یہ لڑکی آپ کے مکان میں پہنچ جائے۔ ورنہ اسے دہائے کون نکال لاسکتا تھا۔"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ میں میک اپ میں بھی پچان لیا گیا ہوں گا۔" میں نے کہا۔ "اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اسے لکھ لیجئے کہ فونگ ہی کے ایماء، لڑکی آپ کے ساتھ آئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ لڑکی حقائق سے لاعلم ہو۔" میں خاموش ہو گیا۔ اب چاگک کے اس خیال میں کسی حد تک وزن نظر آنے لگا تھا۔

رات مجھے بیہوش کیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے میں پچان لیا گیا ہوں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ تھی مجھے وہ ٹرک یاد آیا جس میں بانس بھرے ہوئے تھے۔ لیکن وہ خیمه ساز فیکٹری میں خالی کے بغیر شہر کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس میں فونگ ہی کے آدمی رہے ہوں اور یہ بھی ہے کہ چاگک کے گھر سے کوئی تک بھی میرا تعاقب کیا گیا ہو۔ شہر میں جہاں ٹرینک کی ریل رہتی ہے تعاقب کا اندازہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور پھر میں نے تو خاص طور پر اس پر دھیاز نہیں دیا تھا۔ چاگک کے گھر سے بیہاں آتے وقت میں صرف سوفیا کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ ذہن میں رکھے بغیر کہ وہ کس طرح مجھے تک پہنچ ھی کیوں پہنچی تھی۔ چاگک بڑی اتراء کرنا سوچنے رہے اور میں بور ہوتا رہا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ بہت زیادہ بور نہیں ہوا کیونکہ چاگا ہو، "اس وقت نہیں چل رہی تھی۔"

دفعتا کرٹ بولے۔ "اچھا چاگک اگر وہ بوڑھا یور و پین ہی فونگ ہے تو اسے میری میں تصور کرو۔"

"نہیں.....!" چاگک پر مسرت انداز میں چونک پڑا۔

"میں جانتا ہوں کہ اس کا قیام کہاں ہے۔ میں نے پچھلی رات ہی معلوم کر لیا تھا۔"

"ضروری نہیں ہے کہ وہ اب بھی ویس ہو۔" چاگک نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت اب بھی اسی مکان میں موجود ہے۔ میں ایسے رات پر غافل رہنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"جب پھر آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔" چاگک بولا۔

"لیں اب دیر نہیں کروں گا۔" کرٹ مکرائے۔ "مجھے کیپٹن حید کے اسی کارنائے کا انتقام ل۔"

ایک سردی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ کرٹ کی مسکراہٹ ایسی ہی تھی میں نہیں سمجھ سکا ان کے لمحے میں کیا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ میرے لئے جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ طنز تھا یا نیتیاں ان کی نظروں میں کوئی کارنامہ انجام دیا تھا۔

چاگک جواب طلب نظرؤں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کرٹ نے میری طرف دیکھ کر اس میک اپ کی ضرورت نہیں رہی اسے ختم کر دو۔ مسٹر چاگک بھی خواہ میک اپ میں رے ساتھ چلیں خواہ اپنی شکل میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ میں آج گارس اس کے ساتھی تے ری فونگ کو پکڑ رہی لوں گا۔

"نہیں میں میک اپ ہی میں رہنا مناسب سمجھوں گا۔" چاگک نے کہا۔

"تمہاری مرضی۔" کرٹ بولے اور کاغذات کا تھیلا میز کی دراز میں رکھتے ہوئے مجھ سے مل۔ "جاڈ جلدی کرو۔ اب اس میک اپ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اسی وقت وہاں جائیں گے ہاں فونگ مقیم ہے۔"

میں لا بہری سے لیبارٹری کی طرف رو انہوں ہو گیا۔

کچھ کارومن

چاگک نے اس پر بڑی حریت ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ پولیس کی جمعیت نہیں تھی۔ صرف لما در کرٹ اس مہم کو سفر کرنے کے لئے چل پڑے تھے۔ ہمارا تو یہی حال تھا لیکن دوسرے اس

پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ ویسے اس سلسلے میں کرٹل کا کوئی اصول نہیں تھا۔ اکثر وہ تھا
ہی ایسی مہموں پر روانہ ہو جاتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ یا تو ان کی بلیک فورس کے آدمی ان کے
آس پاس موجود ہوتے تھے یا ان کے بعض ماتحت۔

بہر حال اس وقت کی روائی عجیب لگ رہی تھی۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چند خوبشاش
قسم کے آدمی کہیں خالی ہاتھ میٹھے گفتگو کر رہے ہوں اور گفتگو کے دوران ہرجن کے شکار کا تنگ کرہے
چھڑ گیا ہوا اور انہیں میں سے ایک صاحب نے اٹھ کر کہا ہوا۔ چلو ہرجن مار لائیں۔ اس وقت دل چاہ
رہا ہے کہ آپ کو ہرجن کے شکار کا ایک لطفیہ سنا ڈالوں۔ مگر نالئے ورنہ آپ اور میرے تذکرہ
نوں میں صاحب دونوں ہی کہیں گے کہ سپنس کا خون کر دیا۔ ویسے ہم کسی نہ کسی کا خون کرنے تو
جاہی رہے تھے۔ ظاہر ہے مجرموں کی گرفتاری کے سلسلے میں اکثر گولیاں بھی چلتی رہیں اور

گولیاں لگنے ہی کے لئے چلتی ہیں ان کا مقصد سلام و دعا یا مزاج پر سی نہیں ہوتا۔
”کرٹل کہیں آپ غلطی تو نہیں کر رہے۔“ چانگ نے کہا۔ ”اسے اچھی طرح سوچ لیجئے کہ
گارس ان اور فونگ کے درمیان اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کون کس سے زیادہ خطرناک ہے۔“

”پھر تم کیا چاہتے ہو۔“

”اس طرح تھا جاتا ٹھیک نہیں ہے۔“

”تھا... ارے ہم تین ہیں چانگ۔“

”وہ تو ٹھیک ہے.... مگر....!“

”ہاں.... آں.... میں سمجھتا ہوں۔“ کرٹل کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ ”لیکن میں اس پر ابھی
تک یقین نہیں کر سکا کہ وہ تو نگہ ہی ہو گا۔ کیوں چانگ کیا تمہارے پاس اسکی کوئی پیچان ہے۔“
”سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ میں اسے اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکوں۔“

”میک اپ میں بھی اسے نہیں پیچان سکتے۔“ کرٹل نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں.... میں ایک انہوں بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔“

”اسی لئے میں نے ضروری نہیں سمجھا کہ اس سلسلے میں قتل از وقت شور چالیا جائے اور میں
عموماً ضابطے کے اندر ہی رہ کر کسی قسم کی کارروائی کرتا ہوں۔ اگر وہ لڑکی میرے ہاتھ نہ آگئی تو
تو میں اتنی جلدی نہ کرتا۔ فی الحال میں اس لڑکی کی شکایت پر یوڑھ سے پوچھ گھے کیلئے جا رہا ہوں۔“

”صرف پوچھ گھے....!“ چانگ نے مایوسانہ انداز میں پوچھا۔

”پھر اور کیا....!“ بھی اس سے زیادہ تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔“

”مگر آپ نے تو کہا تھا کہ میں یہ قصہ اسی وقت ختم کر دوں گا۔“
”ہو سکتا ہے ختم ہی ہو جائے۔“

اس پر میں خود بھی جھنجلا گیا۔ پتہ نہیں چانگ کا کیا حال ہوا تھا۔ بس کرٹل ایسے ہی موقع پر
لگتے ہیں جب ان کی طرف سے کسی بات کا کوئی صاف جواب نہیں ملتا۔

”اس سے پوچھ گھے کرنے کے لئے میں ہی کافی تھا۔ آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں۔“ میں
لے۔

لیکن کرٹل نے جواب نہیں دیا۔ کار ہرجن سے نکل آئی تھی۔

”میاہد ہرجن میں نہیں رہتا۔“ میں نے پوچھا۔

جواب نہیں میں ملا۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ جانا کہاں ہے۔ ویسے سڑک تو وہی تھی جو جھرمیالی کی
جانی ہے۔ چانگ بھی کبھی استفہامیہ نظر دوں سے میری طرف دیکھنے لگتا تھا۔ ہم دونوں
نشست پر تھے اور کرٹل ڈرائیور ہے تھے۔

میرا دل چاہا کہ قوای شروع کر دوں مگر چونکہ کرٹل کے ساتھ تھا اس لئے تمیں مار خانی کے
انہیں نصیب ہو سکتے تھے۔ تیس مار خانی مجھ سے عموماً اس وقت سرزد ہوتی ہے جب میں تھا
وں۔ اگر کوئی ٹوکنے والا سر پر موجود ہو تو عقل اپنی حدود سے باہر نہیں ہونے پاتی۔

کار ایک پچھے راستے پر موڑ دی گئی۔ پتہ نہیں منزل کہاں تھا۔ میری دلانت میں تو اصر
بی عمارت ہو ہی نہیں سکتی تھی جہاں کوئی غیر ملکی شبہات سے بالآخر ہو کر قیام کر سکتا مگر پھر
دیا یا کہ جھرمیالی کے قرب و جوار میں چینی کے برتن بنانے کا بھی ایک کار خانہ ہے اور اس کے
اس حصہ کی آبادی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ کار خانہ ایک غیر ملکی فرم کے تحت چل رہا تھا اس
لئے کی نو اسی بستی میں غیر ملکیوں کا قیام شہبے کی نظر سے نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ کار اسی بستی کی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے روکی گئی۔ عمارت
ارت تھی اور پائیں باغِ مختصر سا مگر سلیقے کا تھا۔ کرٹل کار سے اتر کر سیدھے عمارت کی
پڑھتے چلے گئے میں اور چانگ بھی بڑھے۔ ویسے آپ یقین سمجھتے کہ میں بڑی بے دلی سے
ہاتھ۔ میں چونکہ اپنے کیس کے ڈرامائی اختتام کا عادی تھا اس لئے مجھے کو فتی ہو رہی تھی
لہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہی بوڑھا فونگ ثابت ہو اتو بات کیا بنے گی کرٹل اسے اسی طرح گرفتار
ماگے جیسے مجرم عام طور پر گرفتار لئے جاتے ہیں۔ کرٹل کے ساتھ کام کرنے کا لطف
ٹلاکی میں تھا کہ کیس کے اختتام پر کسی پٹپٹے سے ناول کا مزہ آجائے۔ وہ بڑے داؤ بیچ کے

”کرتی ہو گی۔“ اس نے لاپرواں سے شانوں کو جنم دی۔

”میرا شوکیس برآمدے میں رکھا ہوا ہے ذرائعہ چلنے کی تکلیف گوار فرمائیے۔“

”اوتم درفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ اس نے بندروں کی طرح دانت نکالے۔ ”ورنہ میں ابھی اپنا نخوار بلڈ ہادٹم پر چھوڑ دوں گا۔“

پھر وہ بیٹھ گیا اور ایک کیاری کی مینڈ کاٹ کر اس کا زائد پانی دوسرا کیاری میں منتقل کرنے میں نے کہا۔ ”اگر تم سید ہی طرح نہیں چلو گے تو میں تمہیں زبردستی نے چلوں گا۔“

”اچھا...!“ وہ سر اٹھا کر مجھے تینکھی نظر وون سے دیکھنے لگا اس کے دونوں ہاتھ بدستور پانی میں تھے۔ دفتار میں بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ غیر متوقع طور پر بہت سا پیچڑی میرے چہرے کی لرف اچھال دیا گیا تھا۔ مگر اب پیچھے ہٹنے سے کیا ہوتا تھا۔ پیچڑی تو پڑ ہی چکا تھا پھرے پر اور میری آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ میں نے بیسانہ اس کے والدین کا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیا اور پھر مجھے سرور کا غصہ آیا کہ آنکھیں کھولے بغیر ہی اس پر چھلانگ لگادی اور ”چھپاک“ کی آواز کے ساتھ ہی میرا غصہ جیرت انگیز طور پر خوش مزاجی میں تبدیل ہو گیا کیونکہ میں پانی سے بھری ہوئی کی کیاری میں گرا تھا۔ پھر آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی دلدل میں گر کر جلدی سے اٹھ بیٹھنا تنا مشکل کام ہے۔ دانتوں پر بھی دلدل کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہے۔ ورنہ میں کہتا کہ دانتوں پسند میرا غصہ بھی بالکل ہی کافور ہو گیا تھا۔

میں نے بدق塘 تمام آنکھیں کھولیں ان میں مر چین سی بھر گئی تھیں۔ عمارت کا عقبی دروازہ

بند نظر آیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز تو میں نے کیاری میں گرنے کے بعد ہی سنی تھی۔

تو گویا وہ بوڑھا اس وقت کسی پاگل اور جھکی آدمی کا روں ادا کر رہا تھا ورنہ اس طرح بھاگ کر دروازہ کیوں بند کر لیتا۔

میں وہیں کھڑا اپنے چہرے اور بالوں سے پیچڑی جھکلتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرٹل اور پاگل کے سامنے کیسے جاؤ۔ یقین مانئے اس خیال پر چیخ مجھ پر بوکھلا ہٹ طاری ہو گئی اور میں نے دوڑ کر دروازہ پیشنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی اندر سے بوڑھے کے قبیلے کی آوازیں آنے لگیں۔ پیچوں کی طرح ہنس رہا تھا۔

”بھاگ جاؤ... بھاگ جاؤ۔“ اس نے کہا۔ ”اب کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔ میں انثور نش

ساتھ مجرموں پر ہاتھ ڈالتے تھے۔ اس انداز میں کہ مجرم بھی ہر کا بکارہ جاتے تھے۔ میرا دعویٰ ہے کہ ایسے موقع پر اگر مجرموں کی ذہنی رو بہک جائے تو وہ خود بھی اسی ان میں تالیاں بجانے لگیں جیسے کہ فلم میں چونی والے ہیروں کی اس وقت کی اچانک آمد پر تالیاں بجانے لگتے ہیں جب دبلین میر و من پر دست درازیاں کر رہا ہو۔ مگر میں سوچ رہا تھا کہ مجھے تالیاں بجانے کا موقع نہ مل سکے کیونکہ میں پاگل سے متفق تھا۔ میرا یہی خیال تھا کہ وہ یورپ بوجھا فوگ ہی ہو گا۔

کرٹل برآمدے میں پیچنے کر کاٹل مل کاٹن دبارے ہے تھے ہم بھی پیچنے گئے۔ لیکن دو منہ جانے کے باوجود بھی دروازہ کھلا۔ کرٹل ہماری طرف مڑے۔ ان کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ پاگل نے آہستہ سے کہا۔ ”کرٹل... فوگ سے مقابلہ ہے۔ اگر وہ فوگ کا کوئی سا ہو گا تب بھی آسانی سے آپ اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں گے۔“

کرٹل نے اس کے اس خیال پر اپنی رائے نہیں ظاہر کی۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتے رہے بولے اندر کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہے لیکن وہ یا تو بہرہ ہے یا سورہا ہے یا مر گیا ہے کیونکہ وہ اندر ہی سے بند ہے۔

”ہو سکتا ہے عقبی دروازے میں قفل پڑا ہو۔“ میں نے خیال ظاہر کیا۔ ”پلواسے بھی دیکھے لیتے ہیں۔ مگر نہیں... ہم یہیں تمہارا انتظار کریں گے۔“

میں برآمدے سے یچے اتر آیا اور عمارت کی پشت کی طرف چل پڑا۔ عمارت گوچھوں لیکن چہار دیواری کا پھیلاو پشت پر بہت زیادہ تھا اور یہاں مختلف قسم کی ترکاریوں کے چھوٹے کھیت تھے۔ انہیں کھیتوں کے درمیان مجھے ایک آدمی نظر آیا لیکن وہ آدمی ایسا ہو جیب میں پڑے ہوئے ریو اور پر میری گرفت مضمبو ہو گئی۔

غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ سوفیا کے چچا کو پہلی ہی نظر میں پیچان لینا میرے لئے کام نہیں تھا۔ میں نے عمارت کی طرف دیکھا جس کا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ بوڑھا غالباً کھیتوں کی طرف آیا تھا۔ میں اس کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

”لیا بات ہے۔“ اس نے چچے پن کا مظاہرہ کیا۔ ”اوہ میں گو بھی اور شاخم کے چیخ فروخت کرتا ہوں مطلب یہ کہ ایک ایسی فرم ہوں جو گو بھی اور شاخم اور چندروں غیرہ کے چیخ فروخت کرتی ہے۔“

ایجنتوں سے اسی طرح پیش آتا ہو۔ ”

پھر وہ خاموش ہو کر بڑا بولی۔ ”اب اور ہر کون سور کا بچہ ہے۔“

میں نے گھنٹی بجھے کی بھی آواز سنی تھی۔ ممکن ہے کہ قتل نے اندر سے قبیلے کی آواز پھر گھنٹی کا بین دبادیا ہو۔ پھر میں نے قدموں کی آواز سنی۔ شاند وہ صدر دروازے کی طرف تھا۔ میں نے دروازے کی جھبری سے جھانکا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا وہ اسی جانب جا رہا تھا؛ اسے ایک دروازہ میں داخل ہوتے دیکھا پھر وہ نظر نہیں آیا۔

میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ چانگ مجھے اس حال میں دیکھ کر اپنی ”میں اشارت کر دیتا اور میرا یہی دل چاہتا کہ یا تو اے ”ہو ہو“ کے قابل ہی نہ رہنے والی یا پہنچا گھونٹ لوں۔ ویسے یہ دونوں ہی صورتیں ناممکن تھیں۔

اگر بوڑھے نے حقیقتاً مجھے کوئی انشور فرش ایجنت ہی سمجھا تھا تو یقیناً وہ میری اصلیت ہا واقف تھا۔ جب وہ میری اصلیت سے ہی ناواقف تھا تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اُ رات میک اپ میں ہونے کے باوجود بھی میں کیپن حمید ہی کی حیثیت سے نشانہ بیایا تھا۔ مگر اس وقت یہ سب کچھ سوچنے کا موقع نہیں تھا۔ اندر سے پھر کسی قسم کی آواز نہیں لیکن آنکھ میری بدستور جھبری سے لگی رہی۔ شاید اسی حالت میں پانچ منٹ گزر گئے۔

اچانک میں نے کرتل کو دیکھا جو اندر وہی برآمدے میں کھڑے چاروں طرف دیکھتے۔ لیکن میں انہیں آوازوں نے سے پہلے ہی اچھل پڑا۔ کسی نے میری پشت پر ہاتھ بارا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں چانگ پر نظر پڑی جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے گھوڑا تھا۔ ”اوہ کیپن...“ یہی بیک اس کی ”ہو ہو“ چل پڑی۔

”یہی حشر تمہارا بھی ہو سکتا ہے میسر چانگ۔“ میں دانت پیس کر بولا۔ ”کیا ہوا کیا... اسی سے جھگڑا ہوا تھا۔ اسے تو کرتل نے اس طرح پکڑ لیا جیسے کسی ؟ پکڑتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ مکان کی تلاشی لے رہے ہیں۔“

اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر دوسرا طرف چلتے ہوئے کہا۔ ”میں نے اس سے بھی نہ دیکھے ہیں کیپن۔ اس طرح میری شکل بگزی ہے کہ میں آئینہ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔“ ہم صدر دروازے سے عمارت میں داخل ہوئے۔ بوڑھا اندر وہی برآمدے کی ایک کرسی پر ڈالا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ہھکڑیوں کا جوڑا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں تشو

انہار نہیں تھے۔ اس کی بجائے ان سے تمسخر جھاک رہا تھا۔

کرتل سامنے ہی والے کرے میں کاغذات کا ایک ڈھیر الٹ پلٹ رہے تھے۔

دفعتہ کر قتل ہنسنے لگا۔ نہیں بالکل مجنونوں کی سی تھی۔ پھر یہی بیک اسے غصہ بھی آگیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے مکار دکھاتا ہوا بولا۔ ”تم لوگ ڈاکو ہو۔ اس طرح مجھے بے بس کر کے لوٹنا چاہتے ہو۔ لیکن یہاں تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ میں کبھی کیش نہیں رکھتا۔ ایک پائی بھی نہیں۔“

”میں تمہیں تمہاری گرفتاری اور مکان کی تلاشی کا وارنٹ دکھا چکا ہوں۔“ کرتل نے سر اٹھائے بغیر کہا اور بدستور کاغذات کو التھے پلٹتھے رہے۔

”یہ میک اپ میں ہے کیپن...“ چانگ آہتہ سے بولا۔ ”اور خود کو پاگل ظاہر کرنے کی کوش کر رہا ہے۔ اس کے چہرے سے میک اپ کی نقاب ہٹ جائے تو صاف گارس اس کی شکل نکل آئے گی۔“

”گارس اس کی۔“

”ہاں فونگ اور گارس انہیں مشکل تھے۔“

”مگر اتنے خطرناک آدمی نے اتنی آسانی سے کیے ہھکڑیاں پہن لیں۔“

”مجھے خود بھی حیرت ہے کیپن۔“ چانگ بولا۔ ”ورنہ فونگ تو اپنے سامنے سے بھی بھڑکنے والا آدمی ہے۔“

ہم دونوں آہتہ آہتہ گتگو کر رہے تھے۔ بوڑھے نے صرف ایک ہی بار اچھتی سی نظر ہم پر ڈالی تھی اور پھر اپناسر سینے پر جھکا لیا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کہیں وہ بچھ کوئی نجخوٹ الحواس ہی نہ ہو۔ لیکن میں نے چانگ پر اپناخیال ظاہر نہیں کیا۔

کرتل ایک کرے سے دوسرے کرے میں جاتے رہے۔ انہوں نے میرا حلیہ دیکھا تھا۔

لیکن نہ انہوں نے مجھے ٹوکا تھا اور نہ اس پر حیرت ہی ظاہر کی تھی۔

چانگ نے کچھ دری بعد کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ مجھے کرتل کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔“

”اوہ یہ فونگ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر فونگ ہوتا تو مر جاتا مگر اپنے ہاتھوں میں ہھکڑیاں نہ پڑنے دیتا۔ لیکن یہ اس کے گروہ کا کوئی اہم آدمی ضرور ہے ویسے میرا دعویٰ ہے کہ یہ میک اپ میں ہے... اس کے بال... اس کی ڈاڑھی سب نلقی ہیں۔ میں تو کہوں گا کہ کوئی اقدام کرنے سے پہلے اسے بھی کیوں نہ آزمایا جائے۔ کہیں... ایسا نہ ہو کہ...!“

”ٹھہرو...!“ میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔... دوسرے ہی لمحے میں میرا ہاتھ بوڑھے کے سر پر ڈال گئے ہوئے بے ترتیب بال نلقی ہی ثابت ہوئے۔ اس کا سر انڈے کے چھکلے کی

ن تو میرے کارخانے کے لوگ مجھے اس صورت میں شناخت نہ کر سکیں گے اور یہ ہو نہیں سکتا
میرے کارخانے والوں سے شہادت نہ طلب کی جائے۔

چاگ کے بھی حمید کونہ روکا۔ کرٹل کے لبجے میں مایوسی تھی۔

”میں لیکا کرتا کرٹل۔ یہ بہت جلد باز آدمی ہیں۔“ چاگ نے جواب دیا
مجھے چاگ کے ریمارک پر اتنا غصہ آیا کہ میں نے اسی کے سے انداز میں ”ہو ہو“ شروع
رہی۔

ہم گھر واپس آئے۔ نیلم نے اطلاع دی کہ لڑکی اس وقت اس طرح بے خبر سورہی ہے جیسے
س نے ہزاروں راتیں جاگ کر گزاری ہوں۔

ہم پھر لاپری یہی میں آئیں ہے۔ بوڑھا ہمارے ساتھ تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں اب بھی
ہتھیار لگی ہوئی تھیں۔ لاپری یہی میں آنے سے پہلے کرٹل نے اپنی خواب گاہ میں جا کر کسی کو
فون کیا تھا۔

”اب بولو۔“ کرٹل نے بوڑھے کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”فوگ کہاں ہے۔“

”فوگ.... بوڑھے نے اتنی جیرت ظاہر کی جیسے کرٹل نے اس سے اظہار عشق کر دیا ہو۔“

”تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ تم تے ری فوگ کے ساتھیوں میں سے نہیں ہو۔“

”میں کسی تے ری فوگ کو نہیں جانتا۔“ بوڑھے نے اس انداز میں کہا جیسے اپنے نجیب
الظرفیں ہونے کا یقین دلا رہا ہو۔

”تم ابھی اعتراف کرلو گے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں ایسی اذیتیں بھی دینا جانتا ہوں
جو آدمی کو سب کچھ اگل دینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔“

”تم غیر قانونی طور پر مجھے محبوس نہیں رکھ سکتے۔“ بوڑھا غرایا۔

انتے میں لاپری یہی دالے فون کی گھنٹی بھی۔ کرٹل نے انھ کر کال رسیوکی۔ لیکن میں نے

ان کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار دیکھے۔ چاگ بھی بہت غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

انہوں نے ایک جھیٹکے کے ساتھ رسیوو رکھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”حید
میرے ساتھ آؤ۔“

میں بوکھلا گیا۔ میں نے کرٹل کے چہرے پر اتنی سراسیمگی کے آثار بھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ

دروازے میں رک کر مڑے اور چاگ کے بوالے۔ ”میری واپسی میں میں منٹ سے زیادہ نہیں

صرف ہوں گے۔ اس کا خیال رکھنا کہ یہ نکل کر جانے نہ پائے۔ ورنہ میں پھر تمہارے لئے کچھ نہ

طرح صاف تھا۔ پھر ڈاڑھی کی باری آئی اور وہ بھی نقلی ہی نکلی۔ بھلا میں موچیں الہماڑنے میں
کیوں دیر لگاتا۔ بوڑھا خاموشی سے بیٹھا رہا۔ جب میں اپنے کام سے فراغت جاصل کر چکا تو بورڑا
مسکرا کر بولا۔ ”اب تم پوچھو گے کہ میں میک اپ میں کیوں رہتا تھا۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ
مجھے اپنا گنجابر اچھا نہیں لگتا اور میں چاہتا ہوں کہ میرے چہرے پر خوبصورت قسم کی ڈاڑھی بھی
ہو لیکن میری اصلی ڈاڑھی کسی کام کی نہیں تھی۔ دو چار بال یہاں اور دو چار بال وہاں۔“

مرا آگیا

ہماری کار شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ بوڑھا میرے اور چاگ کے درمیان پھنسا ہوا
اور کرٹل ڈرائیور کر رہے تھے۔

مجھے بوڑھے پر حیرت تھی اس نے ہمارے ساتھ آنے میں ذرہ برادر بھی بچکچاہٹ ظاہر نہیں
کی تھی۔ لیکن اس کی بڑی براہمیت برادر جاری ہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہم لوگ ضرور کوئی ٹھا
ہیں اور اس فکر میں پیس کہ اس سے کوئی بڑی رقم ایشی جائے۔
”بس اب خاموش رہو۔“ میں نے اس کی بڑی براہمیت سے آتا کر کہا۔ ”سو فی تمہیں عدالت
میں شناخت کرے گی۔“

”کون سوفیا۔“
”تمہاری بھتیجی ہے تم یورپ کی سیر کر رہے ہے تھے۔“ میں نے کہا اور بوڑھا ہنیانی ٹھکل:
ہٹنے لگا۔

”اگر میری کوئی بھتیجی مجھے شناخت کر لے تو مجھے چانسی پر لٹکا دینا۔ مجھے کوئی اعتراف
ہو گا۔“ بوڑھے نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔

”تم سے زبردست غلطی ہوئی ہے حید۔“ کرٹل نے کہا۔ ”اے میک اپ ہی میں رشتہ
ہوتا۔ میراد عوی ہے کہ اب لڑکی کے فرشتے بھی اسے شناخت نہ کر سکیں گے۔“

چاگ کے منہ سے ایک تھیز دہی آواز نکلی اور بوڑھا ہٹنے لگا۔

”اوہو.... میک اپ تو دوبارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہر گز نہیں.... تم میں سے کوئی بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتا۔“ بوڑھا غرایا۔ ”اگر ای-

کر سکوں گا۔ ”

”اس کے فرشتے بھی یہاں سے نہ جائیں گے۔“ چانگ نے کہا۔ ”مگر بات کیا ہے۔“ ”ادہ ایک نہایت اہم معاملہ۔ لیکن یہ بھی ہے۔“ کرٹل نے کہا اور آگے بڑھ گئے؟ میرے پیر من بن بھر کے ہو رہے تھے۔ کیونکہ میں ابھی تک بچپن ہی میں لپٹا ہوا تھا۔ تو کر دیکھ کر بننے تھے۔ نیلم نے مشکلہ اڑایا تھا۔ لیکن مجھے غسل خانے کی بجائے لا بھریری ہی کی مر جانا پڑا تھا۔ کرٹل کا حکم... اور نہ جانے اب کرٹل ہی کا حکم مجھے کس پر رونق بازار میں تماشا یا جارہا تھا۔

”اوسر کار۔“ میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ”یوں نہیں... میرے گلے میں رسی ڈالے اپنے ہاتھ میں ڈالگی لیجھے تب مرا آئے گا۔“

انہوں نے پلٹ کر میرا تھ پکڑا اور کھینچنے لگے۔

”چل تو رہا ہوں۔“ میں نے بے بی سے کہا۔

وہ مجھے اسی طرح گھستی ہوئے عمارت کے ایک دورافتادہ کمرے میں لائے۔ یہاں کرف زمانے میں مختلف قسم کے ساز جانے کی مشق کیا کرتے تھے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ انہوں نے مجھے ایک کرسی پر دھکلتے ہوئے کہا۔ ”اب بتاؤ کہ تم بھوت کیسے گئے تھے۔“

”پہلے آپ بتائیے کہ جانا کہاں تھا۔“

”کہیں نہیں... میں تو تمہیں یہاں اس لئے لایا ہوں کہ میں ستار بجاوں گا اور تم کلیان الاپو گے۔“

”الاپنے کو تو میں شیام دلاری اور رام پیاری بھی الاپ سکتا ہوں مگر اب اونچنے کی سکت میں نہیں رہ گئی۔ آخر آپ نے فون پر کس سے گفتگو کی تھی۔“

”ارے وہ... وہ تو ایک جزل مرچنٹ کی کال تھی جس نے مجھے بتایا تھا کہ سیون اولکا کے بلید بھی بازار سے غائب ہو گئے اب میں سوچ رہا ہوں کہ کون سے بلید استعمال کروں۔“

”بہتر ہے۔“ میں نے مخندی سانس لے کر کہا۔ ”اٹھائیے ستار! میں اسٹار لیتا ہوں۔“ کرٹل نے پیچ میں ستار اٹھایا اور میں عظیم پرم راگی کی سی دردناک آواز میں الاپنے لگا۔

”کیسے نہ آئی بے جیا گلن ہو بے کریے“

تو والوں میں عظیم پرم راگی کے علاوہ مجھے آج تک کوئی پسند نہیں آیا۔ یہ میں نہایت سخت

ہے کہہ رہا ہوں۔ وہ ایک سچا آرٹ ہے۔ اور مستقبل میں صرف ”عظیم آرٹ“ ہی زندہ رہے گا۔ مگر معاف کیجئے گا میں اب والوں اور توالیوں کا تذکرہ نہیں چھیڑوں گا۔ ورنہ پھر سپنس کا خون ہو جائے گا۔ آپ خود ہی سوچپے اس سے بڑا سپنس اور کیا ہو گا کہ کرٹل ایک مجرم کو لا بھریری میں چھوڑ کر اتنی بدحواسی سے بھاگے تھے جیسے فون پر کسی عزیز کی موت کی اطلاع ملی ہو۔۔۔ لیکن... اب وہ یہاں بیٹھے ستار بجاء ہے تھے اور میں قوائی الاپ رہا تھا۔

آخر پھر مجھ پر جھلاہٹ کا دوڑہ پڑا اور میں خاموش ہو گیا۔ ستار کے تاروں پر کرٹل کی انگلیاں دوڑتی رہیں۔ اب انہوں نے ایک گٹ شروع کر دی تھی۔ میرے خدا یہ کرٹل آخر کس قسم کا آدمی تھا... کتنا شاذ ار... کتنا عجیب.... کتنا لاپرواہ.... اور کتنا پراسرار... میرا غصہ ذرا ہی سی دیر میں غائب ہو گیا اور میں ستار کی لے پر اس طرح ڈوبتا چلا گیا کہ سار سپنس ذہن کے کسی تاریک گوشے میں جا سیوا۔

پھر اچاک گھنٹی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ادھر کرٹل نے بھی ستار کھا کر ایک طویل انگڑائی لی۔ سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی گھنٹی پھر لگنائی۔

”چوہا پھنس گیا حمید صاحب۔“ کرٹل اٹھا گئے۔ ”آؤ... اب چوہا ہمیں بھروں یں سنائے گا۔“ ”اور میں کتے کے پلے کی طرح نیا اکن ٹیاوں کروں گا۔“ مجھے پھر غصہ آگیا۔

ہم دونوں تیزی سے لا بھریری کی طرف جا رہے تھے۔ چانگ ہمیں دیکھ کر عجیب انداز میں ہٹا جو ”ہو ہو“ سے بہت مختلف تھا۔ وہ میرے قریب کھڑا نظر آ رہا تھا۔

”او بھائی کرٹل۔“ اس نے کہا۔ ”یہ تمہارا گھر ہے یا غائب خانہ... میں یہاں میز پر ہاتھ رکھ کر اٹھا تھا کہ میرا ہاتھ ہی پھنس گیا۔“

اب میں نے غور سے دیکھا تو چانگ کے دابنے ہاتھ میں ہٹھکڑی نظر آئی۔

”اوہ... اچا...!“ کرٹل مسکرائے۔ ”بھی چانگ اس میز کی دراز میں گارسال کے کاغذات تھے۔ لہذا اس میں سے ہٹھکڑیاں بھی نکل سکتی ہیں۔ خود ہی دیکھو تم نے تار کے ٹکڑے کی مدد سے اس کا قفل کھولنے کی کوشش کی تھی حالانکہ یہ قفل اس کا عادی نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ ذرا بھی بد تیزی ہو تو یہ اسی طرح یا تو ہٹھکڑی اگل دیتا ہے یا فخر۔ شکر ہے کہ تم نجھ سے محفوظ رہے ورنہ وہ تمہارے سینے میں پیوست ہو جاتا اور میں تم سے یہ نہ پچھہ سکتا کہ پیارے مسٹرے ری فونگ تمہارے لئے کافی مغلاؤں یا چاٹے۔“

”تے ری فونگ...!“ میں بیسانٹہ اچل پڑا۔

بُرُّھا بھی چانگ کو آنکھیں چڑھا کر دیکھ رہا تھا۔
چانگ۔

میں جیج پڑا۔ کرنل نے میں پر بیٹھ گئے اور چاقو سامنے والے بند دروازے میں بیوست ہو گلے
چانگ کا بیاں ہاتھ آزاد تھا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر بڑی پھرتی سے کرنل کا نشانہ بیاں تھا
کرنل نے قبھر لے گایا۔ اور بڑے اچھے مود میں بولے۔ ”ای جیب میں روپا اور بھی موجود ہے
چانگ اب اسے آزماؤ۔“

چانگ نے ذرہ برابر بھی ستی نہیں دکھائی۔ روپا اور بھی نکل آیا۔ مگر چٹ چٹ کر کے
گیا اور پھر چانگ نے جھلاہٹ میں وہ بھی کرنل پر کھینچ مارا۔ ظاہر ہے کہ اس کا بھی وہی انجمام ہوا
تھا جو چاقو کا ہوا تھا۔

”اب دیکھو تو مشرتے ری فونگ“ کرنل چینیوں ہی کے سے انداز میں بولے۔ تم میں
گارسائی کی طرح مشہور تھے۔ مگر تمہیں اس کا ہوش نہیں کہ میں نے کب تمہاری جیب سے
روپا اور نکلا اور اسے خالی کر کے دوبارہ رکھ بھی دیا۔ مجھ تک آنے سے پہلے تمہیں گارسائی کے
انجمام پر بھی نظر ڈالنی چاہئے تھی۔ کیا وہ تمہارا استاد نہیں تھا۔ لیکن جب اس کے پر نکلے تھے تو ار
نے میرے ہی ملک کا رخ کیا تھا۔ خیر گارسائی تو یقیناً بہت چالاک تھا مگر تم... تم سے بڑا فر آزا
تک میری نظروں سے نہیں گزر اس پر تم نے کیے یقین کر لیا تھا کہ میں نے تمہیں کاؤپی چانگ
ہی سمجھ لیا ہے۔ کاؤپی چانگ جو میری تحقیقات کے مطابق اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تم سے کہتے
زیادہ چالاک تھا۔ وہ میک اپ میں کہی اس طرح زہانتا جس طرح تم بنتے ہو۔ تم نے چانگ کی کاؤ
کی نقل اتارنے کی کوشش ضرور کی ہے مگر اس لکنے کو ہمیشہ بھول جاتے ہو کہ میک اپ میں ہے
کے اس مخصوص انداز سے اجتناب کرنا چاہئے۔ پھر دوسرا بات تم نے یہ کیے یقین کر لیا کہ
چانگ کے بارے میں میرا بھی وہی نظریہ ہے جس کا عام طور پر فارموسا کی حکومت پر و پیگنڈا کرا
ہے۔ کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے کہ اس پر و پیگنڈے کا مقصد سمجھ سکو۔ کاؤپی چانگ چین کا بہتر
دماغ تھا۔ اس سے سرخ پین کی حکومت کو خدشہ ہو سلتا ہے لہذا فارموسا کی حکومت سرخ چین
اس خلش میں بمقابلہ کھنا چاہتی ہے کہ چانگ زندہ ہے اور وہ ایک نہ ایک دن اس کا تختہ ضرور ال
دے گا۔ بس اتنی سی کہانی ہے اس پر و پیگنڈے کی جو فارموسا سے سرکاری طور پر کیا جا رہا ہے
آئے دن وہاں کاریڈیو اسٹشن چیختا رہتا ہے کہ چانگ زندہ ہے اور غتریب وہ قوم پر ستون کا ہے

بن جائے گا۔ بس اسی لئے تم اپنی نعلیٰ پیٹ کی کہانی لے کر میرے پاس دوڑے آئے۔ آنسیں نکال
رہ کھائیں تاکہ میں یقین کر لوں کہ تم کس طرح اپنے دشمنوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب
ہو گئے تھے اور حقیقتاً زندہ ہو.... اور تمہاری اس اچھل کو دا مقصد ہے تھا کہ کسی طرح گارسائی
کے کاغذات تمہارے ہاتھ لگ جائیں۔ ریکارڈ روم میں گھنے کی بہت تم میں نہیں تھیں لہذا تم نے
اپنی ذہانت پر اعتقاد کر کے مجھے کوئی بات نہیں بنادی۔ اپنے ماتحتوں کے ذریعے ایک ڈراما اشیع
کر ریا اور مجھے یقین دلاتے رہے کہ وہ تے ری فونگ کے آدمی ہیں۔ تے ری فونگ کو بے حد
پر اسرار آدمی بنائے کر پیش کیا اور پھر یہ تجویز میرے سامنے رکھی کہ وہ کاغذات نکالے جائیں جو
گارسائی کی گرفتاری کے بعد اس کے پاس سے برآمد ہوئے تھے۔ تم نے خیال ظاہر کیا تھا ممکن ہے
انہیں کاغذات سے کوئی ایسی بات معلوم ہو سکے جس سے تے ری فونگ کے متعلق کچھ معلوم
ہو جائے۔ میں جو تمہیں ایک چوبے کی طرح پکڑنے کا تھیہ کر چکا تھا اس پر آمادہ ہو گیا اور پھر مجھے
یہاں لا بسیر یہی میں یہ میز رکھوائی پڑی۔ ورنہ تمہارے ہی قول کے مطابق یہ میرے عجائب خانے
ہی میں پڑی رہتی ہے۔“

”بس ختم کر دیو یہ مذاق“ چانگ نے ہوتلوں پر زبان پھر کر مسکرانے کی کوشش کی۔
”مگر تمہارے مذاق نے تو مجھے ہی ختم کر دیا ہوتا۔ یہ چاقو... وہ روپا اور تو
وراصل اس بوزھے کے لئے تا اگر تمہیں موقع مل جاتا تو میرا اعتقاد حاصل کرنے کے لئے تم
اسے ختم ہی کر دیتے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بوزھے یا تمہارے دوسرے ساتھیوں نے آج تک
تمہاری ٹھکل نہ دیکھی ہو گی۔ تم نے سوچا تھا کہ اگر یہ سب گرفتار ہو گئے تب بھی تمہارا کچھ نہ
گزئے گا۔ یہ تمہاری نشاندہی نہیں کر سکیں گے۔ مگر اس لڑکی کی کہانی مجھے ضرور سناؤ۔ تم نے
حقیقتاً ان کاغذات کے لئے بہت سمجھیز اکیا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کی کہانی یقیناً میرا اذہن الحجاسکی تھی
اور میں تمہارے شےبے کی بناء پر گارسائی کے کاغذات ریکارڈ روم سے نکال سکتا تھا۔ مگر تمہاری
ہنی... یہ کچھ تو... تم ہنی کی وجہ سے مارے گئے۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ تم مجھے فریب دینے میں
کامیاب ہی ہو جاتے۔ کیونکہ تمہارا میک اپ بڑا شاندار تھا اور اس معاملے میں تم یقیناً گارسائی سے
کمر لیتے ہو.... آہاں ان کاغذات کو تو میں بھول ہی گیا۔ حیدا زور ان کی پشت کھولو۔ بس کوٹ اور
قمشیں اوپر اٹھا دو۔“

کے تھے اور لکھا گیا تھا کہ گارس ان کے جتنے بھی ساتھی گرفتار ہوئے ہیں ان میں کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جس کی پشت پر چچپل کا نشان ہوتا۔ بہر حال اس کے سر پر چچپل ہی سوار تھی کہ یہ اس کے لئے یہاں دوڑا آیا۔

”تو یہ دوہر امیک اپ کرتا تھا۔“ میں نے پوچھا۔

ہاں قطعی دوہر ایک..... اصلی چہرے پر چانگ کا پلاسٹک میک اپ ہے اور اس میک اپ پر یہ امرے معنوی قسم کے میک اپ کرتا رہتا تھا۔

چلے کہاں بھی ختم ہو گئی۔ جناب اب بقیر نشان آپ خود اخذ کر لجھے۔ فراسوچے تو کہ فونگ نے کس طرح گھستا رہا تھا اور خود کس طرح گھسا گیا تھا۔ گویا کرٹل نے اس دن تمہیں کر لیا تھا کہ گی کو پکڑ ہی لیں گے ورنہ اس مہم پر روائی سے پہلے اسی کے سامنے وہ کاغذات اس میز کی درازی کیوں رکھتے جس میں آٹو میک ہٹھڑی موجود تھی۔ گویا انہیں پہلے ہی سے علم تھا کہ اس دو جد کا نقشہ کیا ہو گا۔ یعنی انہیں معلوم تھا کہ وہ بوڑھے کو پکڑ کر لے ہی آئیں گے اور پھر گی کو موقع دیں گے کہ وہ کاغذات چرانے کی کوشش کرے۔

آٹو میک ہٹھڑی کا سلسلہ اس گھنٹی سے ملایا گیا تھا جو اس کمرے میں لگی ہوئی تھی جہاں ہم دونوں نے گایا جایا تھا۔

کیا ب یہ بھی بتانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ بانوں کے لدے ہوئے اس ٹرک پر اڑل ہی کے آدمی تھے۔ جس نے جھریاں تک میرا اور سوفیا کا تعاقب کیا تھا۔ وہ لوگ یہ دیکھنے کے لئے پہچے گئے تھے کہ ہمارا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔ یہاں بھی فونگ سے غلطی ہوئی تھی۔ فونگ کو ہمارا تعاقب ضرور ذکر انداز چاہئے تھا.... کرٹل اسی سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ سوفیا کا انعام میں فونگ کی مرضی کے مطابق ہوا تھا.... اور وہ خاص طور سے ہمارے سر منڈھی گئی تھی۔ اب میں آپ کو ہرگز نہیں بتاؤں گا کہ فونگ کا کیا حشر ہوا.... اور وہ کس ملک کے لئے کام کر رہا تھا۔ کیوں کہ یہ ملک کے راز ہیں۔

ربا سوفیا کا معاملہ تو اس کے وطن بھجوادیا گیا اور اسے اصل معاملے کا علم ہی نہ ہو سکا۔

بوڑھے نے اقبال جرم کر لیا تھا۔ سوفیا کو اسی نے ورنگا یا تھا ورنہ وہ حقیقتاً معصوم تھی۔ فونگ کے ساتھی تعداد میں وس گیا رہ تھے۔ لیکن انہیں فونگ کی شخصیت کا علم نہیں تھا۔

”خبردار... آگر کوئی میرے قریب آیا۔“ فونگ دھاڑا اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے پھر گرج کر کہا۔ ”ابھی میرا ایک ہاتھ اور دونوں پیروز آزاد ہیں اور میں تے ری فونگ ہوں... فونگ دی گریٹ۔“ پھر اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ یقیناً یہ ”منم“ قسم کا کوئی نظرہ ہی تھا۔ ”میں تمہارے قریب آؤں گا۔“ کرٹل مسکرائے۔ ”اور اسی بات پر تمہیں آزاد بھی کروں گا تاکہ تمہیں اپنے کمالات دکھانے کا موقع مل سکے۔“

کرٹل آگے بڑھے اور فونگ نے میز پر بیالاں ہاتھ بیک دلتی چلائی۔ لیکن میں نہیں دیکھ سکا کہ کرٹل نے کیا کیا۔ دیسے یہ تو دیکھ ہی رہا تھا کہ دوسرے ہی لمحے میں میز دوسرا طرف گر گئی اور خود فونگ اسی پر ڈھیر ہو گیا۔ کرٹل نے اسے دیوچ کر میز کی دراز کا ہینڈل گھمایا اور اس کا داہنا ہاتھ ہٹھڑی کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔

”اب آؤ“ کرٹل اسے چھوڑ کر ہٹتے ہوئے بولے۔ مگر فونگ اٹھنے سکا۔ گرتے وقت پرہ نہیں کہاں چوٹ آئی تھی جس نے اسے نٹھال کر دیا تھا اور وہ شائد اسی کی بناء پر آنکھیں کھون لئے میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا اور اس کا سارا جسم کسی چوٹ کھانے ہوئے مینڈنک کی طرح کاپنے لگا تھا۔

کرٹل نے اس کی پشت سے لباس ہٹایا اور آہستہ سے بولے۔ ”یہ بلاشبہ فونگ ہے۔ یہ نشان دیکھو۔“

فونگ بیو شہ ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی پشت پر سرخ رنگ کا ایک نشان دیکھا جو چچپل نے مشابہ تھا اور یہ نشان پیدا کی معلوم ہوتا تھا۔

”ان کاغذات کو یہ اسی لئے حاصل کرنا چاہتا تھا کہ ان میں اس چچپل کے نشان کا تذکرہ ملتا ہے۔ گارس ان کے ساتھیوں میں اس کے کچھ ایسے معتمد بھی تھے جنہوں نے گارس ان اور فونگ دونوں ہی کو دیکھا تھا۔ لیکن دونوں کی شکلیں یکساں ہونے کی بناء پر انہیں بھی دھوکہ ہو جاتا تھا۔ اس لئے یہ چچپل ان دونوں کے درمیان امتیازی نشان قرار پائی تھی۔ مگر یہ کاغذات اس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ چچپل کا نشان رکھنے والا فونگ کہلاتا ہے۔ بس اس کا تذکرہ چچپل والا لکھ کر کیا گیا ہے۔ یا پھر بعض جگہ یہ لکھا گیا ہے کہ وہ جس کی پشت پر چچپل کا نشان ہے۔ تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ گارس ان کیس ختم ہونے کے بعد اخبارات میں ان کاغذات کے خوب خوب تذکرے

ان لوگوں کو ان کے ملک کی حکومت کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ وہ فونگ ناہی ایک غصہ کر احکامات کی تقلیل کریں جو ان کے سامنے نہیں آئے گا۔ بلکہ پس پرده ان پر کنٹرول کرے گا۔ ”اچھا جناب اب اجازت دیجئے۔ لیکن خدار امیری یہ کہانی زیادہ پسند نہ کیجئے گا ورنہ مجھے ہم شاعروں ہی کی طرح ”واہواہ“ کی چاٹ پڑ جائے گی اور میں اپنے دہنے سے بھی جاؤں گا۔“ اس کہانی سے دو نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں اول تو یہ کہ آنکھیں بند کر کے کسی کے پہنچ مت چلو۔ ورنہ کوئی فونگ تمہیں آؤ بنا کر رکھ دے گا..... دوسرا نصیحت یہ کہ خوبصورت لڑکیوں کے پکر میں ضرور پڑ کیوںکہ دھنے کھائے بغیر آدمی دنیا کے سردو گرم سے آشنا ہم ہو سکتا۔“

تمام شد